

تاریخ

دعوت و عزیمت

حصہ سوم

حضرت خواجہ مُعین الدین چشتی رح
سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رح
حضرت مخدوم شیخ شرف الدین گنجی منیری رح
سوانح حیات، صفات و کمالات و تحسینی و
اصلاحی کارنامے،
علامہ و متنبین مُستشرقین کا تذکرہ و معارف

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مجلس نشریات اسلام

بکے۔ ۲۰ عالم آباد منیشن: عالم آباد کراچی۔ ۱۹۷۱ء

تاریخ دعوت و عزیمت حصہ سوم

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح
سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رح
حضرت مخدوم شیخ شرف الدین بحی منیری رح
سوانح حیات، صفات و کمالات و تحبیدی و
اصلاحی کارنامے،
تلامذہ و منتسبین مُسترشدین کا تذکرہ و تمعار

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مجلس نشریات اسلام

۱۔ کے ۳ ناظم آباد مینشن ناظم آباد کراچی ۱۵

جملہ حقوق طباعت و اشاعت پاکستان میں
بحق فضل ربی ندوی محفوظ ہیں۔

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

- ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
- رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند
- صدر مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ
- رکن مجلس انتظامی و مجلس علماء دارالمصنفین عظیم گڑھ
- رکن عربی اکادمی دمشق
- رکن مجلس شوریٰ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ
- رکن مجلس تائیس رابطہ عالم اسلامی مکہ معظمہ
- رکن مجلس عاملہ موتمر عالم اسلامی بیروت
- رکن مجلس انتظامی اسلامک سینٹر جنیوا
- سابق وزٹنگ پروفیسر دمشق یونیورسٹی و مدینہ یونیورسٹی
- صدر اسلامی سینٹر آکسفورڈ

نام کتاب	تاریخ دعوت و عزیمت
تصنیف	مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
طباعت	احمد برادر پرنٹنگ پریس، کراچی
صفحات	۳۳۶ صفحات
ٹیلیفون	6601817

اسٹاکسٹ: مکتبہ ندوۃ قاسم سینٹر اردو بازار کراچی
ناشر
فضلہ ربیہ ندوی

مجلس نشریات اسلام ۱۔ ۲۔ ۳۔ ناظم آباد مینشن، ناظم آباد کراچی ۷۴۶۰۰

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۶	استاد کے محبوب	۱۱	حرف آغاز
۵۶	علمی امتیاز و تفوق		باب اول
۵۷	حفظ مقامات اور اس کا کفارہ	۱۹	ہندوستان میں حشتی سلسلہ اور اسکے اکابر شیوخ
۵۷	حدیث کی اجازت	۱۹	عالم اسلام کا نیار و حانی و فکری مرکز
۵۸	قلبی بچپنی اور انجذاب الی اللہ	۲۱	اسلامی ہند کے معمار
۵۸	والدہ صاحبہ کا انتقال	۲۲	ہندوستان سے حشتیوں کا پہلا تعلق
۵۸	والدہ کی یاد	۲۳	حضرت خواجہ معین الدین حشتی
۵۸	والدہ کا یقین و توکل	۳۱	حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی
۵۹	ایک تنائے خام	۳۶	حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر
۶۰	اجودھن کی پہلی حاضری		باب دوم
۶۰	طالب یا مطلوب	۵۲	سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا
۶۰	مرید کی خاطر		کے حالات و کمالات
۶۱	بیعت	۵۲	نام و نسب
	سلسلہ تعلم کا اجر و ثواب	۵۳	ابتدائی تعلیم و تربیت
۶۱	انقطاع؟	۵۴	فقر و فاقہ اور والدہ کی تربیت
۶۲	شیخ کبیر سے درس	۵۴	شیخ کبیر سے مناسبت اور قلبی کشش
۶۲	درس کی لذت	۵۵	دہلی کا سفر
۶۲	خود شکنی کی تربیت	۵۵	دہلی میں طالب علمی
۶۴	فیصلہ کن موقع		
۶۵	ایک رفیق کی ملامت		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۲	غم اسلام	۶۶	کتنے بار حاضری ہوئی
۸۶	سلطان قطب الدین کی مخالفت	۶۶	شیخ کی نوازشیں
۸۶	اور اس کا قتل	۶۷	رخصت اور وصیت
۸۸	غیبی سنگ	۶۷	ایک دعا کی درخواست
	غیاث الدین تغلق کا عہد اور	۶۸	اجو دھن سے دہلی کو
۸۹	سرکاری مجلس مناظرہ	۶۹	تصفیہ حقوق
	مجلس مناظرہ کا حال حضرت	۷۰	دہلی کی قیام گاہیں
۹۲	خواجہ کی زبان سے	۷۲	فقر و فاقہ
۹۳	دہلی کی تباہی	۷۳	غیر کے واسطہ کے بغیر
۹۴	نظام الادقات	۷۳	شیخ بکھر کی وفات
۹۴	امیر خسرو کی خصوصیت	۷۴	غیاث پور کا قیام
۹۵	شب کی تیاری	۷۶	رجوع عام
۹۶	سحری	۷۷	فقیر و منعم
۹۶	صبح کے وقت	۷۸	بیداری پر پہلا سوال
۹۷	دن میں	۷۸	دنیا سے نفراور بذل و عطا
۹۷	دلدار و تربیت	۷۸	زمین و جامداد سے پرہیز
۹۷	قرب سفر	۷۹	فقیر کا شاہی دسترخوان
	خلفائے کبار کو اجازت نامے	۸۱	شیخ کی غذا
	اور	۸۱	ترتیب
۹۷	ان کی محبت و نواخت	۸۱	سلاطین عہد سے بے تعلقی
۹۸	وفات کا حال		سلطان علاء الدین کا امتحان و عقیدت
		۸۲	بادشاہ کے آنے سے معذرت
		۸۲	گر کے دروازے



	باب پنجم		باب سوم
	۱۲۶ — ۱۳۴		۱۰۲ — ۱۱۲
	(افادات و تحقیقات)		(اخلاق و صفات)
۱۲۶	علمی پایہ	۱۰۲	جامع اوصاف
۱۲۶	علمی و ادبی مناسبت	۱۰۳	اخلاص
۱۲۷	حدیث و فقہ پر نظر	۱۰۵	دشمن نوازی
۱۲۸	اہمیت علم	۱۰۷	پیرہ پوشی و نکتہ نوازی
۱۲۹	بلند علوم و مضامین	۱۰۸	شفقت و تعلق
۱۳۰	علوم صحیحہ شرعیہ	۱۰۹	غنچہ اری عام
۱۳۰	حلال الخ راہ خدا نہیں	۱۱۱	چھوٹوں پر شفقت
۱۳۱	قلب متوجہ الی اللہ کے بعد کوئی چیز مضر نہیں		
۱۳۱	ترک دنیا کی حقیقت		باب چہارم
۱۳۲	طاہریت لازم و متعدی		۱۱۳ — ۱۲۵
۱۳۲	کشف و کرامات حجاب راہ		(افادہ و کیفیات)
۱۳۲	علوم انبیاء و اولیاء	۱۱۳	محبت و ذوق
۱۳۳	دنیا کی محبت اور عداوت	۱۱۵	سماع
۱۳۳	مراتب تلاوت قرآن	۱۱۹	مزا میر سے نفرت و ممانعت
	باب ششم	۱۲۰	سماع میں آپ کی کیفیت
	۱۳۵ — ۱۵۲	۱۲۲	ذوق قرآن
	(فیوض و برکات)	۱۲۳	شیخ سے تعلق
۱۳۵	تجدید ایمان و توبہ عام	۱۲۴	جماعت کا اہتمام اور بلند ہمتی
۱۳۷	بیعت ایک عہد و معاہدہ		شرعیات کی پابندی اور اتباع
۱۳۹	عموم بیعت کی حکمت	۱۲۴	سنت کا اہتمام

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۴۹	ولادت	۱۴۱	عمومی زندگی پر اثر
۱۴۹	تعلیم	۱۴۶	عشق کار و روز بازار
	مولانا شرف الدین ابو توامہ سے ملنے	۱۴۷	خلفاء کی تربیت
۱۸۰	اگر سارگاؤں کا سفر	۱۴۹	چشتی خانقاہیں
۱۸۲	ازدواج	۱۵۰	مریدین باختصاص
۱۸۲	مراحت و وطن		باب ہفتم
۱۸۴	سفر دہلی اور انتخاب شیخ	۱۵۵ — ۱۴۳	حضرت خواجہ کی تعلیم و تربیت کے اثرات
۱۸۵	سبقت شیخ بنجیب الدین فردوسی	۱۵۵	آپ کے خلفاء کی دینی و اصلاحی خدمات
	باب دوم		سلاطین وقت سے بے رعیتی اور حق گوئی
	۱۸۶ — ۱۹۵		کے نمونے
	(ہندوستان میں سلسلہ فردوسیہ)	۱۵۶	اسلامی سلطنت کی رہنمائی و نگرانی
	اُس کے مشائخ کبار	۱۶۰	اشاعت اسلام
۱۸۶	خواجہ نجم الدین کبریٰ	۱۶۶	خدمت و اشاعت علم
۱۸۹	ہندوستان میں اس سلسلہ کی آمد	۱۷۰	خاتمہ کلام
۱۹۰	سلسلہ فردوسیہ ہندوستان میں		
۱۹۰	خواجہ بدر الدین سمرقندی		مخدوم الملک شیخ شرف الدین بھٹی منیری
۱۹۳	خواجہ رکن الدین فردوسی		۶۶۱ھ — ۷۸۶ھ
۱۹۴	خواجہ بنجیب الدین فردوسی		باب اول
	باب سوم		۱۷۵ — ۱۸۵
	۱۹۶ — ۲۰۲		ولادت سے جمعیت تک
	(مجاہدہ و خلوت، قیام و سکونت)		خاندان
	اور ارشاد و تربیت	۱۷۷	

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۳۸	ممتاز مریدین و خلفاء	۱۹۶	ہلی سے واپسی
۲۳۹	تصنیفات	۱۹۷	شورشِ عشق
	باب ششم	۱۹۷	راجگیر کے جنگل میں
۲۴۰ — ۲۴۷	(مکتوبات)	۱۹۹	بہار کی مسکرت اور خانقاہ کی تعمیر
۲۴۰	مکتوبات اور ان کا علمی ادبی پایہ	۲۰۲	افادہ دارشاد
۲۴۵	مکتوبات کے مجموعے اور ان کے مکتوبات		باب چہارم
۲۴۷	مضامین کا ماخذ	۲۰۵ — ۲۲۲	(صفات و خصوصیات)
	باب ہفتم	۲۰۵	فنائیت
۲۴۶ — ۲۴۹	(مقام کبریا)	۲۱۰	علاؤِ اخلاق
۲۴۹	بے نیازی سلطانِ عالم	۲۱۲	رحمت و شفقت
۲۶۱	دریائے رحمت کا جوش	۲۱۵	دنیا سے بے لوثی دے تعلق
۲۶۳	صلائے عام	۲۱۶	علومیت
۲۶۴	کریم نکتہ نواز	۲۱۸	تجربہ و تفرید
۲۶۶	توبہ کی تاثیر	۲۲۱	مر بالمعروف اور مسلمانوں کے علاوہ معاملات کی فکر
	باب ہشتم	۲۲۲	اتباعِ سنت
۲۸۱ — ۲۹۷	(مرتبہ انسانیت)		باب نہم
۲۹۷	ایک انقلاب انگیز دعوت	۲۲۵ — ۲۳۹	(درفات)
		۲۳۶	نماز جنازہ اور تدفین
		۲۳۷	ادلاد و اعقاب

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	باب دہم	۲۹۸	خانی کی نظر خاص
	۲۹۸ ————— ۳۱۲	۲۷۰	امانت محبت
	(حفاظتِ دین و حمایتِ شریعت)	۲۷۲	حاصل وجود
۲۹۸	ایک اصلاحی و تجدیدی کا نامہ	۲۷۳	بارِ امانت
۲۹۹	بنوتِ ولایت سے افضل ہے	۲۷۴	ذرہ خاک کا اقبال
	انبیاء کی ایک سانس تمام اولیاء کی	۲۷۶	میرالہی کا حامل
۳۰۲	پوری زندگی سے افضل ہے	۲۷۸	مسجود و محسود
	انبیاء کا جسم اور اولیاء کا قلب	۲۷۹	دل آگاہ
۳۰۲	شریعت کا لزوم و دوام	۲۸۱	شکستہ تر، عزیز تر
۳۰۴	شریعت کی پابندی ہمیشہ ضروری ہے	۲۸۱	محبت کی فرما زوائی
۳۰۵	بقیہ شریعت کا راز		باب نہم
۳۰۵	ایک بلیغ مثال	۲۸۳	۲۹۵ ————— ۲۸۳
۳۰۷	علماء اور مشائخ کا ملین کا اسوہ		(تحقیقات و علوم عالیہ)
۳۰۹	شریعت کی شرط	۲۸۳	بلند و لطیف علوم و مضامین
۳۱۰	اتباع محمدی سے چارہ نہیں	۲۸۴	وحدۃ الشہود
	سلسلہ فردوسیہ کی اشاعت	۲۸۷	تغیر صفات میں ہے نہ کہ ذات میں
۳۱۱	اور	۲۸۷	تیز رفتار کی حرکت نظر میں نہیں آتی
	اس کے بعض مرکز	۲۸۹	خواہشاتِ نفسانی کا ازالہ مقصود نہیں
	حضرت مخدوم صاحب کے	۲۹۱	شکستگی مقصود ہے
	بعض دو ہے	۲۹۲	کرامت بھی ایک بت ہے
۳۱۲	اور	۲۹۴	کشف و کرامات اور استدراج
	ہندی فقرے	۲۹۵	نضیلتِ خدمت
			نفس کی اصلاح کا معیار

سپاہِ تازہ برانگیزم از ولایتِ عشق
کہ در حرمِ خطرے از بغاوتِ خرد است
(اقبالؒ)

2

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حرفِ آغاز

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ صَلَفُوا

الحمد للہ کہ تاریخ دعوت و عزیمت کا تیسرا حصہ پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے
دوسرے اور تیسرے حصے کے درمیان اتنا طویل وقفہ پیش آیا کہ مصنف کی طبیعت افسردہ
اور شائقین مایوس سے ہو گئے۔ اس عرصہ میں مصنف کے کوتاہ قلم سے متعدد دکتا میں
نکلیں اور شائع ہوئیں، جتنی تاخیر ہوتی جا رہی تھی اتنا ہی یہ اندیشہ بڑھ رہا تھا کہ خدا نخواستہ
یہ مفید سلسلہ بہت سے قدیم مصنفین کی اہم کتابوں اور خود اپنے بعض سلسلہ تصانیف
کی طرح ناتمام نہ رہ جائے، شاید ایسا ہی ہوتا اور کم سے کم یہ کہ یہ وقفہ طویل سے طویل تر
ہوتا، اگر اس میں ایک قابلِ صدا احترام اور واجب التعمیل اشارہ اور تقاضا
شامل نہ ہوتا۔

میرے مرقی رُو حافی حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری دامت برکاتہ، نے
تاریخ دعوت و عزیمت کو بار بار سن کر اور بار بار اپنی مجالس میں پڑھوا کر، تصنیف اور مصنف کی عزت و

بڑھائی، ان دو جلدوں کے بعد حضرت موصوف نے تیسری جلد کا تقاضا فرمایا اور اپنے خادم کو اس کی تکمیل کی بار بار ہدایت فرمائی۔ بار بار ایسا ہوا کہ میں باہر سے حاضر خدمت ہوا، تو پہلا سوال یہ ہی فرمایا گیا کہ تیسرا حصہ مکمل کر لیا؟ بعض مرتبہ میں نے اپنی الجھنیں عرض کیں سنتے ہی ارشاد ہوا کہ تیسرا حصہ تو مکمل ہی کر لیجئے! پھر جب حضرت والا کو یہ معلوم ہوا کہ یہ حصہ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی قدس اللہ سرہ کے تذکرہ پر مشتمل ہوگا تو اپنے تعلق رسانی اور نسبت خاص کی بنا پر حضرت کی طرف سے اس کا اور بھی تقاضا ہوا، ادھر اس عاجز کا یہ حال ہو گیا تھا گویا اس نے قلم رکھ دیا ہے اور اس موضوع سے مناسبت جلاتی رہی ہے یہاں تک کہ جون ۱۹۳۷ء میں ایک بار جب حاضر خدمت ہوا تو حضرت کی مجلس مبارک میں حضرت خواجہ کادہ مجموعہ پڑھا جا رہا تھا جو **فصل الفوائد** کے نام سے **میسرہ** کی طرف منسوب ہو کر لاہور سے شائع ہوا ہے اور ایک عزیز دوست تحفہ لائے تھے، یہ مجموعہ ایسے غیر مستند مضامین اور بے اصل روایات پر مشتمل ہے کہ اس کا سننا بھی تحقیقی اور تاریخی ذوق رکھنے والوں پر بلکہ مذاقِ سلیم پر سخت بار ہے، اس کی نسبت امیر خسرو کی طرف قطعاً مشکوک ہے۔ حضرت خواجہ کیسودراؤ جکے اور سلطان المشائخ کے درمیان صرف ایک ہی واسطہ اور وہ بھی حضرت چراغ دہلی کا ہے اور جو اسی خانوادہ عالی کے چشم و چراغ اور محرم اسرار ہیں۔ صاف فرماتے ہیں کہ **فوائد الفوائد** کے علاوہ ملفوظات کے جتنے مجموعے مشہور ہوئے ہیں۔ مجلس میں یہ کتاب پڑھی

۱۔ "ملفوظ شیخ نظام الدین کہ امیر حسن شاعر جمع کردہ است آن معتبر است و ملفوظ ہائے دیگر کہ

ازاں شیخ ہمشہ اندمہ باد ہوا است" (جوامع الکلم)

جہاں ہی تھی، حضرت کبھی کبھی اس کے مضامین پر استعجاب کا اظہار فرماتے، نیمباز مگر دلفناز نگاہیں جو کبھی کبھی مصنف پر بھی پڑ جاتیں اشارہ اشارہ میں کہتیں کہ اگر کوئی مستند کتاب موجود ہوتی تو ایسی غیر مستند کتابوں کی کیا ضرورت تھی؟ یہ نگاہ دل میں تیر کی طرح پار ہو گئی اور وہیں دل نے فیصلہ کیا کہ پہلی فرصت میں اس کام کو انجام دینا ہے، اور یہ ارمغان پیش کرنا ہے۔

اس کام میں توقف مہونے کا ایک سبب راہ کی دشواریاں بھی تھیں، ہندوستان کے اولیائے کرام، داعیان اسلام اور مشائخ عظام کے تذکرہ میں بیشمار کتابیں لکھی گئیں، ان میں بڑی بڑی ضخیم تصنیفات بھی ہیں، لیکن جب اس عصر کا کوئی مصنف ان کے ایسے حالات جمع کرنے کے بیٹھتا ہے جن سے ان کے اصل کمالات، ان کی دینی تبلیغی مساعی، ان کی تعلیم و تربیت کے نتائج، ان کے مزاج و مذاق پر روشنی پڑے اور اس زمانہ کے لوگوں کے لئے یہ حالات سبق آموز، مشوق انگیز اور بہت آفریں ہوں، اور بحیثیت ایک جلیل القدر اور کامل انسان کے ان کے حالات منظر عام پر آئیں، اور ان کی سوانح کا صحیح ڈھانچہ سامنے آجائے تو اس کو سخت مایوسی اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، بعض اوقات صد ہا صفحات کی ایک کتاب سے بلکہ متعدد کتابوں کی مدد سے بھی ایک صفحہ کے بقدر بھی مواد حاصل نہیں ہوتا، عظیم ترین شخصیتوں کے تذکروں اور سوانح حیات میں اتنے بڑے بڑے خلا نظر آتے ہیں جن کو کسی قیاس اور عبارت آرائی سے بھرا نہیں جاسکتا۔ پوری پوری کتاب خوارق و کرامات، معجزات و عقول و واقعات اور عجائبات سے بھری ہوتی ہے اور ضروری معلومات کا افسوسناک فقدان نظر آتا ہے۔ ہندوستان کے ایک بڑے مؤرخ کو جس نے اپنی علمی اور تصنیفی ضرورت سے ہندوستان کی تاریخ کا ایسا وسیع مطالعہ کیا ہے جس کی نظیر دورِ حاضر میں ملنی مشکل ہے، اور اعیان و مشاہیر ہند کا تذکرہ آٹھ ضخیم جلدوں

میں مرتب کیا ہے، اس صورتِ حال پر اس طرح شکوہ سنج پایا گیا۔

”ملک کی بد مذاقی دیکھئے کہ ابتدا سے اب تک ہندوستان کی سیکڑوں تاریخیں لکھی گئیں اور مختلف عنوانوں سے لکھی گئیں مگر ان میں سے کوئی کتاب تاریخ نویسی کے صحیح معیار پر نہیں اترتی، جس کتاب کو اٹھا کر دیکھیے معلوم ہوتا ہے کہ رزم ہزم کا کوئی افسانہ ہے۔ قرناؤ کوں کے ذکر سے اگر کوئی صفحہ خالی ملے گا تو چنگ و رباب کے ذکر سے آپ اس کو خالی نہ پائیں گے۔ اگر مقصدی عبارتوں اور مستحج فقروں کے خازن ہیں آپ کا دامن الجھ گیا تو یہ بھی ملے گا نہیں، ایسی حالت میں کیا توقع ہو سکتی ہے کہ ہم اپنے اسلاف کی علمی زندگی کی صحیح تصویر ایسے مرقع میں پائیں — کچھ ان بزرگوں کے حالات میں کتابیں ملتی ہیں جو کسی سلسلہ طریقت کے ساتھ مربوط تھے، مگر اس بد مذاقی کا کچھ ٹھکانا ہے کہ آپ ان کتابوں سے ان کے نام و نسب، نشو و نما، تعلیم و تربیت، طریقہٴ ماند و بود اور علمی مشاغل کی نسبت تحقیق کرنا چاہیں تو ایک حرف نہ ملیگا، قرناؤ کوں کا تو یہاں کچھ کام نہیں، مگر چنگ و رباب یہاں بھی ہاتھ سے نہیں چھوٹتا، مصنف کا سارا زور ان کے کشف و کرامت کے بیان کرنے پر صرف ہوجاتا ہے اور اس کو اس حد تک پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ وہ بنی نوع انسان کے ماوراء کوئی اور ہستی نظر آتے ہیں، وہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ سوتے ہیں نہ خصائص انسانی سے ان کو سروکار ہے نہ علمی مشاغل سے ان کو کچھ واسطہ ہے“

ان کا صرف یہ کام ہے کہ وہ قانونِ فطرت کو ہمیشہ توڑتے رہیں اور موالید ثلاثہ و

عناصر اربعہ پر اپنی حکومت و خود مختاری کو کسی طرح قائم رکھیں۔

اس وقت کا اگر آپ عملی تجربہ کرنا چاہیں تو ہندوستان میں سلسلہ چشت کے بانی بلکہ ایک طرح سے اس ملک میں سلسلہ اسلامی کے بانی خواجہ معین الدین چشتیؒ کے تذکرہ کی کتابوں کا مطالعہ کیجئے اور ان سے حضرت کی کوئی مختصر سوانح مرتب کرنے کی کوشش کیجئے، شاید یہ خیال ہو کہ وہ مسلمانوں کا ابتدائی عہد تھا، تصنیف و تالیف کے دور کا پورے طور پر آغاثہ نہیں ہوا تھا، اگرچہ یہ صحیح نہیں ہے، اور اسی دور میں ہم کو قاضی منہاج الدین عثمان جوہر جانی کی کتاب طبقات نامری اور نور الدین محمد عوفی کی کتاب لباب الالباب بھی ملتی ہے۔ یہ دونوں کتابیں ساتویں صدی کی تصنیفات ہیں، لیکن اگر اس کو کسی طرح تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس کے متعلق کیا کہا جائیگا کہ شیخ الاسلام مہسار الدین زکریا ملتانیؒ (متوفی ۶۶۶ھ) ایک عظیم روحانی پیشوا اور جلیل القدر مصلح تھے جنہوں نے اپنے زمانہ کو متاثر کیا اور ایک ایسے شہر میں زندگی گزاری جو اپنے عہد میں ہندوستان کا سب سے بڑا علمی مرکز تھا، سیاسی حالات میں اعتدال و استقرار بھی پیدا ہو چکا تھا، لیکن اس عظیم الشان شخصیت کی سوانح نگاری اور اس کے کارناموں کی تاریخ مرتب کرنے کے لئے مواد کی بے حد کمی ہے، مگر خوارق و تصرفات اور کشف و کرامات کے واقعات کی کوئی کمی نہیں۔

اس لحاظ سے حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور حضرت مخدوم الملک

شیخ شرف الدین بھٹی منیری جو آٹھویں صدی کی دو نامور شخصیتیں اور عظیم الشان روحانی مشائخ اور مصلح ہیں، خاص امتیاز و انفرادیت رکھتے ہیں، کئی صدیوں تک کسی شیخ طریقت اور سنی شخصیت کے حالات اتنی روشنی میں نہیں ہیں جتنے ان دونوں بزرگوں کے۔ یہ مواد اس لحاظ سے بھی خصوصیت رکھتا ہے کہ وہ ان حضرات کے ملفوظات اور مکتوبات سے ماخوذ ہے، یا معاصر تاریخوں اور ان کے خدام و مریدین کی کتابوں سے، اس لحاظ سے مؤرخ کو یہاں کم سے کم دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انتخاب و تحقیق کا کام یہاں بھی ضروری ہے کہ واقعات پر نہیں میں سخت انتشار و تضاد نظر آتا ہے۔

لیکن ان دونوں شخصیتوں کے انتخاب کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان سے متعلق تاریخی مواد آسانی سے دستیاب ہو جاتا ہے، یہ بات اور کبھی بہت سی شخصیتوں کو حاصل ہے، اس انتخاب کی وجہ یہ ہے کہ وہ اسلام کی تاریخ و دعوت و عزیمت میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں اور مہندوستان میں راجہ ساتویں صدی کے بعد سے عالم اسلام کا مرکز اعصاب اور احیاء و تجدید کی تحریکوں کا منبع ہے، ان دونوں حضرات نے روحانی و اصلاحی تحریک کی قیادت کی اور اپنے زمانہ اور بعد کی فسلوں کو سب سے زیادہ متاثر کیا۔

حالات و تعلیمات کے انتخاب میں مصنف نے ہمیشہ ان اجزاء و مضامین کو اہمیت دی ہے جو اس نسل کے لئے مفید، سبق آموز، قابل تقلید، عام فہم اور دلنشیں ہوں اور جن سے غلط فہمی اور غلط روی کا کم سے کم اندیشہ ہو، وہ خود بھی فلسفۃ الہیات اور فلسفۃ اخلاق سے کم مناسب رکھتا ہے اور اپنے قارئین کو بھی اس امتحان میں ڈالنا نہیں چاہتا، اس کے نزدیک ایمان و یقین، عشق و محبت، درد و سوز، جذبہ اتباع سنت، عزیمت، علم و ہمت، ذوق دعوت و تبلیغ، اصلاح اعمال و اخلاق اور صحیح علوم و دینی حکم و معارف ان بزرگوں کا

اصل جوہر اور ان کی سوانح حیات کا اصل پیام ہے۔ راقم سطور نے سیرت سید احمد شہیدؒ کے مقدمہ میں اپنے مسلک کی معذرت اور وضاحت کرتے ہوئے ایک شعر لکھا تھا جو صورتِ حال کی صحیح ترجمانی کرتا ہے، اسی کا اعادہ یہاں بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ہم نے اپنے آشیانے کے لئے

جو چھجے دل میں وہی تنکے لئے

شاید مصنف کی دوسری ذمہ داریاں اور نہ ختم ہونے والے مشاغل اتنی جلدی کتاب کی تکمیل کی مہلت نہ دیتے اور اس میں مزید تاخیر ہوتی، مگر اپنے وطن (رائے بریلی) کی سستی ندی کی سیلاب نے ایک گاؤں (میدان پور) میں محصور کر کے اس کا سامان فراہم کر دیا کہ جو کام مہینوں میں ہوتا وہ خدا کی مدد سے چند ہفتوں میں ہو گیا۔ واللہ جنود السموات والارض۔

مصنف کا اخلاقی فرض اور احسان شناسی ہے کہ وہ اپنے محبین و معاونین کا شکر یہ ادا کرے۔ قدیم مآخذ میں مصنف سب سے زیادہ سیرالاولیاء کے مصنف امیر خور و اور فوائد الفوائد کے مصنف امیر حسن علاء سنجرى کا ممنون احسان ہے کہ انھوں نے حضرت خواجہ نظام الدینؒ کی سوانح حیات و تعلیمات کا سب سے زیادہ مفصل اور مستند مواد فراہم کیا۔ حضرت مخدوم الملک بہاریؒ کے حالات میں سیرۃ الشرف سے بڑی مدد اور رہنمائی حاصل ہوئی اور اس سے قدیم تر مآخذ کا پتہ چلا۔ مولانا سید مناظر حسن گیلانیؒ کی تصنیفات اور مضامین ہمیشہ کی طرح بڑے مفید اور مددگار ثابت ہوئے، کاش ان کو دونوں حضرات کی مکمل سوانح حیات مرتب کرنے کا موقع ملتا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس موضوع سے فطری مناسبت اور ذوق اور تاریخ ہندوستان کا وسیع علم عطا فرمایا تھا، والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحیؒ کی بیش قیمت تصنیف نزمہ اسخواطر نے حسب معمول تاریخ و تذکرہ

کے ایک دائرۃ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) کا کام دیا اور مصنف نے اس سے اس طرح مدد لی اور بار بار رجوع کیا جیسے کوئی طالب علم لغت اور ڈکشنری سے بار بار مدد لیتا ہے اس موضوع پر وسیع مطالعہ کرنے کے بعد اندازہ ہوا کہ ان کی نظر کتنی وسیع و عمیق تھی اور ان کا انتخاب و مذاق کتنا پاکیزہ اور شائستہ ہے۔

اپنے معاونین میں ناچیز مصنف جناب مولوی سید نجم الہدیٰ صاحب ندوی دسٹوی اور عزیز گرامی مولوی مراد اللہ صاحب منیری ندوی کا ممنون ہے جنہوں نے حضرت مخدوم الملک کی سوانح حیات اور تصنیفات میں سے بعض نادر چیزیں فراہم کیں۔ عزیز مولوی شبیر عطا ندوی سلمہ (جن کو تاریخی و علمی ذوق اپنے نامور والد سے ورثہ میں ملا ہے) سے بھی بعض ضروری معلومات کے حصول میں مدد ملی۔ عزیز سعید مولوی سید شرف علی ندوی بھی مصنف کے شکریہ کے بڑے مستحق ہیں۔ مصنف نے کتاب کا بڑا حصہ املا کیا اور آں عزیز نے بڑی ہمت اور محنت سے لکھا۔ مولوی اقبال احمد صاحب اعظمی بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بھی وقتاً فوقتاً مدد کی۔ اللہ تعالیٰ ان سب بزرگوں اور عزیزوں کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کے عمل کو قبول کرے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَاٰخِرًا وَصَلَّى اللّٰہُ عَلَیْ خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمِ اَجْمَعِیْن

الواحد حسن علی

مرکز دعوت اصلاح و تبلیغ

لکھنؤ

۱۱ صفر ۱۳۸۲ھ
۲۳ جولائی ۱۹۶۲ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

باب اول

ہندوستان میں حشری سلسلہ اور اسکے اکابر شیوخ

چھٹی صدی ہجری (بارہویں صدی عیسوی) عالم اسلام کا نیا روحانی و فکری مرکز | اسلامی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتی ہے،

اس صدی کے آخر میں وسیع اسلامی دنیا میں ایک ایسے وسیع ملک کا اضافہ ہو رہا تھا جو قدرتی خزانوں اور انسانی صلاحیتوں سے مالا مال تھا اور جس کے لئے مستقبل قریب میں اسلامی دعوت کا عالمگیر مرکز اور اسلامی علوم کا محافظ و امین بننا مقدر ہو چکا تھا۔

اس صدی کے اوائل میں نیم وحشی تا تاریوں نے عالم اسلام پر مور و ملخ کی طرح یورش کی، ملک کے ملک ان کی بربریت اور وحشیانہ مظالم سے تاراج اور بڑے بڑے نامی گرامی شہر جو کبھی علم و تہذیب کے علمبردار اور مدارس و خانقاہوں سے کیسر گلزار ہو رہے تھے بے چراغ ہو گئے شہر وں کا امن و سکون، زندگی کا نظم و نسق اور شرفاء کی عزت و ناموس خاک میں مل گئے، بنجارا، سمرقند، بھارت، زنجان، قزوین، مرو، نیشاپور، خوارزم اور بالآخر مرکز خلافت دارالسلام بغداد اس فتنہ جہاں سوز

کی سیٹ میں آگیا اور قدیم تہذیب کا مدفن بن کر رہ گیا۔ اس بلائے ناگہانی سے عالم اسلام کی چولیس ہل گئیں اور پوری قدیم اسلامی دنیا پر سیاسی زوال اور فکری و علمی انحطاط کے سیاہ بادل چھل گئے۔ اس وقت اس پر سے عالم اسلام میں ہندوستان ہی ایک ایسا ملک تھا جو اس فتنہ عالم آشوب سے محفوظ رہ گیا تھا۔ یہاں تازہ دم، قوی اور پر جوش ترکی لہنسل خاندانوں کی حکومت تھی، جو ان تباہیوں اور مغلوں سے بخوبی پنجہ آزمائی کر سکتے تھے اور اپنی ایسا قوت ادرنئے اسلامی جوش کی بنیاد پر جنگی قوت اور شجاعت میں نہ صرف ان کے حریف بلکہ ان سے فائق تھے، تاتاری اور مغل بار بار ہندوستان پر حملے کرتے رہے اور پسپا ہوتے رہے، صرف سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں چنگیزی مغلوں نے پانچ بار ہندوستان پر حملہ کیا، پہلا حملہ ۶۹۶ھ میں ہوا، چوتھے اور پانچویں حملے میں سلطان کی طرف سے ملک تغلق (ملک غازی) نے جوہر مردانگی دکھائی اور مغلوں کو اس طرح شکستِ ناش دی کہ:-

”دراں روز بار مغول را موس ہندوستان بردل سر د شد، و

دندان طمع کند گشت“ (اس دن سے مغلوں کی ہندوستان کی

موس سر ہو گئی، اور ان کے دندان حرص و آزمہیشہ کے لئے کھٹے ہو گئے)۔

ان خصوصیات کی بنا پر عالم اسلام کے بہترین خاندان جن کو اپنا ناموس اور ایمان عزیز تھا اور بہترین دل و دماغ جو اپنے بقسمت وطن میں سکون و اطمینان سے محروم ہو گئے تھے، ہندوستان کے جدید دارالامن اور دارالاسلام کی طرف ہجرت کر آئے، لائق ترین انسانوں اور شریف ترین خاندانوں کا یہ سیلاب ایران، ترکستان و عراق کی طرف سے بار بار

امنڈ تارہا اور ان کی وجہ سے دہلی ایک بین الاقوامی شہر اور رشکِ بغداد و قرطبہ بن گئی، نہ صرف دہلی بلکہ ہندوستان کے دوسرے شہر اور قصبے شیراز و مین کی سمسری کرنے لگے۔ مورخین ہندوستان ضیاء الدین برنی وغیرہ جب ان شریف و نجیب خاندانوں، اساتذہ وقت، علماء نامدار اور مشائخ کبار کی فہرست سناتے ہیں جو فتنہ تاتاریں ہجرت کر کے ہندوستان آ گئے تھے اور منہگامہ درس و تدریس اور ارشاد و تلقین گرم کئے ہوئے تھے، نیز جنہوں نے سلطنت کی نازک ترین ذمہ داریاں سنبھال رکھی تھیں اور ملک کی زیب و زینت کا باعث تھے، تو معلوم ہوتا ہے کہ سارے عالم اسلام کا جو ہر شرافت و فضیلت یہیں آگیا تھا۔

اس انقلاب سے ہندوستان نہ صرف عالم اسلام کا ایک اہم حصہ بن گیا تھا، بلکہ تاریخ کا صاف اشارہ تھا کہ وہ اسلام کی فکری و روحانی قوت، علمی تحریکات اور احیاء و تجدید کا نیا مرکز بن رہا ہے، اور فکر اسلامی اور دعوت و عزیمت کے مورخین کو اب مسلسل کئی صدیوں تک اپنی توجہ اسی پر مرکوز کرنی پڑے گی۔

اسلامی دنیا کے لئے ہندوستان کی دریافت اور یافت "نئی دنیا" اسلامی ہند کے معمار کی دریافت سے کم انقلاب انگیز اور عہد آفریں واقعہ نہ تھا، اگرچہ پہلی صدی ہجری ہی میں یہاں اسلام کے حوصلہ مند دستے آنے شروع ہو گئے تھے اور ۹۳۰ء میں محمد بن قاسم ثقفی نے سندھ سے ملتان تک کے علاقہ کو اپنی شمشیر و اخلاق سے تسخیر کر لیا تھا، اور اس برصغیر (ہند) میں جا بجا داعیان اسلام کے مرکز و خانقاہیں چھوٹے چھوٹے جزیروں کی طرح قائم ہو چکی تھیں، جیسے ج

بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیلِ مہبانی

لیکن حقیقتاً ہندوستان کی فتح کا سہرا سکندر اسلام سلطان محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ) کے سرور
مستحکم و مستقل اسلامی سلطنت کے قیام کی سعادت سلطان شہاب الدین محمد غوری (م ۶۰۲ھ) کے
حقے میں ملتی اور آخری طور پر اس کی روحانی تسخیر اور اخلاقی و ایمانی فتح حضرت خواجہ بزرگ شیخ الاسلام
معین الدین چشتیؒ (م ۶۲۷ھ) کے لئے مقدر ہو چکی تھی۔

ہندوستان کی فتح سے پہلے اسلام کے چاروں مشہور روحانی سلسلے قادریہ چشتیہ، نقشبندیہ
اور سہروردیہ وجود میں آچکے تھے اور عرصہ سے پھل پھول رہے تھے، اپنے اپنے وقت پران
میں سے ہر ایک کا فیض ہندوستان کو پہنچا اور ہندوستان کی اسلامی تعمیر و تشکیل میں سب کا
حصہ ہے۔ شکر اللہ صاعیہ۔ لیکن ہندوستان کی روحانی فتح اور اس سرزمین پر
اسلام کا پورا نصب کرنے کے لئے (جس کے سایہ اور پھل سے ایک عالم مستفید ہونے والا تھا)
حکمت الہی نے چشتی سلسلہ کو انتخاب فرمایا۔ وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَ مَخْتَارًا۔

ان اسرار الہی سے قطع نظر جن کو ہماری کوتاہ نظر نہیں پاسکتی، چشتیوں پر اس ملک کا
حق ہمسائیگی بھی تھا، ان کا سلسلہ اس ملک کے ہمسایہ ملک ایران میں فروغ پا رہا تھا، اپنے درمند
مزاج اور نسبت عشقیہ کی بنا پر بھی جو سلسلہ چشتیہ کا سرمایہ ہے اس سلسلہ کو ہندوستان کا
دل بیت لینا اور اس کو اپنی محبت کا اسیر اور عشق الہی کا پنجر بنا لینا آسان تھا کہ زمانہ قدیم
سے محبت و دروہ اس سرزمین کے خمیر میں ہے۔

غرض ان معلوم و نامعلوم حکمتوں کی بنا پر
ہندوستان سے چشتیوں کا پہلا تعلق | قدرت الہی نے ہندوستان میں اسلام کے

تعارف اور اشاعت کے لئے اس سلسلہ کو انتخاب فرمایا اور چشتیوں کو ہندوستان کی طرف
سُخ کرنے کا اشارہ غیبی ہوا۔ سب سے پہلے جس چشتی شیخ نے ہندوستان کی طرف عمان عزیت

موڑی دہ خواجہ ابو محمد حشتی تھے جن کی دعائیں اور بابرکت ذات سلطان محمود غزنوی کی فتوحات کی پشت پناہ تھی، مولانا جامی "نفحات الانس" میں لکھتے ہیں:-

وقتے کہ سلطان محمود بہ غزو سومات	جس وقت سلطان محمود سومات کی طرف
رفتہ بود خواجہ رادہ واقعہ نمودند کہ	گیا ہوا تھا خواجہ ابو محمد کو اشارہ غیبی
بہد کاری دے باید رفت در سن مفتا	ہوا کہ اس کی دیکھ لے جائیں وہ شہر برس
سالگی بادرویشے چند متوجہ شد چوں	کی عمر میں چند درویشوں کیساتھ روانہ
آں جا رسید بہ نفس مبارک خود با مشرکان	ہوئے اور وہاں پہنچ کر بنفس نفیس
وعیدہ اصنام جہاد کرد	جہاد میں شرکت فرمائی۔

اے خواجہ ابو محمد حشتی (م ۴۰۹ھ یا ۴۱۱ھ) خواجہ ابوالحسن کے فرزند و خلیفہ تھے جو خواجہ ابوالحسن شامی کے خلیفہ اعظم اور خواجہ ناصر الدین ابویوسف کے شیخ و مرشد تھے، خواجہ ناصر الدین ابویوسف خواجہ قطب الدین مودود کے شیخ ہیں، اور وہ حاجی شریف زندنی کے۔ حاجی شریف زندنی کے خلیفہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی ان کے خلیفہ حضرت خواجہ معین الدین حشتی۔

اے سلطان محمود نے سومات پر حملہ کیا، اگر خواجہ ابو محمد کا سنہ وفات مذکورہ بالا صحیح ہے تو اس سے پہلے ان کا انتقال ہو چکا تھا، غالباً مولانا جامی کی مراد حملہ ہندوستان سے ہے، انھوں نے اسکو حملہ سومات سے تعبیر کیا ہے کہ ہندوستان سے باہر سب سے زیادہ اسی کارنامہ کی شہرت ہوئی۔ سومات پر حملہ کرنے سے پہلے ہندوستان پر محمود کے حملے ہو چکے تھے۔ ان میں سے کسی حملے میں (اغلب ہے کہ پہلے حملے میں) شیخ ابو محمد ساتھ رہے ہوں گے۔

لیکن جس طرح محمود کی سیاسی فتح کی تکمیل اور اسلامی سلطنت کے
حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ | احکام و استقلال کی سعادت سلطان شہاب الدین غوری کیلئے

مقدر تھی، خواجہ ابو محمد چشتیؒ کے کام کی تکمیل اور اسلام کی عمومی اشاعت اور اسلامی مرکزِ رشد و ہدایت
 کا قیام اسی سلسلہ کے ایک شیخ، شیخ الشیوخ خواجہ معین الدین سجریؒ کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔

لے خواجہ معین الدین چشتیؒ کی اصل نسبت سجری ہے، جو کاتبوں کی غلطی اور بولنے والوں کی غلط فہمی سے
 ”سجری“ بن گیا۔ قدیم مسودات و اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدا میں سجری ہی لکھا اور بولا جاتا تھا۔
 سجری نسبت سبستان کی طرف ہے۔ قدیم جغرافیہ نویس عام طور پر اسکو خراسان کا ایک حصہ مانتے ہیں، موجودہ
 زمانے میں اس کا اکثر حصہ ایران میں شامل ہے اور باقی افغانستان میں۔

اس علاقہ کا پایہ تخت زرنج تھا جس کے کھنڈراب زاهدان کے قریب پائے جاتے ہیں۔ ایک زمانہ
 میں سبستان کے حدود غزنین تک تھے۔ (احسن التقاسیم)

بعض جغرافیہ دانوں کے نزدیک سجری، سبستان کے ایک خاص مقام کا نام ہے جس کی طرف نسبت
 سجری آتی ہے۔ کبھی کبھی پورے سبستان کی طرف بھی سجری کہہ کر نسبت کرتے ہیں۔

جغرافیہ خلافت مشرقی کے مصنف جی بی امٹریج نے ۳۰ صفحوں میں سبستان کا جغرافیہ بیان کیا ہے۔ اس کا
 خلاصہ یہ ہے کہ سیستان فارسی لفظ سنگستان سے ماخوذ ہے، عرب اسے سبستان کہتے ہیں۔ اس ملک کی زمین
 نشیب میں ہے اور جھیل زره کے گرد اور اسکے مشرق میں واقع ہے، دریاے بلخ اور جس قدر دریا
 اس جھیل میں گرتے ہیں، ان سب کے ڈیلٹا اسی زمین میں پڑتے ہیں۔

فارسی میں سیستان کو نیم وندیا جنوبی ملک بھی کہتے ہیں اور جنوبی ملک کہنے کی وجہ یوں بیان ہوئی
 ہے کہ سیستان خراسان کے جنوب میں واقع ہے ۵۰° و ۵۰°

قدیم تر مورخین (جن میں طبقات ناصری کے مصنف قاضی منہاج الدین عثمان جو زبانی بھی شامل ہیں جو حضرت خواجہ کے کس معاصر ہیں) کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ سلطان شہاب الدین غوری کے اس لشکر کے ساتھ تھے جسے والی اجمیر نے پتھورا (پرتھوی راج) کو شکست دی اور ہندوستان کی فتح کی

۱۱ قاضی صاحب کی ولادت ۵۸۹ھ میں ہوئی۔ ۱۲

۱۲ پرتھوی راج یارائے پتھورا (۱۱۹۲-۱۱۹۵ء) سومیشور کا بیٹا تھا، جو اجمیر کے چوہان حکمران خاندان کے بانی "ارونا راہہ" کا فرزند اور اس خاندان کے نامور فرمانروا اگرچہ راجہ عرف ولیل دیو کا بھائی تھا۔ سومیشور "کادہلی کے قمر راجپوت حکمران خاندان اور اجمیر کی چوہان شاخ پر کیساں اقتدار تھا، سومیشور دہلی کے آخری توغر فرمانروا انندپال (انگپال) کا داماد تھا اور اس رشتہ پر پتھوی راج دہلی کے آخری فرمانروا کالواسہ ہوتا تھا۔ انندپال کی کوئی اولاد نہ رہی تھی اس نے پرتھوی راج کو متبنی کیا تھا، اس کے انتقال پر دہلی کی سلطنت پر پتھوی راج کے حق میں آئی اور اجمیر کی سلطنت اس کے اپنے باپ سومیشور سے وراثت میں پائی، اس طرح وہ راجپوتوں کی دو طاقتور مرکزی سلطنتوں دہلی و اجمیر کا مالک ہوا، چونکہ اجمیر سے اس کا آبائی اور وطنی تعلق تھا اور وہ اس کی دادھیالی گدی تھی، اس لئے اغلباً کہ اس کا زیادہ ترقیام اجمیر میں رہتا تھا، اس وجہ سے اجمیر اس وقت ہندوستان کا سب سے سیاسی مرکز تھا۔ پرتھوی راج اپنی ذات سے بڑا حوصلہ مند، مہیلا فنون پسند گری میں طاق اور بہادر راجپوت تھا، اس نے بہت سی جنگوں میں نمایاں فتوحات حاصل کیں، جنہوں نے ایک صدی تک اس کے نام کو زندہ اور روشن رکھا۔ قنوج کے راجہ جے چند کی بیٹی کو "سومیر" سے لے آنے کی وجہ سے وہ ان داستانوں اور نظموں کا ہیرو بن گیا جو اب تک شمالی ہند میں گائی اور پڑھی جاتی ہیں، وہ اپنی سپہگرمی، حوصلہ مندی اور فتوحات کی بنا پر ہندوستان کے دورِ آخر کے بہادر راجپوتوں اور طاقتور رہنماؤں میں شمار کئے جانے کے قابل ہے لیکن اس کی آخری شکست نے اس کی عظمت پر پردہ ڈال دیا، اور تاریخ ہند نے اس کا قصور معاف نہیں کیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

تکمیل کی، اس فتح میں ان کی دعاؤں، توجہات اور روحانیت کا بہت بڑا حصہ تھا۔

بعد کے مورخین کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ نے شہاب الدین غوری کے حملوں کے درمیان ۶۰۹ھ سے ۶۱۲ھ تک جاری رہے ابتدائے سنین ہی میں اجمیر میں جو اس وقت راجپوت طاقت و حکومت اور ہندو مذہب و روحانیت کا بہت بڑا مرکز تھا قیام اختیار

۱۱۹۰ھ (۵۸۷ھ) میں جب سلطان شہاب الدین محمد غوری نے ہندوستان پر حملہ کیا، پرتھوی راج نے رائے (حالی تلونڈی) کے مقام پر جو پتھانیر سے ۱۴ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، ایک منظم فوج کے ساتھ بڑی بہادری سے مقابلہ کیا اور سلطان کو شکست فاش دی۔ اگلے سال ۱۱۹۲ھ میں سلطان نے بمبئی تھری اور نئے غزم کے ساتھ ایک لاکھ بیس ہزار فوج کے ساتھ دوبارہ حملہ کیا، پرتھوی راج تین لاکھ سوار اور تین ہزار ہاتھی میدان میں لایا، ۵۰ راجپوت راجگان اپنی فوجوں کے ساتھ تھے۔ پرتھوی راج نے شکست کھائی اور گرفتار ہوا اور قتل کیا گیا، اور اس طرح راجپوتوں کی آزاد سلطنت اور ہندوستان کی قدیم فرمانروائی کا خاتمہ ہوا۔

(پروفیسر الیشوری پرشاد اور دوسرے مورخین باختصار)

۱۔ طبقات نامری ص ۴ + فرشتہ ص ۵ + منتخب ص ۵۰

۲۔ اجمیر سے، میل شمال پشکر، ایک مشہور مذہبی تیرتھ گاہ تھی جس کی یاترا کے لئے دور دور سے لوگ آتے تھے، اسکی جھیل کو جو مذہبی تقدس حاصل تھا اس میں صرف مان سرور کی جھیل اس کی ہمہری کر سکتی ہے۔

پشکر کی جھیل کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ برہمن نے یہاں بگ کیا اور یہاں پر سرسوتی اپنے پانچ دھاراؤں سے پرکٹ ہوتی ہیں۔

(اجمیر ڈسٹرکٹ گزٹیر ص ۱۵)

فرمایا تھا۔ ابھی غوری کے حملوں نے ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ نہیں کیا تھا اور اسکی ترک تازیان
 شمالی مغربی ہندوستان تک محدود تھیں کہ ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ
 کر دیا، رائے پھورا نے کسی مسلمان کو (جو غالباً اُس کے دربار سے متعلق تھا) اذیت پہنچائی، حضرت خواجہ ^{رحمۃ اللہ علیہ} نے اس
 کی سفارش کی۔ پھورا نے متکبرانہ اور توہین آمیز جواب دیا اور کہا کہ ”یہ شخص یہاں آیا ہوا ہے اور
 ایسی اونچی اونچی باتیں کہتا ہے جو کسی نے نہ دیکھیں نہ سنیں۔ حضرت خواجہ نے یہ سن کر ارشاد
 فرمایا کہ ”ہم نے پھورا کو زندہ گرفتار کر کے د محمد غوری کو) دے دیا۔“ اس کے بعد ہی محمد غوری نے
 حملہ کیا، پھورا نے مقابلہ کیا، اور شکست کھائی ^{رحمۃ اللہ علیہ}

بہر حال واقعہ کی جو ترتیب ہوا اس میں شک نہیں کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے محمد غوری کے
 حملوں کے درمیان اور اسلامی سلطنت کی عمومیت و استحکام سے پیشتر ہندوستان کے قلب اور قدیم
 ہندوستان کے عظیم سیاسی و روحانی مرکز اجمیر کو اپنے قیام کے لئے انتخاب فرمایا، یہ فیصلہ ان کی ادراک
 عالی مرتبتی اور جرأت ایمانی کا ایسا تابناک کارنامہ ہے جس کی مثالیں صرف پیشوایان مذہب اور
 فاتحین عالم کی تاریخوں میں مل سکتی ہیں۔ ان کے استقلال و اخلاص، ان کے توکل و اعتماد، ان کے
 زہد و قربانی اور ان کے دردمن و کموجہ سے ہندوستان کے لئے دارالاسلام بننے کا فیصلہ کر دیا اور جو مہرین
 ہزاروں برس صحیح یقین اور صحیح معرفت سے محروم اور توحید کی صراط سے نا آشنا تھے وہ علماء و اولیاء کی سرزمین
 اور علوم اسلامیہ اور کمالات دینیہ کی محافظ و امین بن گئے اور اس کی فضائیں اذانوں سے اور دشت جبل
 اللہ اکبر کی صداؤں سے اور اسکے شہر و دیار قال اللہ و قال الرسول کے نغموں سے ایسے گونجے کہ
 صدیوں سے عالم اسلام گوش برآواز ہے۔ جہاں نے راہ گروں کو دیکھ کر خود آگاہ ہے۔

سیر الاولیاء کے مصنف نے بڑی صداقت و بلاغت سے لکھا ہے :-

مملکت ہندوستان تا حد برآمدن آفتاب	ملک ہندوستان اپنے آخری مشرقی
بہر دیار کفر و کافری و بت پرستی بود	کنارہ تک کفر و شرک کی لستی تھی اہل
و متمردان ہند ہر یکے دعوائے انارتکمالا علی	تمرد "انارتکمالا علی" کی صدا لگا رہے تھے
می کردند و خدائے راجل و علا شرک میگفتند	اور خدا کی خدائی میں دوسری ہستیوں کو
و سنگ کلوخ و دار و درخت و ستور و گادو	شرک کرتے تھے، اور اینٹ، پتھر،
سمرگس آں را سجدہ می کردند و ظلمت کفر	درخت، جانور، گائے و گوبر کو سجدہ کرتے تھے
قفل دل ایشان مظلم و محکم بود۔	کفر کی ظلمت ان کے دل تاریک اور
ہم غافل از حکم دین و شریعت	مقفول تھے، سب دین و شریعت کے حکم سے
ہم بے خبر از خدا و پیغمبر	غافل، خدا و پیغمبر سے بے خبر تھے، نہ
نہ ہرگز کسے دیدہ ہنجا ر قبلہ	کبھی قبلہ کی سمت پہچانی، نہ کسی نے
نہ ہرگز شنیدہ کسی اللہ اکبر	اللہ اکبر کی صدا سنی، آفتاب اہل فتنین
و حصول قدم مبارک آں آفتاب اہل	حضرت خواجہ معین الدین کے قدم مبارک
یقین کہ حقیقت معین الدین بود ظلمت ایشان	کا اس ملک میں پہنچنا تھا کہ اس ملک
نور اسلام روشن و منور گشت۔	کی ظلمت نور اسلام سے مبدل ہو گئی
از تیغ او بجائے صلیب و کلیسا	ان کی کوشش و تاثیر سے جہاں شعائر
در دایہ کفر مسجد و محراب و منبر است	شرک تھے وہاں مسجد و محراب و منبر نظر
آنجاکہ بود نعرہ و فریاد شرکاں	آنے لگے، جو فضا شرک کی صداؤں سے
ہا کنوز خروش نعرۃ اللہ اکبر است	معمور تھی، وہ نعرۃ اللہ اکبر سے گونجنے لگی۔

وہر کہ ازین دیار مسلمان شد و تار و قیامت
 مسلمان خواہ شد و تار و قیامت
 توالدوا تناسلوا امت مسلمان خواهند
 بود و آں طائفہ را کہ بتیغ اسلام اند
 دار حرب و در دار اسلام خواهند آورد
 الی یوم یقیضہ مشروبات آں سب بارگاہ
 باجہاہ شیخ الاسلام معین الدین سجری
 قدس اللہ سرہ العزیز متابعت حضرت
 او واصل و متواصل خواهند بود
 اس مجزی کی روح کو پہنچتا رہے گا۔

انشاء اللہ العزیز

اس طرح ہندوستان اور ہندوستان میں جو کچھ خدا کا نام لیا اور اسلام کا کام کیا گیا وہ سب
 چشتیوں اور ان کے مخلص و عالی بہت بانی سلسلہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے حسنات اور
 کارناموں میں شمار کئے جانے کے قابل ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ اس ملک پر اس سلسلہ کا حق قدیم
 ہے، مولانا غلام علی آزاد نے صحیح لکھا ہے :-

لا شک بزرگان چشت عنبر مرشت را
 اس میں کوئی شک نہیں کہ بزرگان
 حق است قدیم بر ولایت ہند۔
 سلسلہ چشت کا ملک ہندوستان پر حق قدیم ہے

اور صاحب سیر الاقطاب کا یہ لکھنا بھی صحیح ہے :-

ہندوستان برہمن قدم معینت لڑوش ہندوستان میں انکے دم قدم کی برکت
 طریقہ اسلام ظاہر گشت سیاسی کُفر اسلام کی اشاعت ہوئی اور کفر کی ظلمت
 شرک از عرصہ روزگار ہرودہ — یہاں سے کافر ہوئی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی حیات ہی میں ہندوستان کی سیاسی مرکزیت اور
 اقتدار جمیر سے دہلی منتقل ہو گیا، اور جمیر نے اپنی اہمیت بہت کچھ کھو دی۔ خواجہ بزرگؒ نے
 دہلی میں اپنے جانشین و خلیفہ اعظم خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو بٹھایا اور خود جمیر ہی میں مقیم رہے
 جہاں تبلیغ و ارشاد اور تعلیم و تربیت اور مشغولیِ حق میں اپنی بقیہ زندگی پوری کر دی، کسی قدیم تاریخی
 ماخذ میں ان تبلیغی مساعی کی تفصیلات اور ان کے نتائج و اثرات کا مستند و معین طریقہ پر تذکرہ
 نہیں ملتا۔ عام طور پر اتنا ذکر کیا جاتا ہے کہ کثیر و عظیم تعداد میں بندگانِ خدا نے ان سے ایمان و
 احسان کی دولت پائی اور لوگ جوق درجوق اسلام میں داخل ہوئے — ابو الفضل
 ”آئین اکبری“ میں لکھتا ہے: —

عزت گزین باجمیر شد و فراوان چراغ جمیر میں عزت گزین ہوئے اور اسلام
 برا فرخت، و ازم کبرائے او گروہا گروہا کا چراغ بڑی آیت تاب سے روشن کیا، انکے
 مردم بہرہ برگرفتند انھیں قدسیہ جوق و جہز انسانوں نے ایمان
 کی دولت پائی۔

تقریباً نصف صدی ارشاد و تلقین اسلام کی اشاعت اور داعیان اسلام و اہلِ قلوب کی

کی تعلیم و تربیت اور یادِ حق میں سرگرمی کے ساتھ مشغول رہ کر ۹۰ سال کی عمر میں ۹۲۴ھ میں اس وقت رحلت فرمائی جب ہندوستان میں ان کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا جڑ پکڑ چکا تھا اور دار الحکومت دہلی میں ان کا جانشین و تربیت یافتہ شیخ وقت (خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ) ارشادِ ہدایت کے کام میں سرگرم و منہمک تھا اور ان کا عقیدہ مند و حلقہ بگوش سلطان شمس الدین التمش اسلامی حکومت کی توسیع و استحکام اور عدل گستری و خلق پر رُئی میں مشغول تھا۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ | خواجہ قطب الدین بختیارؒ قصبہ اوش (اوراد النہر) میں پیدا ہوئے۔ ڈیڑھ سال کے تھے کہ باپ کا سایہ

سرسے اٹھ گیا، والد ماجدہ نے تربیت کی۔ پانچ سال کی عمر میں مکتب میں داخل ہوئے، مولانا ابو حفص اوشیؒ سے تعلیم حاصل کی، پھر بغداد کا سفر کیا، وہاں اس خضر طریقت کے ملاقات و ملازمت کا شرف حاصل ہوا جس کی رہبری سے کمال و تکمیل کے مدارج تک پہنچنا مقدر تھا اور جس کے ہاتھوں اور جس کی شرکت میں اسلام میں ہندوستان کا چشمہ حیات جاری ہونا تھا۔ فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ کی تاریخی و بابرکت مسجد میں ممتاز و جلیل القدر علماء و شیوخ کی موجودگی میں خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے، ہندوستان تشریف لائے اور اپنے شیخ کے حکم و ہدایت سے دہلی کو اپنا مستقر بنایا جو نوخیز و وسعت پذیر اسلامی سلطنت کا دار الحکومت تھا، اور جو ایک طرف عالی ہمت مسلمانوں

۱۔ سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ عام طور پر تین سنہ لکھے گئے ہیں: ۶۲۴ھ، ۶۲۳ھ، ۶۲۳ھ صاحب سیرالقطاب نے آفتابِ ملکِ ہندؒ سے سنہ وفات ۶۲۳ھ استخراج کیا ہے، صاحب خزینۃ الاصفیاء نے بھی یہی سنہ وفات مانا ہے۔ ۱۲

۲۔ یا قوت نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ وہ فرغانہ کے نواحی میں ایک بڑا شہر ہے۔

بادشاہوں کی قدر دانی و جوہر شناسی کی وجہ سے، دوسری طرف تاتاری حملوں کی بنا پر علماء
 شرف و اہل کمال کا ملجا و مادی بن گیا تھا، اور عالم اسلام کا جوہر و ہاں متقل ہو رہا تھا۔
 سلطان شمس الدین التمش نے شایان شان پذیرائی کی، آپ نے دربار سے کوئی تعلق
 رکھنا پسند نہ کیا اور سلطان کی کسی شپکیش رویہ و جاگیر کو قبول نہ فرمایا، اور پہلے کیلہ کھری
 میں، پھر ملک عزالدین کی مسجد کے قریب فقیرانہ درویشانہ زندگی اختیار کی، سلطان برابر عقیدت
 کے ساتھ خدمت میں حاضر ہوتا رہا اور اس کی عقیدت برابر ترقی کرتی رہی، اہل شہر کا ایسا حرم
 عام ہوا کہ شیخ الاسلام وقت شیخ نجم الدین صفری کو کبیرگی اور شکایت پیدا ہو گئی حضرت
 خواجہ معین الدین اپنے خلیفہ کی ملاقات کے لئے دہلی تشریف لائے تو شیخ نجم الدین نے جو ان کے قدیم
 دوست تھے شکایت کی۔ حضرت خواجہ نے اپنے مرید رشید سے فرمایا: —

بابا بختیار ہم یکبار چہیں مشہور شدی کہ بابا بختیار اتنی جلدی ایسے مشہور ہو گئے
 خلق از درت تو شکایت کردن گرفت کہ بندگان خدا کو تم سے شکایت
 ازیں جابر خیز و دراجمیر بیا و بنشین پیدا ہونے لگی۔ یہاں چلو اور اجمیر آؤ وہاں
 من پیش تو بالیستم قیام اختیار کرو میں تمہارے سامنے (خدا کا کھڑا ہو گا)

شیخ نے وہ ارشاد فرمایا جو ایک ایسے عالمی مرتبت شیخ کو فرمانا چاہیے جو کمال اخلاص و
 ربانیت کو پہنچ چکا تھا، مردانِ راہ و دواصلین بارگاہِ ادنیٰ مخلوق کی شکایت و آزدگی کو
 گناہ سمجھتے ہیں، چہ جائیکہ شیخ الاسلام کی کبیرگی کو، پھر آپ مرکز اسلام میں انتشار و پراگندگی کو
 کو پسند نہیں کرتے تھے جس کا اس رنجش سے خطرہ تھا، آپ نے لطیف طریقہ پر یہ تنبیہ بھی
 فرمادی کہ اگر یہاں کے اہل فضل تمہاری قدر و منزلت اور مقام سے واقف نہیں تو

میں واقف ہوں، اور یہ کہ یہاں خادم و مخدوم و شیخ و مرید کا کوئی امتیاز نہیں، وہاں تم مخدوم رہو گے، میں خادمانہ۔ خواجہ قطب الدین نے وہی جواب دیا جو ایک مرید رشید کو دینا چاہئے عرض کیا:۔

مخدوم مرا چہ محل آں باشد کہ پیش
مخدوم تو انم الیتاد فکیف بنشستیم
مخدوم! میں تو آپ کے سامنے کھڑے
ہونے کا بھی اہل نہیں، بیٹھے کی کیا مجال؟
شیخ نے اجمیر چلنے کا حکم دیا اور مرید صادق بے چون و چرا اور بلا تامل تیار ہو گیا، لیکن جب
شہر کے باہر قدم نکالا تو شیخ کو معلوم ہو گیا کہ یہ مقبولیت و ہرول عزیزی من جانب اللہ ہے اس
میں نفسانیت و انانیت کو دخل نہیں، اور یہ کہ ان کے مرید رشید نے ساری دہلی کو اپنا عاشق
و پرودانہ بنالیا ہے۔

شیخ قطب الدین ہمراہ شیخ روانہ اجمیر گریو
ازیں مقدمہ در تمام شہر دلی شور افتاد ہم
روانہ ہوئے، اس اطلاع سے شہر دلی میں
اہل شہر مع سلطان شمس الدین دہلی
ایک شور برپا ہو گیا۔ اہل شہر مع سلطان
شمس الدین شہر سے نکل کر آپ کے پیچھے ہوئے چلا
مرآئند و ہرجا شیخ قطب الدین قدم
می گذاشت خلائی خاک آن من بترک
خواجہ قطب الدین کا پاؤں پڑتا تھا، لوگ خاک پا
بر می داشت و نہایت اضطراب و زاری نمودند۔
کہ تبرک نبا کر اٹھا لیتے تھے۔ لوگ بڑے مقرر
اور آہ و زاری میں مصروف تھے۔

ایک دل کو خوش کرنے کے لئے اور ایک جزئی مصلحت کی خاطر لاکھوں خدا کے بندوں
کے دل کو رنج و زحمت کرنا جائز نہ تھا۔ مرشد نے مرید رشید کو اجمیر لی جانے کا ارادہ نسخ کیا اور فرمایا:

بابا بختیارؒ اہدیں مقام باش کہ خلایق از بابا بختیارؒ! تم یہیں رہو، اسلئے کہ خدا کی
 بیژن آمدن تو وہ اضطراب و خراب است اتنی مخلوق تہا سے باہر جانے سے تباہ ل
 روانہ دارم کہ چندیں دلہا خراب و کباب ہے میں اس کو جائز نہیں سمجھتا کہ اتنے دل
 باشندہ بروایں شہر ادر پناہ تو دکھائے اور جلائے جائیں۔ جاؤ ہم نے
 گدا شتیم۔
 اس شہر کو تہاری پناہ میں چھوڑا۔

سلطان شمس الدین نے جس کا دار الحکومت اس نعمت سے محروم ہوا جا رہا تھا، شیخ کا شکریہ
 ادا کیا اور خواجہ قطب الدین شہر دہلی واپس آئے اور خواجہ معین الدین اجمیر واپس ہوئے۔
 خواجہ قطب الدین نے دہلی واپس آکر اور اپنے پورے فخر پر بیٹھ کر سرگرمی سے ارشاد و تربیت
 کا کام انجام دینا شروع کیا۔ محفوں نے سرکار سے ضابطہ کا کوئی تعلق نہیں رکھا اور نہ صرف اسکو اپنی
 زندگی کا اصول بنایا بلکہ اپنے سلسلہ کا اصول بنا دیا کہ فقر و استغنا کے ساتھ اور ”دربار“ سے دور رہ کر اپنا
 کام کرنا ہے، لیکن اس بے تعلقی و بے نیازی کے باوجود عوام و خواص اور شاہ و گدا سب ان کے عقیدہ مند
 حلقہ گوش تھے۔

جنگی عالم از صد و دہم بہ دعا گوئی ساری دنیا، اعیان و اکابر دعا گوئی اور
 روئے نہادند نیاز مندی میں مصروف تھے۔

سلطان شمس الدین ہفتہ میں دو بار حاضری دیتا اور اخلاص و عقیدت کا اظہار کرتا۔ دہلی
 میں جو نہ صرف ہندوستان کا دار الحکومت بلکہ عالم اسلام کی نئی طاقت اور دعوت و تجدید اسلام کا
 نیامرکز تھا اور جہاں عالم اسلام کے متانہ ترین علماء و اساتذہ، سادات و شرفاء اور مشائخ و اہل

سلسلہ اور دنیاۓ اسلام کے بہترین دل و دماغ جمع تھے، اشاعت طریق و تربیت قلوب اور نئی ابھرتی ہوئی اسلامی سلطنت کی رہنمائی کا کام اپنے دامن فقر و استغنا کو ذرہ برابر آلودہ اور ترکے بغیر انجام دینا بڑا نازک اور مشکل تھا اور اس کے لئے پہاڑ کی سی استقامت اور ہوا کی سی سبک روی اور سبکدوشی کی ضرورت تھی۔ جس سے کسی شیشے کو ٹھیس نہ لگے۔ خواجہ صاحب نے بڑی کامیابی اور خوش اسلوبی کے ساتھ اس نازک اور دشوار کام کو انجام دیا، ان کو اس خدمت کے لئے طویل زمانہ نہیں ملا اپنے شیخ کے بعد تو مشکل سے ۴، ۵ سال وہ زندہ رہے، لیکن ان کی ذات سے ہندوستان میں نہ صرف سلسلہ چشتیہ کی بنیاد پڑ گئی، بلکہ جن مقاصد مالیہ کے لئے حضرت خواجہ معین الدینؒ نے ہندوستان کو اپنے قیام اور کام کے لئے انتخاب کیا تھا وہ صدیوں کے لئے محفوظ ہو گئے۔

ابھی ان کی عمر ۵ سال یا اس سے کچھ اوپر ہوئی تھی کہ عشت و محبت الہی کی وہ آگ جس کو انھوں نے صبر و ضبط کے فانوس میں مقید اور ہدایت و تربیتِ خلق کی مصلحت سے مغلوب کر رکھا تھا بھر پور کی اور حزبِ الہی کا غلبہ ہوا۔ — ۷

صدائے تیغ تو آمد بہ زم زندہ دلاں

کدام سرکہ در و ذوق این سرود نماںد

ایک مرتبہ شیخ علی سکزیؒ کی خانقاہ میں مجلس سماع گرم تھی۔ قوال نے شعر پڑھا:

کشتگانِ خنجر تسلیم را

ہر زماں از غیب جانے دیگر است

۷ اگر حضرت خواجہ معین الدینؒ کا صدوفات ۶۲۷ھ بھی تسلیم کر لیا جائے تو خواجہ قطب الدینؒ کو ان کے بعد

صرف ۶ سال ملتے ہیں۔ ۷ بعض تذکروں میں سمجری دسج ہے۔ ۱۲

خواجہ قطب الدینؒ پر وجد طاری ہو گیا، خانقاہ سے قیام گاہ پر تشریف لائے، وہی مدہوشی اور تجر کا عالم تھا، اسی شعر کی فرمائش تھی، فرمائش کی تعمیل کی جاتی تھی۔ چار شبانہ روز عالم تجر میں رہے، لیکن جب نماز کا وقت آتا ہوش آ جاتا، نماز ادا کرتے، پھر اسی شعر کی فرمائش کرتے، شعر پڑھا جاتا اور عالم تجر میں چلے جاتے۔ پانچویں رات کو انتقال کیا۔ یہ واقعہ ۶۳۳ھ کا ہے۔

انتقال سے پہلے عید کے روز عید گاہ سے قیام گاہ کی طرف واپس آ رہے تھے کہ ایک ایسے میدان سے گزر رہا تھا جہاں کوئی قریب آبادی نہ تھی، خواجہ وہاں ٹھہر گئے اور دیر تک کھڑے رہے کسی خادم نے عرض کیا کہ عید کا دن ہے اور خلقت منتظر آپؒ کیوں تو قف فرمایا؟ ارشاد ہوا: مرا ازیں زمیں بوئے دلہامی آید۔ (مجھے یہاں سے دلوں کی خوشبو آتی ہے) دوسرے وقت زمین کے مالک کو بلا کر اپنے صرف خاص سے اسکو خرید فرمایا اور اس کو اپنے دفن کیلئے تجویز کیا، وہیں مدفون ہوئے۔ حضرت خواجہؒ کے خلفاء کی تعداد (جن کے نام تذکرہ کی کتابوں میں محفوظ ہیں) ۱۰۹ سے کم نہ تھی، لیکن آپؒ کی جانشینی اور حضرت خواجہ معین الدینؒ کے کاموں اور مقاصد کی تکمیل و توسیع کی سعادت حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کے حصے میں آئی۔

جس طرح حضرت خواجہ معین الدینؒ منہ و ستا
 میں سلسلہ چشتیہ کے مؤسس دہانی ہیں

حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ

خواجہ فرید الدینؒ اس کے مجدد اور اس سلسلہ کے آدم ثانی ہیں۔ آپؒ ہی کے خلفاء سلسلۃ المشائخ

۱۵ میر الاولیاء برودایت حضرت خواجہ نظام الدینؒ

۱۶ بعض تذکروں میں ۶۳۴ھ بجائے ۶۳۳ھ کے۔

۱۷ میر الاولیاء برودایت حضرت خواجہ نظام الدینؒ اولیاء (رحمۃ)۔ اب یہ حکایت قطب صاحب کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت خواجہ نظام الدین دہلوی اور حضرت شیخ علاء الدین علی صابریان کلیری کے ذریعہ یہ سلسلہ
ہندوستان میں پھیلا اور ان کے خلفاء اہل سلسلہ کے ذریعہ اب بھی زندہ و قائم ہے ع
خم و خن خانہ باہر و نشان است

حضرت خواجہ کا نام مسعود لقب فرید الدین تھا، عام طور سے گنج شکر کے لقب سے
مشہور عالم ہیں، آپ نسباً فاروقی ہیں، جد بزرگوار قاضی شعیب آثاریوں کے سہنگامہ میں
کابل سے لاہور تشریف لائے، کچھ عرصہ قصور میں قیام فرمایا، قصبہ کہنیوال کی قضاۃ و جاگیر عطا ہوئی۔
یہیں ۱۶۹ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، صغر سنی میں ملتان کا سفر کیا جو اُس وقت ہندوستان کا سب سے
بڑا علمی و دینی مرکز تھا، شہر کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی، مولانا مہلج الدین ترمذی سے فقہ کی کتاب
”النافع“ پڑھی، وہیں ۱۷۵ھ میں خواجہ قطب الدین بختیار کاگی کی زیارت ہوئی اور ان سے
بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ شیخ فرید الدین آپ کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ تعلیم کے سلسلہ کو
خیر باد کہہ کر ہمرکاب ہو جانے کا عزم کیا۔ شیخ کامل نے منع کیا اور تکمیل کی مہارت کی ہندوستان
اور ہندوستان سے باہر جا کر علوم کی تکمیل کی۔

تعلیم کی تکمیل کے بعد شیخ کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے۔ شیخ نے ان کے قیام کے لئے
غزنین دروازہ کے پاس ایک جگہ منتخب کی جہاں وہ ریاضت و مجاہدے میں مشغول ہو گئے۔ سلوک

۱۷ اس لقب کی حقیقت و تاریخ میں مختلف اقوال ہیں، یقین کے ساتھ کوئی بات نہیں کی جاسکتی۔

۱۸ راحت القلوب میں جو آپ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے، اس سفر اور دوسری سیاحتوں کی بڑی تفصیل
موجود ہے، لیکن چون کہ اس کتاب کی نسبت صحیح نہیں ہے، اس پر اعتماد نہیں کیا گیا۔

بعض دوسری کتابوں میں بھی بعض دوسری تفصیلات ہیں۔ ۱۲

کی تکمیل کے بعد خلافت سے سرفراز ہوئے اور شیخ کی اجازت سے ہانسی میں قیام اختیار کیا جو ان کے مخلص (جو بعد میں خلفائے کبار میں ہوئے) شیخ جمال الدین خطیب ہانسی کا وطن تھا۔ شیخ کا انتقال ہوا تو وہ ہانسی میں تھے، انتقال کے تیسرے روز دہلی پہنچے، مزار شیخ پر فاتحہ پڑھی۔ قاضی حمید الدین ناگوری نے شیخ کی وصیت کے مطابق ان کا خرقہ اور دوسری امانتیں سپرد کیں، یہ گریہ جانشینی کا اعلان تھا۔ شیخ نے دو گانہ پڑھ کر اس کو زیارت کیا اور شیخ کی جگہ پر بیٹھے۔

دہلی کی آمد اور شیخ کی جانشینی کا تیسرا روز تھا کہ ہانسی سے آپ کا ایک آشنا قدیم و معتقد سرمنہ گامی آپ کے اشتیاق میں دہلی آیا۔ خادموں نے اندر جانے نہیں دیا۔ متقدین و خدام کے ہجوم سے اس درویش کو ملاقات میسر نہ آئی، مقرر تھا کہ ایک روز شیخ باہر تشریف لائے سرمنہ گامی وہاں پہنچا اور رو کر کہا کہ جب تک آپ ہانسی میں تھے آسانی اور بے تکلفی سے مل لیا کرتا تھا، اب یہاں ہم جیسے غریبوں کا کام نہیں، شیخ کے دل پر چوٹ لگی اور سمجھے کہ تنبیہ غیبی ہے، دہلی میں سکون اور عوام و فقرا سے ملنے جلنے کا موقع نہیں۔ اپنی مزید تکمیل ترقی مطلوب تھی۔ آپ نے اسی وقت اپنے دوستوں سے کہا کہ میں ہانسی جاؤں گا۔ حاضرین نے عرض کیا کہ شیخ قطب الدینؒ نے تو آپ کو اس جگہ بٹھایا ہے۔ آپ کہاں جلتے ہیں؟ فرمایا کہ ”پیر نے اپنی امانت سپرد کر دی ہے، شہر میں رہوں یا بیابان میں وہ ساتھ ہے۔“

ہانسی کا قیام اس لئے اختیار کیا تھا کہ وہاں سکون اور گمنامی رہے گی۔ یہاں خواجہ قطب الدینؒ کے ایک مرید مولانا نور ترک کی وجہ سے (جنہوں نے اہل ہانسی کو آپ کے مقام و مرتبہ سے آگاہ کر دیا) آپ کی شہرت ہو گئی اور خلق نے ہجوم کیا۔ آپ نے کہنیاں کا رخ کیا جو

وطن قدیم تھا۔ کہنوال ملتان سے قریب تھا، اور اُن کی شہرت اور عظمت کا آواز ہاب دُور دُور
 بلند ہو رہا تھا، آپ نے اجو دھن کو اپنے قیام کے لئے انتخاب فرمایا، اور ارشاد ہوا کہ:- وہاں کے لوگ
 دیر اعتقاد اور نا آشنا ہیں اور جگہ بھی غیر معروف ہے، لیکن یہاں بھی بہت جلد رجوع شروع ہو گیا
 اور خلافت نے ہر طرف سے هجوم کیا۔ آفتاب شہرت و عظمت نصف النہار پر تھا اور اس کی شعاعیں دور
 دور پہنچ رہی تھیں اور طالبین خدا کے قلوب کو گرم کر کے کھینچ کھینچ کر لا رہی تھیں۔ تھوڑے دنوں
 میں جمعیت یہاں تک بڑھی کہ آنے والوں کا سلسلہ ختم ہونے کو نہ آتا، آدھی رات تک اُن کے کھلے ہوتے۔
 ابتدائے قیام میں عرصہ تک نہایت تنگی اور عسرت و فقر و فاقہ کے ساتھ زندگی گذاری
 پیلو کے پھل ابا ل لئے جاتے اور ان میں کچھ نمک ڈال کر فقرا کو تقسیم کر دیئے جلتے اور خود بدلت
 اپنے مہانوں اور خادموں کے ساتھ تناول فرماتے۔ توکل و تجرید کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ افطار کیلئے تھمہ
 اٹھایا، فرمایا: اس میں کچھ بے ہولی معلوم ہوتی ہے؟ خادم نے عرض کیا کہ: نمک نہ تھا، ایک دانگ کا
 نمک قرض لیکر ڈال دیا۔ فرمایا:- تم نے بے ہولی کی، میرے لئے اس کا کھانا روا نہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد
 حال ہوا کہ دن رات مطبخ شاہی گرم رہتا اور آدھی رات گئے تک کھانے والوں کا سلسلہ رہتا،
 جوتا اس خوانِ نعمت سے حصہ پاتا۔ جو شخص بھی آتا کہے با شدا پنا حصہ پاتا۔^{۱۲}

شفقت و دلداری سب کے ساتھ کیساں تھی حضرت خواجہ نظام الدینؒ فرماتے ہیں کہ: عجیب
 قوت اور عجیب طرزِ زندگی تھا جس کا تحمل کسی سے ہونا آسان نہیں، نئے آنے والے جو کبھی نہیں
 آئے اور برسوں کے ساتھ رہنے والے سب کیساں لطف و مہربانی اور توجہ و التفات کے ساتھ پیش

^{۱۲} اجو دھن کو آب پاک پٹن کہتے ہیں، اور وہ ضلع منٹگمری (پاکستان) کا ایک قصبہ ہے۔ ۱۲

^{۱۳} سیر الاولیاء (ص ۶۶) ۱۳ ایضاً (ص ۶۷)۔

آتے، مولانا بدرالدین اسحق فرماتے ہیں کہ: میں خادم خاص تھا، جو بات کہتی مہوتی مجھ سے فرماتے تھے، خلوت و خلوت میں یکساں حال تھا، ظاہر و باطن میں کوئی فرق نہ تھا۔ برسوں خدمت کرنے اور ساتھ رہنے کے باوجود کوئی تفاوت نہ دیکھا۔

ایک بار سلطان ناصر الدین محمود کا پورا لشکر جو بادشاہ کے اورچ اور ملتان کے سفر میں ہمراہ تھا، خواجہ کی زیارت کیلئے اجودھن حاضر ہوا۔ حضرت خواجہ نظام الدین اس کا حال بیان کرتے ہیں کہ:- ”ہجوم قابو سے باہر تھا، آخر کار خدام نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ حضرت خواجہ کے پیر میں کی آستین بالافا سے لٹکادی۔ اہل لشکر آتے تھے اور اس کو بوسہ دیتے تھے، یہاں تک کہ وہ آستین تارتا رہو گئی۔ مجبوراً آپ مسجد میں تشریف لائے اور خدام سے فرمایا کہ: میرے گرد حلقہ بنا لو، کوئی اس حلقہ کے اندر نہ آنے پائے۔ لوگ آتے تھے اور حلقہ کے باہر کھڑے ہو کر سلام کر کے رخصت ہو جاتے تھے۔ اچانک ایک بوڑھا قرآش حلقہ توڑ کر اندر آ گیا اور شیخ کے پاؤں پر گر گیا۔ پاؤں پکڑ کر پوسہ لیا اور کہا:- ”شیخ فرید! تنگ آگئے اللہ تعالیٰ کے اس انعام کا اس سے زیادہ شکریہ ادا کرو۔“ شیخ نے یہ سن کر نعرہ مارا اور اس قرآش کو بہت نوازا اور اس سے معذرت کی۔“

سلطان ناصر الدین نے خود حاضری کا قصد کیا، نائب السلطنت غیاث الدین بلبن نے جو ہمراہ تھا، عرض کیا کہ:- لشکر بہت ہے اور اجودھن ایک بے آب دگیاہ مقام ہے، اگر فرمان ہو تو میں خدمت میں حاضر ہو جاؤں اور جہاں پناہ کی طرف سے معذرت اور بدیہ و فتوح پیش کروں چنانچہ کچھ نقد اور چار گاؤں کا فرمان لیکر حاضر ہوا اور نقد اور فرمان پیش کیا۔ شیخ نے فرمایا: ”یہ کیا ہے؟“ غیاث الدین نے کہا کہ: ”یہ کچھ نقد ہے اور یہ جاگیر کا فرمان سلطانی۔“ شیخ نے تبسم فرمایا، اور کہا کہ:-

نقد تو ہم کو دے دو اور فرمان واپس لے جاؤ کہ اس کے طالب بہت ہیں، یہ کہہ کر ساری رقم اُسی وقت درویشوں میں تقسیم کر دی۔

سلطان غیاث الدین حضرت سے معتقدانہ تعلق رکھتا تھا، دہلی کی سلطنت کا حصول بھی حضرت کی دعا اور محبت کا نتیجہ سمجھتا تھا اور خدام کی خدمت کو اپنی سعادت تصور کرتا تھا، حضرت خواجہ نے ایک مرتبہ ایک شخص کے اصرار سے ایک سفارشی رقعہ لکھا جو سفارش و بے نیازی کا عجیب مجموعہ ہے، فرماتے ہیں:-

”میں اس شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بعد آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، اگر آپ اس کو کچھ دینگے تو حقیقی عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہوگا اور آپ مشکور ہوں گے اور اگر آپ نہ دیں گے تو اس کا مالک اللہ تعالیٰ ہوگا آپ معذور ہوں گے“

حضرت شیخ فرید الدین کے اپنے نامور معاصرین اور دوسرے سلسلہ کے مشائخ کبار سے دوستانہ و برادرانہ تعلقات تھے اور ان کے پورے مرتبہ شناس اور قدردان تھے۔ شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین نہ کریم ملتانی جو سلسلہ سہروردیہ کے نامور شیخ اور ہندوستان کے عظیم ترین روحانی پیشواؤں اور داعیوں میں گزرے ہیں ان کے ہم عصر تقریباً ہم عمر تھے۔ دونوں کے بڑے مخلصانہ اور دوستانہ تعلقات تھے اور آپس میں بہت دلچسپ اور بے تکلفی کی خط و کتابت ہوتی تھی۔ شیخ فرید الدین شیخ بہاء الدین کو ”شیخ الاسلام“ کے لقب سے مخاطب

۱۔ سیر الاولیاء ص ۹۹ و ص ۱۲۰ ۲۔ اخبار الاخبار۔ اصل رقعہ فصیح عربی میں ہے۔ ۱۲

۳۔ شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا کی ولادت ۶۶۶ھ کی ہے، اور شیخ کبیر کی ولادت ۶۹۹ھ کی ۱۲

کرتے تھے۔ دونوں کے خلفاء اور مریدین بھی آپس میں ایک دوسرے سے بڑے خاص و محبت سے ملتے تھے اور ایک دوسرے کا اعتراف اور بزرگ داشت کرتے تھے۔ شیخ الاسلامؒ کے پوتے شیخ زکین الدین ابو الفتحؒ، اور شیخ کبیرؒ کے خلیفہ سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ کے درمیان بڑی محبت اور گہرا تعلق تھا۔

حضرت خواجہ فرید الدینؒ کی زندگی کا اصل جوہر اور معاصرین میں ان کا امتیاز وہ فوق شوق اور درد و عشق اور جذب الہی و خدا مستی ہے جس نے حضرت خواجہ نظام الدینؒ و حضرت علاء الدین علی صابر جیسے عاشقوں اور درد مندوں کی تربیت کی، اور جو احوال و صہن کی اس دکان عشق کا خاص سودا تھا۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ ایک روز کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ شیخ کبیرؒ حضرت خواجہ فرید الدینؒ حجرے میں تھے، سر پر بندہ تھا اور چہرے کا رنگ متغیر، حجرے میں الہام کیفیت میں پھرتے تھے اور یہ اشعار پڑھتے تھے۔

خواہم کہ ہمیشہ درو فلے تو زیم خاک کے شوم و بزر پائے تو نہ زیم

مقصودِ خستہ ز کونین توئی از بہر تو میرم از برائے تو زیم

د میری آرزو ہے کہ ہمیشہ آپ ہی کا ہو کر جویں، خاک ہو جاؤں اور آپ کے قدموں کے نیچے زندگی گزرے مجھ مسکین و بیچارے کا دونوں جہاں میں مقصود آپ ہی ہیں آپ ہی کے لئے جلتا ہوں، آپ ہی کے لئے مڑتا ہوں۔

یہ شعر پڑھ کر سجدے میں سر رکھ دیتے تھے، پھر یہی شعر پڑھتے تھے اور حجرے کا چکر لگاتے تھے، پھر سجدے میں پڑ جاتے تھے، دیر تک یہی کیفیت رہی۔

خشیت و رقت کا بڑا غلبہ تھا، کوئی عبرت انگیز و رقت خیز بات سنتے یا مجلس میں کوئی عاشقانہ شعر پڑھا جاتا یا کسی بزرگ کا کوئی واقعہ سنتے تو بے اختیار روتے، بعض اوقات ہاٹیں مار کر روتے، ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، قرآن مجید کے حفظ کا اہتمام اور تلاوت کا بڑا ذوق تھا اور دونوں چیزیں روزہ اور حفظ قرآن کی اپنے خلفائے خاص و مریدان بااختصاص کو وصیت و تاکید فرماتے تھے۔ سماع کا بڑا ذوق تھا۔ کسی نے کہا کہ علماء کو اس میں اختلاف ہے، فرمایا:-

سبحان اللہ کی سوخت و خاکستر شد سبحان اللہ! ایک جلا بھی اور رکھ بھی
دیگرے مہنوز در اختلاف است۔ ہو گیا دوسرا بھی اختلاف ہی کر رہا ہے۔

ساری زندگی کا اصول اہل دول و ارباب حکومت کے تعلق، کنارہ کشی، اخفائے حال اور درویشانہ زندگی تھا۔ اپنے مشائخ کرام کا مسلک جان کر اور اسی میں خلوص کی حفاظت و طریقہ کی اشاعت کا لازم سمجھ کر اس روش پر سختی اور مضبوطی سے قائم تھے، ان کے ایک برادرِ طریقت شیخ بدرالدین غزنویؒ نے (جو حضرت خواجہ قطب الدین کے خلفائے کبار میں سے تھے) بعض اعیانِ سلطنت سے خصوصی تعلق رکھا تھا اور اُس نے ان کے لئے دہلی میں خانقاہ تعمیر کی تھی اور ان کی مخصوص طریقہ پر خدمت کرتا تھا۔ انقلاب روزگار سے جب وہ امیر عقاب شاہی میں آیا تو شیخ کو بھی زحمت و کلفت پیش آئی، آپ نے شیخ کبیرؒ سے دعا کی درخواست کی۔ شیخ نے جواب میں لکھا کہ:-

”جو اپنی روش پر چلے گا وہ ضرور ایسی حالت میں گرفتار ہوگا، جس سے ہمیشہ چین رہیگا، آپ تو پیرانِ پاک کے معتقدین میں ہیں، پھر اُن کی روش کے خلاف خانقاہ کیوں بنوائی، اور اس میں کیوں بیٹھے؟ حضرت خواجہ قطب الدینؒ

اور حضرت خواجہ محین الدینؒ کا تو یہ طریقہ اور روش نہیں تھی کہ اپنے لئے خالقہاد بنا کر دکان جمائیں، ان کا شیلوہ تو گننامی و بے نشانی تھا۔

ان کے اس طبعی ذوق کی وجہ سے باوجود رجوع عام اور امرا و خواص کی عنفیت کے انتقال پہلے پھر عسرتا و تنگی کا دور شروع ہو گیا، سیر الاولیاء میں ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدینؒ فرمایا کہ:-

”حضرت شیخ شیوخ العالم کو آخر عمر میں کہ انتقال کا زمانہ قریب تھا تنگی

پیش آئی، میں ماہ رمضان میں موجود تھا، اتنا تھوڑا کھانا آیا کرتا تھا کہ موجود

لوگوں کو کافی نہ ہوتا تھا۔ کسی رات بھی میں نے ان دنوں سیر ہو کر کھانا کھایا،

سامان بھی جو دیکھنے میں آتا تھا بہت معمولی اور برائے نام تھا، میں جب

رخصت ہونے لگا تو حضرتؒ نے خرچ کے لئے مجھے ایک سلطانی عطا فرمایا۔

اس روز مولانا بدر الدین الدین اسحقؒ کے ذریعہ پیغام پہنچا کہ آج توقف

کریں کل جائیں، جب افطار کا وقت ہوا تو حضرت شیخؒ کی خدمت میں گیا

اور میں نے عرض کیا کہ حضرتؒ کی بارگاہ سے مجھے ایک سلطانی عطا ہوا تھا

اجازت ہو تو اس سے کچھ کھانے کا انتظام کر لیا جائے؟ حضرت نے اجازت

مرحمت فرمائی اور برسی دعائیں دیں۔“

صاحب سیر الاولیاء حضرت خواجہ نظام الدینؒ کی روایت وفات کا حال اس طرح بیان

کرتے ہیں:-

۱۵ سیر العارفین ص ۸۵، اخوذ ازہم صوفیہ ۱۵ سیکہ (غالباً اس وقت کا روپیہ)

۱۶ سیر الاولیاء ص ۱۶

”محرم کی پانچ تاریخ کو بیماری میں شدت ہوئی۔ عشاء کی نماز جماعت سے ادا کی، نماز کے بعد بیہوشی طاری ہو گئی۔ ایک گھڑی کے بعد ہوش آیا تو دریت کیا کہ میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی؟ لوگوں نے عرض کیا کہ پڑھ لی ہے فرمایا دوبارہ پڑھ لوں کیا خبر کیا ہو؟ دوبارہ نماز پڑھی اور پھر بیہوش ہو گئے۔ اس مرتبہ بیہوشی نہ زیادہ سخت اور طویل تھی، پھر ہوش آیا اور پوچھا کہ میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی؟ عرض کیا گیا کہ دوبارہ پڑھ چکے ہیں، فرمایا کہ ایک بار اور پڑھ لوں، کون جانتا کیا ہو؟ تیسری مرتبہ پھر پڑھی۔ اسکے بعد واصل بحق ہوئے۔

تاریخ وفات ۵ محرم روز شنبہ ۱۱۳۲ھ ہے۔ ابو دھن (پاک پٹن) میں مدفون ہوئے بعد میں سلطان محمد تغلق نے گنبد تعمیر کیا۔

حضرت خواجہ کے پانچ فرزند اور تین صاحبزادیاں تھیں۔ فرزندوں کے نام یہ ہیں۔ شیخ نصر الدین نصر اللہ، شیخ شہاب الدین، شیخ بدر الدین سلیمان، خواجہ نظام الدین، شیخ یعقوب صاحبزادوں کے نام: بی بی مستورہ، بی بی فاطمہ، بی بی شریفہ۔

۱۔ سیر الاولیاء ص ۸۹ ۲۔ صاحب سیر الاولیاء نے متعدد مقامات پر ۱۱۶۹ھ کے ایسے واقعات نقل کئے ہیں جو حضرت خواجہ کی زندگی سے متعلق ہیں۔ بعض مقامات پر حضرت خواجہ نظام الدین کی تحریر کا حوالہ ہے کہ حضرت خواجہ نے مجھ سے یہ فرمایا، فلاں ہدایت کی اگر ان سنین کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو سند وفات ۱۱۶۲ھ جو عام طور پر مشہور اور زیادہ تر کتابوں میں مذکور ہے مشکوک ہو جاتا ہے اور ماننا پڑتا ہے کہ حضرت خواجہ کی وفات اسکے بعد ہوئی، بعض دوسری کتابوں میں بعد کے سنین درج ہیں، ان میں قرین قیاس ۱۱۶۶ھ

ہے جو خزینۃ الاصفیاء میں بحوالہ مخبر الواصلین و تذکرۃ العاشقین درج ہے۔ ۱۲

حضرت خواجہ کی وفات کے بعد ان کے تیسرے صاحبزادے شیخ بدر الدین علیہ السلام کے سجادہ پر بیٹھے۔ ان کے فرزند و سجادہ نشین شیخ علاء الدین ابو نعیم تقدس القامین مشہور تھے۔ محمد تعلق بھی ان کے علقہ مریدین میں شامل ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے روحانی سلسلہ کی طرح حضرت خواجہ کی اولاد اور خاندان کو بھی بڑی برکت عطا فرمائی، ہندوستان کے مختلف حصوں میں یہ خاندان آباد ہے اور بالعموم فریدی کہلاتا ہے۔

حضرت خواجہ کے خلفاء میں پانچ حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں: شیخ جمال الدین بانسوی، شیخ بدر الدین اسحاق، شیخ نظام الدین اولیاء، شیخ علی احمد صابر اور شیخ عارف۔ شیخ جمال الدین راحمد بن محمد خطیب بانسوی حضرت خواجہ کے بڑے عزیز خلیفہ و معتمد خاص تھے۔ انھیں کی خاطر حضرت خواجہ نے ۱۲ سال بانسی میں قیام فرمایا تھا۔ آپ جب کسی کو خلافت نامہ لکھ کر دیتے تھے تو فرماتے تھے کہ بانسی جا کر شیخ جمال الدین کو دکھانا اگر شیخ جمال الدین صاف فرماتے تو آپ بھی اسکو قبول کرتے، اگر وہ صاف نہ کرتے تو آپ بھی نامنظور فرماتے اور فرماتے کہ جمال کا پھاڑا ہوا سیاہنیں جاسکتا۔ فرماتے تھے کہ جمال میرا جمال ہے۔

شیخ جمال الدین نے اپنے شیخ کی زندگی میں ۶۵۹ھ میں انتقال کیا۔ شیخ قطب الدین منور (حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے عزیز خلیفہ) ان کے پوتے ہیں۔

شیخ بدر الدین اسحاق بن علی سادات بخارا میں سے تھے۔ حضرت خواجہ فرید الدین کے خلیفہ فاضل اور داماد تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدین ان کی بڑی عزت کرتے تھے، اپنے شیخ کی

صحبت و تعلیم کا نمونہ تھے۔ آنکھیں ہمیشہ پر آب رہتی تھیں، رقت کا بڑا غلبہ تھا جس سے
ضعف بصارت ہو گیا تھا کسی نے کہا کہ آپ نے را آنسور دیکھیں تو میں آپ کے استعمال کے لئے سرمہ
بنادوں فرمایا کہ آنکھوں پر میرا قابو نہیں ان کی عبادت ریاضت کو دیکھ کر شیخ کبیر کی یاد آ رہی تھی
تھی نہایت جید الاستعداد اور فاضل اجل تھے۔ مدت تک دہلی کی مشہور درس گاہ مدرسہ معزیہ میں
درس دیا، تکمیل علم کیلئے سجاداتک کا سفر کیا، فارسی و عربی میں تہ کلف و آبدار شعر کہتے تھے، مضامین علمیہ
کو نظم کرنے کی خاص قدرت تھی، صرف کے مسائل میں ایک منظوم رسالہ ہے۔ خواجہ محمد امین اور
خواجہ محمد موسیٰ جو حضرت خواجہ نظام الدین اور لیار کے امام نماز تھے، انھیں کے صاحبزادے
تھے، ارحمادی الاخریٰ سنہ ۱۰۹۹ھ میں وفات پائی

شیخ عارف کو حضرت خواجہ نے خلافت دے کر سیوستان روانہ کیا تھا، انھوں نے حضرت
خواجہ کو خلافت نامہ اپس کیا اور عرض کیا کہ یہ کام بہت نازک ہے، یہ مسکین اس کا عظیم کا
اہل نہیں، مجھے آپ کی دعا اور عنایت کافی ہے، پھر آپ کی اجازت سے حج بیت اللہ
کو گئے اور واپس نہ آئے۔

شیخ کبیر علاء الدین علی بن احمد صابر نسباً اسرائیلی تھے، ترک تجرید اور زہد و مجاہدہ
میں ان کی نظیر نہ تھی، پیران کلیر میں عرصہ تک عبادت و افادہ میں مشغول رہ کر ۱۲۰۹ھ
یا ۱۲۱۰ھ میں وفات پائی حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتی آپ ہی کے خلیفہ تھے۔

۱۰۹۹ھ سیر الاولیاء ص ۱۸۵

۱۰۹۹ھ نزہۃ الخواطر ج ۱

۱۰۹۹ھ نزہۃ الخواطر ج ۱۔ یہ عجیب بات ہے کہ شیخ علی احمد صابر کے حالات سے مناصرہ کرے اور تاریخیں خاموش ہیں۔

سیر الاولیاء میں امیر خرم نے ان کا تذکرہ ضمناً اس طرح کیا ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (بقیہ صفحہ ۴۸)

سلطان المشائخ حضرت شیخ نظام الدینؒ پہلے چشتی شیخ نہیں جن کے اثرات ان کی زندگی میں سارے ہندوستان میں پھیلے اور جنہوں نے ہندوستان کے اسلامی معاشرہ اور ہر طبقہ کو متاثر کیا اور حکومت سے لیکر عوام و غربا تک کو اپنے حلقہ عقیدت و اثر میں لیا، اسی کے ساتھ ساتھ

(بقیہ جاشیہ صفحہ ۴۷) ————— کو شبہ ہے کہ یہ حضرت شیخ علی احمد صابر پیران کلیری کا تذکرہ ہے یا اسی نام کے کسی اور بزرگ کا، امیر خرد لکھتے ہیں:۔

بندہ از خدمت دارالفرز و رحمۃ اللہ علیہ سماع	بندہ نے اپنے والد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے
دارد کہ درویشیہ بود بزرگ صاحب نعمت کہ	کہ ایک عالی مرتبہ درویش تھے جن کو شیخ علی صابر
اور شیخ علی صابر گفتند و درویشی قدمے	کہتے تھے، درویشی میں راسخ اور صاحب
نمازت و نصیہ گیرداشت و ساکن قصبہ دیکری بود	نسبت و تاثیر قصبہ دیکری کے رہنے و لکھنے۔
و پیوند بخدمت شیخ شیوخ العالم فرید الحق	حضرت شیخ فرید الدینؒ سے نسبت ازادیت
و الدین قدس سرہ العزیز داشت اور از خدمت	رکھتے تھے اور اپنے انکو اجازت بمعیت
شیخ شیوخ العالم اجازت بمعیت بود (۱۸۵)	دے رکھی تھی۔

معاصر یاد ماہ قریب کیے تذکروں میں خواہ ان کا تذکرہ بالکل نہ ہو یا سرسری و مختصر، ان کے سلسلہ کے مشائخ کبار کے حالات ان کا علوشان ان کے علوم و مقامات، اہل بصیرت کا اس سلسلہ کی مقبولیت پر اتفاق اور عالم میں اُسکے فیوض و برکات و آثار شہد ہیں کہ بانی سلسلہ نہایت عالی مقام، عالی نسبت اور عند اللہ مقبول تھے، اس بڑھ کر خود تاریخ کی شہادت بھی نہیں ہو سکتی اور نہ یہ تاریخ کی پہلی غفلت اور چوک ہے، زمانہ سابق میں بھی بہت سی باکمال شخصیتیں تاریخ کی تیز نگاہوں سے بچ گئیں اور ناویہ نمودار ہیں رہیں۔

اس سلسلہ (صابرہ چشتیہ) میں بڑے نامور مشائخ عارف و محقق و مصلح پیدا ہوئے مثلاً حضرت محمد احمد عبدالحی مدظلہ العالی

ہندوستان کے پہلے شیخ طریقت اور مرشد روحانی ہیں جن کے حالات سب سے زیادہ تفصیل وضاحت اور استناد کے ساتھ ملتے ہیں۔ ان کے مشائخ نے نہ کوئی تصنیف کی نہ ان کے خلفاء نے اپنے مشائخ کے ملفوظات حالات جمع کئے، نہ انھوں نے اپنے شیخ کے ملفوظات حالات کا کوئی مجموعہ تیار کیا، لیکن ان ملفوظات حالات جمع کرنے کا

(ص ۴ کا بقیہ حاشیہ) جن کی ذات برکات کو بعض اہل نظر نے نویں صدی کا مجدد بھی شمار کیا ہے حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوئیؒ، حضرت شیخ محب اللہ آبادیؒ، شیخ العرب العجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوئیؒ، قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، دہلوی دارالعلوم دیوبند، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، ہمارے اس دور میں اللہ تعالیٰ نے اسی سلسلہ سے حفاظت و تجدید دین کا عالمگیر کام لیا، اور اس وقت سب سے زیادہ وسیع متحرک فعال یہی سلسلہ ہے، دارالعلوم دیوبند و مظاہر العلوم کی تعلیمی خدمت اور مولانا تھانویؒ کی تصنیفات و مؤلفات سے اور پھر آخر میں مولانا محمد الیاسؒ کی تحریک دعوت و تبلیغ سے اس سلسلہ کے فیوض عالمگیر ہوئے، پرفیبر خلیق احمد نظامیؒ تاریخ چشت مشائخ میں صحیح لکھا ہے کہ:

”گزشتہ صدی میں کسی بزرگ نے چشتیہ سلسلہ کے اصلاحی اصولوں کو اس

طرح جذب نہیں کیا جس طرح مولانا محمد الیاسؒ نے کیا تھا۔“ (ص ۲۳۴)

آج بھی رائے پور میں حضرت مولانا عبدالقادر صاحب کی خانقاہ سلسلہ چشتیہ کی قدیم خانقاہوں کی کیسوٹی، سرگرمی، یا حق کی مشغولی اور درد و محبت کی یاد تازہ کرتی ہے (افسوس ہے کہ حضرت کی وفات کے بعد یہ خانقاہ بھی گزشتہ خانقاہوں کی فہرست میں شامل ہو گئی، کل شیء ہالک الا وجہہ - ۵ عالم نشود ویران تا میکدہ آباد است

۱۰ حضرت خواجہ فیصل الدین چراغ دہلیؒ کے ملفوظات غیر المجاہس ہیں ہے۔ فرمایا میرے حضرت (بقیہ صفحہ پر)

خاص اہتمام کیا گیا، اس سلسلہ میں دو بڑے قیمتی و مستند ماخذ ہیں، ایک فوائد الفوائد جو امیر حسن
 علاء بھٹائی (م ۱۳۷۵ھ) کی تالیف ہے حضرت خواجہ نے اسکو لفظاً لفظاً سنا اور تحسین فرمائی اور
 حضرت خواجہ کے اصحاب و خدام نے اسکی صحت کو عام طور پر تسلیم کیا اور حرر و جاب بنایا۔ دوسرا سیار الاولیاء
 جو امیر خورشید سید محمد مبارک علوی کرمانی (م ۱۳۷۵ھ) کی تصنیف ہے، امیر خورشید خورشید سالکی میں حضرت خلیفہ
 سے بیعت ہوئے اور ان کی صحبت کی سعادت حاصل کی، پھر حضرت شیخ نصیر الدین چیراغ دہلی سے
 رجوع کیا۔ ان کے والد نور الدین مبارک بن سید محمد کرمانی (م ۱۳۶۹ھ) حضرت خواجہ نظام الدین
 کے رفیق قدیم اور مخلص بے تکلف دوستوں میں تھے، اس کتاب میں زیادہ تر ان کے روایت ہے۔ اپنے شیخ
 حضرت خواجہ نصیر الدین چیراغ دہلی سے بھی سنی ہوئی بہت سی باتیں درج ہیں، اپنے چشم دید حالات
 اور سنے ہوئے ملفوظات بھی ہیں، حضرت خواجہ کے حالات و سوانح اور ان کے خلفاء کبار کے
 حالات و کمالات کا یہ مفصل و مستند ذخیرہ ہے۔ ان دو کتابوں کی وجہ سے خاص طور پر حضرت خواجہ
 کے حالات و ذوق، رجحان طبع، تعلیم و تربیت کے طریقے، اصلاحی و تبلیغی کوششیں، ان کی فیوض و
 برکات اور اثرات محفوظ ہو گئے اور تاریخ کی روشنی اور گرفت میں آ گئے۔

(۲۹) کا بقیہا شبیہ

پیر و مرشد جناب سلطان الاولیاء قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے تھے، میں نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی
 اس واسطے کہ خدمت شیخ الاسلام حضرت فرید الدین اور شیخ الاسلام حضرت مولانا قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ
 اور باقی خواجگان چشت وغیرہ مشائخ جو داخل ہمارے شجرے میں ہیں کسی نے کوئی تصنیف نہیں کی۔
 (سراج المجالس ترجمہ خیر المجالس)

لے اس میں ۳ شعبان سے ۹ شعبان تک کی مختلف مجالس کے ملفوظات ہیں۔

اسی شخصیت کی عظمت و تاثر اور حالات و مآخذ کی سہولت کی وجہ سے دعوتِ عربیت کی ایک مرکزی اور عہد آفرین شخصیت کی حیثیت سے ان کی ذات کو انتخاب کیا گیا، کتاب کے آئندہ ابواب اسی اجمال کی تفصیل کے لئے ہیں۔

باب دوم

سُلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدینؒ

حالات و کمالات

محمد نام نظام الدین لقب و عرف عام، والد ماجد کا نام احمد بن علی سادات
نام و نسب | حسینی میں سے تھے، نہا ہال بھی سادات میں تھا، دادا خواجہ علی اور نانا
 خواجہ عرب دونوں ہم جد تھے اور دونوں بخارا سے آکر کچھ مدت لاہور رہے وہاں سے بدایوں آئے۔
 ۶۳۶ھ میں بدایوں میں آپ کی ولادت ہوئی، بدایوں (قدیم بداول) شہر فارو سادات
 کا قدیم مسکن تھا، بہت سادات کرام اور مشائخ عظام نے ایران و خراسان سے آکر یہاں سکونت
 اختیار کر لی تھی۔

۱۔ صاحب میرالادبیاء نے آپ کی عمر شریف کا حساب لگا کر اس سنہ کی تعیین کی ہے۔ ۱۲۔
 ۲۔ بداول روہیل کھنڈ میں دریائے سوٹھ کے بائیں کنارے پر واقع ہے۔ اس زمانہ میں بہت آباد (تقریباً ۵۳۰۰)

ابتدائی تعلیم تربیت | حضرت نظام الدین پلچ سال کے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والدہ ماجدہ نے جو اپنے وقت کی ایک بڑی صالحہ اور باخدا خاتون تھیں، اس دررہیم کی پرورش اور دینی و اخلاقی تربیت کا مردانہ ہمت اور پدرانہ شفقت کے ساتھ اہتمام کیا۔ کتابیں پڑھنے کے قابل ہوئے تو مولانا علاء الدین اصولی کے سامنے زانیے ملے تہہ کیا اور فقہ کی ابتدائی کتابوں تک ان سے تعلیم حاصل کی، قدوری ختم کی تو مولانا علاء الدین نے فرمایا کہ مولانا نظام الدین اب دستارِ نعیمت باندھو، والد صاحب سے آکر کہا کہ استاد نے دستار بندی کا حکم فرمایا، میں ستار کہاں سے لاؤں؟ والدہ صاحبہ نے کہا: بابا خاطر جمع رکھو۔ میں اس کی تدبیر کروں گی چنانچہ روٹی

(۵۲) کا بقیہ حاشیہ) اور پُر رونق مقام تھا اور دہلی کے لئے سرحدی شہر کا کام دیتا تھا، چنانچہ پرانی دہلی کے ایک دروازہ کا نام دروازہ بڈاؤں تھا۔ (نزہۃ الخواطر)۔

قلعہ بڈاؤں کے موجودہ کھنڈر اس کی عظمت اور استحکام کا پتہ دے رہے ہیں ۱۹۶۶ء میں سلطان محمد غوری کے جرنیل قطب الدین ایک نے اسے فتح کیا اور اپنے غلام ملک شمس الدین کو امیر بڈاؤں مقرر کیا۔ ایلتمش نے یہاں ۱۲۲۲ء میں ایک خوبصورت اور وسیع مسجد تعمیر کرائی جو اب بھی موجود ہے۔ اس مقام کی اہمیت کا مزید ثبوت درکار ہو تو وہ اس مقام ہے کہ دہلی کے مدد بادشاہ ایلتمش اور اس کا بیٹا رکن الدین فیروز شاہ دونوں تخت نشینی سے پہلے بڈاؤں کے گورنر رہ چکے تھے۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا بذیل بڈاؤں) منقول از مقالات دینی و علمی، مولوی محمد شفیع صاحب ایم اے۔ (جلد اول ص ۲۴)۔ ۱۲

مولانا علاء الدین علی الاصولی شیخ جلال الدین تبریزی کے مریدین میں تھے اور اپنے شیخ کے نقش قدم پر اخفاء حال کا بڑا اہتمام تھا، صبرِ رضا کے ساتھ زندگی گزارتے تھے اور اوقات عزیز کو افادہ و عبادت میں مشغول و مہمور رکھتے تھے۔ (نزہۃ الخواطر بحوالہ فوائد القواد)۔

خرید کر اسکو کتوا یا اور بہت جلد بیکری تیار کر کے دے دی۔ والدہ صاحبہ نے اس تقریب میں علماء و صلحا وقت کی دعوت کی، خواجہ علی مرید شیخ حلال الدین تبریزی نے ایک پیچ باندھا اور حاضرین مجلس نے علم نافع اور تکمیل کی دعا کی۔

اس چھوٹے سے شریف گھرانے میں حج سایہ پوری فقر و فاقہ اور والدہ کی تربیت سے محروم تھا فقر و فاقہ کوئی نئی بات نہ تھی حضرت

خواجہ فرماتے ہیں کہ والدہ کا معمول تھا کہ جس روز سہارے گھر کچھ پکانے کو نہ ہوتا تو فرماتیں کہ آج ہم سب خدا کے مہمان ہیں۔ مجھے یہ بات سن کر بڑا ذوق آتا۔ ایک دن کوئی خدا کا بندہ ایک شکہ غلہ گھر میں لے گیا چند دن متواتر اس سے روٹی ملتی ہی میں تنگ آ گیا اور اس آکر زو میں رہا کہ والدہ صاحبہ کب یہ فرمائیں گی کہ ہم سب خدا کے مہمان ہیں آخر وہ غلہ ختم ہوا اور والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ آج ہم خدا کے مہمان ہیں، یہ سن کر مجھے ایسا ذوق اور ایسا سرور حاصل ہوا کہ بیان میں نہیں آ سکتا۔

حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ میں چھوٹا تھا۔ شیخ کبیر سے مناسبت اور قلبی کشش

بارہ سال کا رہا ہوں یا کچھ کم زیادہ،

اس وقت میں لغت پڑھتا تھا۔ ایک شخص جو ابوبکر خراطہ کے نام سے مشہور تھا، ابوبکر قوال بھی کہتے تھے میرے استاد کے پاس آیا، وہ ملتان ہو کر آ رہا تھا، اس نے بیان کیا کہ میں حضرت شیخ بہار الدین زکریا ملتان کے پاس سے آ رہا ہوں، اس نے ان کے فضائل مناقب بیان کرنے شروع کئے کہ وہاں کے لوگ ایسے ذاکر شاغل ہیں اور آزاد و نوافل کا ایسا انہماک ہے اور ذکر کی ایسی فضا ہے کہ مامیں اور لونڈیاں بھی چکی چلاتے وقت ذکر میں مشغول رہتی ہیں، اسی طرح کی اور بہت سی خصوصیتیں بیان کرتا رہا، مگر کوئی چیز

۱۔ سراج المجالس ترجمہ خیر المجالس ص ۱۳۵ ۲۔ ایضاً ص ۹۶ ۳۔ سیر الاولیاء (ص ۱۱۱)

۴۔ شیخ کبیر سے مراد اس کتاب میں ہر جگہ شیخ الاسلام حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کی ذات ہے۔ ۱۲

میرے دل میں نہ جی، اسکے بعد اس نے بیان کیا کہ وہاں سے اجودھن آیا، وہاں میں نے ایسا بادشاہ دیکھا اور اس نے شیخ الاسلام شیخ فرید الدین کا تذکرہ کیا، یہ سنتے ہی میرے دل کو بے اختیار کشش ہوئی، اور ان کی محبت و ارادت میرے دل میں ایسی بیٹھ گئی کہ مجھے ان کا نام لینے میں مزا آنے لگا، اور میں ہر نماز کے بعد مزے لیکر ان کے نام کی رٹ لگاتا۔

دہلی کا سفر | سوہ سال کی عمر میں حضرت خواجہ بدایوں سے دہلی آگئے۔

آپ نے دہلی آکر طالب علمی کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہ مدت تین چار سال کی تھی، دہلی میں اس وقت بڑے نامور اساتذہ جمع تھے۔
دہلی میں طالب علمی
یہ سلطان ناصر الدین محمود کا عہد حکومت اور غیاث الدین بلبن کا عہد وزارت تھا اور مولانا شمس الدین خوارزمی جو کہ مستوفی الممالک ہو کر شمس الملک کے لقب سے مشہور روزگار ہوئے اساتذہ کی حیثیت رکھتے تھے سلطنت کے ایک اہم ترین عہدے کی ذمہ داری اور مشغولیت کے ساتھ اس زمانے کے علماء کی طرح درس و تدریس کا مشغلہ بھی جاری تھا،

۱۔ سیر الاولیاء (ص ۱۲۹) فوائد القواد (ص ۱۴۹)

۲۔ یہ سیر الاولیاء کا بیان ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ تین چار سال دہلی میں طالب علمی کرنے کے بعد خواجہ صاحب اجودھن گئے اور حضرت خواجہ فرید الدین سے بیعت کی، بیعت کے وقت آپ نے اپنی عمر بیس سال بیان کی ہے (سیر الاولیاء ص ۱۲۹) اس لئے سیر العارفین کا یہ بیان صحیح نہیں ہے کہ آپ پچیس سال کی عمر میں بدایوں سے لاہور تشریف لے گئے۔

۳۔ ملاحظہ ہو تاریخ فیروز شاہی از قاضی ضیاء الدین برنی (ص ۱۳۲) - ۱۲

۴۔ یہ صدر محاسب یا اکاؤنٹنٹ جنرل کا عہدہ تھا اور بہت بڑے علماء کو دیا جاتا تھا۔

حضرت خواجہ ان کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔

مولانا شمس الدین کو حضرت سے تعلق خاص تھا، اور وہ ان کے محبوب ترین استاد کے محبوب شاگرد تھے، آپ جس حجرہ خاص میں مطالعہ فرماتے تھے اس میں کسی شاگرد کو

لے جانے کی اجازت نہیں تھی، مگر حضرت خواجہ اور ان کے دو رفیق مولانا قطب الدین ناطقہ اور مولانا برہان الدین باقی اس قانون سے مستثنیٰ تھے۔

خواجہ شمس الملک کی عادت تھی کہ اگر کوئی شاگرد ناغہ کر دیتا تھا یا دیر سے آتا تھا تو فرماتے تھے کہ آخر مجھ سے کیا قصور ہوا تھا کہ آپ نہیں آئے، حضرت خواجہ نے خود یہ قصہ بیان کرتے ہوئے تبسم فرمایا اور کہا کہ اگر کسی سے مزاح فرماتے تو کہتے کہ مجھ سے کیا قصور ہوا کہ آپ نہیں آئے تاکہ میں پھر وہی قصہ کروں لیکن مجھ سے ناغہ ہو جاتا یا دیر میں جاتا تو میرے جی میں آتا کہ آج مجھ سے بھی یہی فراموشی گئی لیکن آپ مجھے دیکھ کر یہ شعر پڑھتے رہے۔

آخر کم از آنکہ گاہ گاہے آئی و باکسی نکاہے

اس کا تذکرہ کرتے ہوئے خواجہ صاحب آبدیدہ ہو گئے اور سب سننے والوں پر رقت طاری ہو گئی اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے اپنے حجرے میں اپنے ساتھ بیٹھاتے ہیں ہزار معذرت کرتا مگر منظور نہ فرماتے یہ

حضرت خواجہ نے اپنی ذہانت، مناسبت، خداداد اور محنت اپنے رفقاء علمی امتیاز و تفوق کے درمیان علمی امتیاز اور تفوق پیدا کر لیا۔ علمی مباحثوں اور سوال و

جواب میں جو قدیم نظام تعلیم کا ایک اہم جز اور علمی استعداد و ذکاوت کی علامت سمجھی جاتی تھی، آپ کی طلاقت لسانی اور قوت استدلال کا ایسا اظہار ہوا کہ آپ جس علمی مسئلہ پر بحث کرتے طلبہ لا جواب ہوجاتے

اور محفل پر آپ کے علم و ذہانت کا سکہ بیٹھ جاتا، چنانچہ آپ کے ساتھی آپ کو مولانا نظام کجاث اور مولانا نظام الدین محفل شکن کے لقب سے پکارنے لگے۔

اس زمانہ کے نصاب میں مقامات حریمی داخل درس تھی
حفظ مقامات اور اس کا کفارہ عام طور پر طلبہ سمجھ لیتے اور اس کے مشکل الفاظ و مفردات کے یاد کر لیتے پراکتفا کرتے تھے، لیکن حضرت خواجہ نے اپنے علمی ذوق اور بلند ہمتی سے اس کے چالیس مقامے حفظ کئے، بعد میں اس کے کفارے میں حدیث کی مشہور کتاب "مشارق الانوار" حفظ کی۔

آپ نے حدیث اپنے زمانہ کے مشہور محدث شیخ محمد الماریکی مشہور کمال الدین
حدیث کی اجازت (زائد ۴۸۲ھ) سے پڑھی جو مصنف مشارق الانوار علامہ حسن ابن محمد القسطنطینی کے براہ راست شاگرد تھے۔ فقہ میں ان کو بیگناہ صاحب ہدایہ علامہ برہان الدین المرغینانی سے تلمذ تھا، آپ نے ان سے "مشارق الانوار" کا درس لیا اور حدیث کی اجازت حاصل کی۔

۵۲ ایضاً

۱۵ سیر الاولیاء رحلت

۱۵ سیر الاولیاء (ص ۱۵۱) اجازت نامہ جو عربی میں ہے اور سیر الاولیاء میں بلفظہ منقول ہے، ۲۳ ربیع الاول ۶۴۹ھ تاریخ درج ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اجازت نامہ آپ کو جب حاصل ہوا ہے اس وقت آپ کی عمر سترہ ولادت ۶۳۶ھ کے حساب سے ۲۳ سال تھی اور یہ واقعہ شیخ کبیر کی وفات (۶۱۳ھ) کے تیرہ سال کے بعد اس وقت کا ہے جب آپ مسند ارشاد تربیت پر متمکن تھے اور آپ کی شہرت و ردور بہو بچ چکی تھی۔ اجازت نامہ میں آپ کے لئے الشیخ الامام العالم الناسک السالک اور مقبول المشائخ الکبار و منظور العلماء الاحیاء و الاجرار کے الفاظ ہیں اس کمر و شہرت میں حدیث کی تکمیل اور حصول اجازت آپ کے علمی ذوق اور علومیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

قلب کی بچینی اور انجذاب الی اللہ | حضرت خواجہ اگرچہ پورے انہماک کے ساتھ طلب علم میں مشغول تھے اور ان کی بلند ہمتی اور عزیمت

اس سلسلہ میں کسی ستمندی اور تساہل کی دافارہ تھی، لیکن دل کسی اور چیز کو ڈھونڈھتا تھا، اس بحث مباحثہ اور علوم ظاہری کی فضا میں ان کی طبیعت متوحش ہو جاتی تھی، ایک دن فرمایا کہ یاد جوانی میں کہ جب لوگوں کیساتھ نشست و برخاست رکھتا تھا ہمیشہ دل پر گرانی رہتی تھی اور دل ہی دل میں کہتا تھا کہ میں کہاں لوگوں کے پیچ میں سے چلا جاؤں گا۔ اگرچہ یہ سب پڑھنے پڑھانے والے لگتے تھے اور ہمیشہ علمی بحث و مباحثہ میں مشغول رہتے تھے، لیکن اکثر میری طبیعت متوحش ہو جاتی اور میں دوستوں سے کہتا کہ میں ہمیشہ تمہارے درمیان نہیں رہوں گا، میں کچھ دن تمہارے یہاں بہمان ہوں، امیر حسن علامہ بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یہ حضرت شیخ الاسلام فرید الدین کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے کا قصہ ہے۔ فرمایا: ”ہاں!“

والدہ صاحبہ کا انتقال | ادب کے قیام میں حضرت خواجہ کی والدہ ماجدہ نے انتقال فرمایا۔

والدہ کی یاد | ایک روز عرصہ کے بعد حضرت خواجہ نے اپنی والدہ کے انتقال کا ذکر کیا، ذکر کرتے ہوئے اتنا گریہ طاری ہوا کہ جو کچھ فرماتے تھے پورے طور پر سننے میں نہیں آتا تھا۔ اسی

حالت میں یہ شعر پڑھا۔

افسوس دلم کہ بیچ تدبیر نکرد بشہائے وصال را یہ زنجیر نکرد

والدہ کا یقین توکل | حضرت خواجہ فرماتے ہیں:۔ ایک دن نیا چاند دیکھ کر حاضر ہوا اور قدمبوسی کی اور نئے چاند کی مبارکباد معمول کے مطابق پیش فرمایا کہ۔

آئندہ ہینہ کے چاند کے موقع پر کس کو قدمبوسی کرو گے؟ میں سمجھ گیا کہ انتقال کا وقت قریب کیا ملے گا

بھرا آیا اور میں رونے لگا۔ میں نے کہا کہ: بخند مر! مجھ غریب کو آپ کس کے سپرد کرتی ہیں؟ فرمایا: اس کا کل جواب مٹنگی میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس وقت کیوں نہیں جواب دیتیں۔ یہ بھی فرمایا کہ: جاؤ آج رات شیخ نجیب الدین کچے یہاں رہو ان کے فرمانے کے مطابق میں وہاں گیا۔ آخر شب میں صبح کے قریب خاومر دھڑکی ہوئی آئی کہ بی بی تم کو بلا رہی ہیں۔ میں ڈرا اور میں نے پوچھا خیریت ہے؟ کہا ہاں جب میں حاضر خدمت ہوا تو فرمایا کہ: کل تم نے مجھ سے ایک بات پوچھی تھی۔ میں نے اس کا جواب دینے کا وعدہ کیا تھا اور میں اس کا جواب دیتی ہوں غور سے سنو! فرمایا تھا رادایاں ہاتھ کون سا ہے؟ میں نے ہاتھ سامنے کر دیا، میل ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا: خدایا! اس کو تیرے سپرد کرتی ہوں۔ یہ کہا اور جہاں بحق تسلیم ہوئیں، میں نے اس پر خدا کا بہت شکر کیا اور اپنے دل میں کہا کہ اگر والدہ سونے اور بیویوں کے بھروسہ ایک گھر چھوڑ کر عاتق میں مجھے اتنی خوشی ہوئی

اس وقت دارالحکومت دہلی کی پوری نفاذ خاص طور پر طلبہ اور علماء کے حلقے بقضا

ایک تمنائے خام | واقفاء کے تذکروں ان مقصیوں پر علماء کی تقرری اور قاضیوں اور مفتیوں کے جاہ و جلال اور دولت و ثروت کے قصوں سے معمور و گرم تھے۔ حضرت خواجہ انسی فطری سعادت اور اعلیٰ روحانی استعداد کے باوجود اس وقت کم سن اور نوجوان تھے۔ علمی امتیاز اور معاشی تنگ حالی کے ساتھ اگر ان کے دل میں بھی کسی جاہ و منصب کا ولولہ اور امنگ پیدا ہوتی تو فطرت انسانی کے کچھ خلاف نہیں۔ آپ نے ایک دن شیخ نجیب متوکل سے عرض کیا کہ دعا کیجئے کہ میں قاضی ہو جاؤں۔ شیخ نجیب الدین خاموش ہے اور کچھ نہ فرمایا۔ حضرت خواجہ سمجھے کہ انھوں نے سنا نہیں۔ دوبارہ ذرا بلند آواز سے فرمایا کہ: دعا کی درخواست کرتا ہوں کہ کہیں کا قاضی ہو جاؤں۔ شیخ نے فرمایا: قاضی مت ہو کچھ اور چیز ہو۔

حضرت خواجہ ابو دھن حاضر ہونے سے پہلے دہلی میں شیخ کبیر
ابو دھن کی پہلی حاضری | کے برادر حقیقی خواجہ نجیب الدین متوکل سے متعارف ہو چکے

تھے اور کچھ عرصہ ان کے ساتھ رہنا بھی ہوا تھا، ان کی صحبت اور گفتگو نے شیخ کبیر کے ساتھ محبت کی اس
 چنگاری میں جو کمسنی اور بدالوں کے قیام ہی سے طبیعت میں دوعیت تھی، اشتعال و حرکت پیدا کر دی آپ نے
 شیخ کبیر کی خدمت میں حاضری کا عزم کر لیا اور بالآخر آپ انکی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

اپنی اس ملاقات اور پہلی حاضری کا حال خود ہی بیان فرمایا،
طالب یا مطلوب؟ | ارشاد ہوا کہ میں جب شیخ کبیر کی خدمت میں حاضر ہوا تو

آپ نے مجھے دیکھتے ہی یہ شعر پڑھا۔ ۱۔

۱۔ ۲ تیشِ فراقِ دلہا کباب کردہ سیلابِ اشتیاقِ جاہنا خراب کردہ

میں نے چاہا کہ پائے بوسی کے اشتیاق کو جو عرصہ دراز سے بچپن کئے ہوئے تھا ذرا تفصیل سے
 بیان کروں، لیکن شیخ کے رعب و جلال سے زبان اور قوتِ گویائی نے ساتھ نہ دیا، اتنا ہی کہہ سکا
 کہ قد بوسی کا سخت اشتیاق تھا۔ شیخ نے جب دیکھا کہ میں اتنا مرعوب ہوں تو فرمایا: ”لِکَلِّ
 دَاخِلِ دَهْشَةٍ“ ہرنے لے والے پر رعب ہوتا ہی ہے۔

شیخ کبیر نے حضرت خواجہ کی بڑی خاطر فرمائی۔ ارشاد ہوا کہ اس
مرید کی خاطر | پر دسی طالبِ علم کے لئے جماعتِ خانہ میں چار پائی بچھائی جائے

حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ جب چار پائی بچھ گئی تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں ہرگز اس
 چار پائی پر آرام نہ کروں گا، کتنے معزز مسافر کتنے حافظ کلام اللہ کتنے عاشقانِ خدا زمین پر

سورہ میں، میں چار پائی پر کیسے لپیٹوں؟ یہ خبر منتظم خانقاہ مولانا بدیع الدین اسلمی کو پہنچی انہوں نے فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ تمہیں اپنے دل کی کڑا ہے یا شیخ کے ارشاد کی تعمیل میں نے عرض کیا کہ شیخ کے ارشاد کی تعمیل کروں گا، فرمایا کہ جاؤ چار پائی پر سوؤ۔

اسی حاضری میں کسی وقت حضرت خواجہ جس ارادے سے آئے تھے، اس کی بیعت تکمیل کی اور شیخ کبیر سے بیعت ہو گئے، اس وقت آپ کی عمر بیس سال کی تھی۔

سلسلہ تعلیم کا اجرا یا انقطاع؟ | ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ کی کچھ کتابیں ابھی باقی تھیں، جذب و شوق کا تقاضا تھا کہ اب

اس سلسلہ کو ختم کیا جائے اور علم حقیقی اور معرفت حقیقی میں صرف کیا جائے جو پیدائش کا اصل مقصد اور یہاں کی حاضری کی غرض و غایت ہے۔ گویا سعدی کا یہ شعر حسب حال تھا۔

سعدی بشوے لوح دل از نقش غیر دوست

علمی کہ رہ بحق نماید جہالت است

تعلیم و تعلم کا طول طویل سلسلہ پہلے بھی قلب حساس اور روح بیدار پر بار تھا لیکن اسکو ایک ضرورت سمجھ کر اور اسلئے بھی کہ کوئی دوسرا راستہ سامنے نہ تھا، اختیار کیا تھا، اب جبکہ حقیق کا سر رشتہ اور علم حقیقی کا سر حشر مل گیا اس سلسلہ دراز کا جاری رکھنا طبیعت پر سخت بار تھا اور زبان حال کہہ رہی تھی۔

میری نظر میں ہیں تمام میرے گزشتہ دوشنبہ مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم نخیل بے طب

لیکن جس شیخ کامل سے تعلق پیدا کر لیا تھا وہ جذب کامل کے ساتھ خود بھی کامل العلم تھا اور طریقت کیلئے بقدر ضرورت علم ظاہر کو ضروری سمجھتا تھا، خود اسکے شیخ نے یہی ہدایت اسکو کی تھی، پھر مولانا نظام الدین سے ارشاد و تربیت کا جو کام لینا تھا اس کی نازک ذمہ داریوں کو

ادا کرنے کے لئے علم راسخ کی ضرورت تھی، یوں بھی صاحب نظر شیخ طالب کی مناسبت کو دیکھتے ہیں حضرت خواجہ نے سبیت کے بعد فرمایا کہ میں تعلیم ختم کر دوں اور اوراد و نوافل میں مشغول ہو جاؤں؛ شیخ کبیر نے فرمایا کہ میں کسی کو تعلیم سے نہیں چھڑاتا، وہ بھی کر دے یہ بھی کر دے، دیکھو کیا چیز غالباً قی ہے؟ یہ بھی فرمایا کہ: درویش کو تھوڑا علم بھی چاہیے۔^۱

شیخ کبیر سے درس | شیخ کبیر کی یہ خصوصی عنایت اور اختصاص تھا کہ آپ نے حضرت خواجہ کو بنفس نفیس بعض چیزیں پڑھانا شروع

کیں۔ فرمایا کہ: نظام تم کو کچھ کتابیں مجھ سے بھی پڑھنی ہوں گی، چنانچہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین مہروردی کی تصوف کی مشہور کتاب عوارف المعارف کا درس شروع کیا اور چھ باب اس کے پڑھائے، اسکے علاوہ تمہید ابو شکور سالمی بھی اول سے آخر تک سبقاً سبقاً پڑھائی، مزید برآں تجوید کی تعلیم بھی دی، اور چھ پارے کامل تجوید کیسے پڑھائے حضرت خواجہ زمانہ گزرجانے کے بعد بھی اس درس کی لذت کو یاد

درس کی لذت | فرماتے رہے، فرماتے تھے کہ عوارف کے درس میں جو حقائق اور

نکات حضرت کی زبان سے سنو وہ کچھ بھی سننے میں نہ آئیں گے، بیان کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ جب حضرت تقریر فرماتے تھے تو یہ آرزو ہوتی تھی کہ اگر اسی حالت میں مرت آجاتی تو بڑا اچھا ہوتا۔^۲

خود شکنی کی تربیت | عوارف کا جو نسخہ درس کے وقت شیخ کبیر کے ہاتھ میں ہوتا تھا وہ کچھ سقیم بھی تھا اور خط بھی باریک تھا، چپ دہی اسباق کے بعد ایک ایسا مقام آیا جہاں شیخ کو کچھ دیر مائل رہا، خواجہ نے ہر سادگی اور نوعی

میں کہا کہ میں نے شیخ نجیب الدین متوکل کے پاس ایک اور نسخہ دیکھا تھا، وہ نسخہ صحیح تھا، شیخ نے فرمایا: ”در ویش راقوت تصحیح نسخہ سقیم نیست“ (فقیر کو سقیم نسخہ کی تصحیح کی طاقت نہیں) بار بار شیخ نے یہ فقرہ دہرایا، خواجہ فرماتے ہیں کہ شروع میں تو مجھے خیال نہ آیا لیکن بار بار شیخ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے تو بہت دوسرے ساتھی مولانا بدرالدین اسحق نے بتلایا کہ خطاب تمھاری طرف ہے، حضرت خواجہ کے ہوش اڑ گئے، فرماتے ہیں کہ ”سر رہنہ کدوم و در پائے شیخ افتادم“ کہتے جاتے تھے۔ بعد ازاں میرا اس سے حضرت پر تعریض کرنا ہرگز مقصود نہ تھا، خواجہ فرماتے ہیں میں نے ہر چند معذرت کی، لیکن حضرت کا ملال خاطر نہ گیا۔ فرماتے ہیں میں اٹھ گیا، لیکن سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں۔ وہ دن جیسا مجھ پر گذرا اور جس حزن و غم کا پہاڑ مجھ پر ڈھنسا شاید کبھی کسی شخص کو ایسا کبھی پیش آیا ہو۔ سر سیمہ پریشاں باہر آیا، ایک مرتبہ تو یہ جی چاہا کہ کنوئیں میں گر کر جان دے دوں لیکن کچھ سوچ کر باذرا، اسی پریشانی اور سراسیمگی کی حالت میں جنگل کو نکل گیا اور بہت ردیا۔

شیخ کبیر کے ایک صاحبزادے شہاب الدین نامی سے خواجہ کا خاص میل ملاپ تھا، انھوں نے شیخ کبیر سے خواجہ کا یہ حال کہا جو مقصود تھا پورا ہو چکا تھا، حاضری کی اجادت مرحمت ہوئی۔ ”بآدم سر بر قدم مبارک آردم“ معافی ہوئی۔ دوسرے روز طلب فرمایا اور ارشاد ہوا: یہ سب میں تمھاری تکمیل حال کیلئے کیا، پیر طہ مرید ہوتا ہے۔ اس ارشاد کے بعد خلعت و کسوت خاص سے سرفراز فرمایا گیا۔

۱۱۱ فوائد القواد (۱۱۱) یہاں پر کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ شیخ کامل نے تلمیذ رشیدی ایک معمولی سی اطلاع اور عرض پر اتنی بے فروختگی اور آرزوگی کا اظہار فرمایا، اسلئے کہ جیسا کہ خود شیخ کے جملہ سے معلوم ہوتا ہے، یہ سب آرزوگی بہ تکلف طالب شیعہ کی ترقی باطنی اور خوشکسی کے لئے ہے۔ شیخ مجتہد و مخلص اسکے لئے اپنے مختلف فرائض اختیار کر سکتا ہے اور اس کے لئے کسی تقریب موقع کا بھی انتخاب کر سکتا ہے، حضرت کعب بن مالک کے ابتلا کے واقعہ سے اندازہ ہوگا کہ اس کو تاہی پر جوان سے بلا ارادہ سرزد ہوئی تھی جو سرزدش کی گئی اور ان کے ساتھ جو روئے اختیار کیا (البقیہ ص ۶۷)

حضرت خواجہ نظام الدین کے لئے وہ وقت جب شیخ کبیران کے صرف اتنا
فیصلہ کن موقع کہہ دینے پر کہ ”میں نے شیخ نجیب الدین کے پاس ایک بہتر نسخہ دیکھا ہے۔“
 اپنی کبیدگی اور نا پسندیدگی کا اظہار کیا، ایک بڑا نازک وقت تھا، بظاہر اس معصوم جملہ اور اطلاع پر کہ
 ”میں آپ ہی کے بھائی کے پاس ایک بہتر نسخہ دیکھا ہے“ اتنی ناراضگی اور احتجاج کی ضرورت نہ تھی لیکن
 شیخ کامل کو ایک ایسے طالب علم سے جس کو اس کا جانشین بننا تھا اور لوگوں کی خوشنودی کی تربیت
 کرنی تھی، اتنی خردبینی بھی گوارا نہ تھی، پھر اس مسترشد کو کمال حال کے جس مقام تک پہنچانا تھا اس کے
 لئے اضطراب و اضطراب، شکستہ دلی و شکستگی کی خاص کیفیت پیدا کرنی مقصود تھی، لیکن ایک بین او
 صاحب استعداد و جوان بھیلے جو اپنی علمی تکمیل کر چکا تھا، یہ وقت بڑا نازک اور فیصلہ کن تھا اور اسی
 پر اس کے مستقبل کا انحصار تھا، مولانا سید مناظر حسن گیلانی نے صحیح لکھا ہے :-

”صادق و کاذب طلب میں امتیاز کا وقت آگیا۔ دنیا دیکھ رہی تھی اب مولانا
 نظام الدین کا فیصلہ کیا جاتا ہے، کیا مولانا تجاٹ اور محفل شکن ہی کے لقب کو لیکر
 دنیا سے واپس چلے جائیں گے؟ جیسے لاکھوں ہی سجاٹ و محفل شکن آئے اور چلے گئے،
 یا مشائخ کے سلطان کا جو تخت خالی ہے اس پر قدم رکھنے کی ہمت کرتے ہیں،
 اپنے اپنے حوصلہ کی بات ہوتی ہے، ورنہ سچ یہی ہے۔ ۷
 قومی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
 ورنہ گلشن میں علاج تنگی داماں بھی ہے

چند کلیاں جواب تک ان کے ہاتھ میں تھیں وہ پھینک دی گئیں اور اپنی تنگ داماں

کے علاج کے آخری فیصلہ پر وہ ڈٹ گئے۔ طرف کے چھوٹے ہوتے تو کہہ سکتے تھے کہ بھلا میرا کیا قصور، میں نے غلطی ہی کیا کی ہے، ایک اچھے نسخہ کا علم تھا، اس کا اظہار کیا گیا تھا پھر اس پر اتنی برہمی کے کیا معنی، یہی شرشہ اگر سامنے آجاتا تو ہی لمبی بکیر بن سکتا تھا۔ اتنی لمبی کہ شیطان کی آنت بھی اس سے چھوٹی ہو۔ برہمچاری میں ماعنی توازن صحیح نہیں رہا ہے، مزاج میں تندہی اور غصہ سے آگے بڑھ کر اسی کو "نفسانیت" کا ثبوت بھی قرار دیا جاسکتا تھا بلکہ دین کی آڑ لیکر سلطان جی چاہتے تو اسوۂ حسنہ نبویہ کے معیار پر شیخ کبیر کے اس طرز عمل کو کھوٹا بنا کر لوگوں کو دکھا سکتے تھے، لیکن ظاہر ہے وہ اپنا علاج کرانے آئے آئے تھے، شیخ کبیر کی کمزوریوں کا علاج اچودھن آنے سے مقصود نہ تھا، اس کو طے کر چکے تھے کہ یہ معالج طبیعت، اس کے بعد تنقید کا حق ان کے لئے باقی ہی کب رہا تھا۔

ایک رفیق کی ملامت | خواجہ فرماتے ہیں کہ میں شیخ کبیر کی خدمت میں اچودھن حاضر تھا، ایک عالم بھی جو میرے دوست اور ہم درس تھے اور ہم دونوں ایک سافندہ کرہ کرتے تھے، اچودھن آئے، انھوں نے جب مجھے پچھے پڑانے کیڑوں میں دیکھا تو بڑی حیرت و تاسف سے مجھ سے کہا: "مولانا نظام الدین تم نے اپنا کیا حال بنا لیا ہے اگر تم شہر میں درس تلمیذ کی خدمت میں مشغول رہتے تو بہت فائدہ ہوتا اور بڑی شان و شوکت سے رہتے۔" میں نے اپنے دوست کی یہ بات سنی اور ان سے معذرت کر دی، اسکے بعد جب میں شیخ کبیر کی خدمت میں حاضر ہوا، تو انھوں نے خود بخود فرمایا کہ: نظام! اگر تمہارا کوئی دوست تمہیں لے اور تم سے کہے کہ تم نے اپنا کیا حال بنا لیا ہے اور تعلیم و تعلم کا وہ سلسلہ کیوں چھوڑ دیا

جو فارغ البالی اور خوشحالی کا ذریعہ بنتا، اور یہاں اس حال میں کیوں ہو تو تم اسکا کیا جواب دو گے؟
میں نے عرض کیا کہ جوار شاد عالی ہو ہی کہہ دوں گا۔ فرمایا اگر کبھی کوئی ایسا سوال کرے تو یہ شعر پڑھ دینا۔

نہ مہر سی تو مرا راہ خویش گیر و برہ
ترا سلامتی باد امرنگو سناری

اس کے بعد حکم ہوا کہ خانقاہ کے مطبخ سے مختلف قسم کے کھانے ایک خوان میں اپنے سر پر رکھ کر اس رفیق کے پاس لے جاؤ۔ میں نے تعمیل ارشاد کی میرے دوست نے جب یہ منظر دیکھا تو روتا ہوا دوڑا اور میرے سر سے خوان اتارا اور کہنے لگا کہ تم نے یہ کیا کیا، میں نے سارا قصہ سنایا، اس نے یہ سن کر کہا کہ تمھارے شیخ ایسے ہیں کہ انھوں نے تم کو بے نفسی کے اس مقام پر پہنچا دیا ہے، مجھے بھی ان کی خدمت میں لے چلو، جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو اپنے ملازم سے کہا کہ یہ خوان اٹھاؤ اور ہمارے ساتھ چلو، میں نے کہا کہ نہیں جیسے میں یہ خوان اپنے سر پر رکھ کر لایا ہوں و ایسے ہی سر پر رکھ کر لیا دوں گا، غرض ہم دونوں خدمت بابرکت میں پہنچے اور ہمارے دوست نے حضرت کے ہاتھ پر بیعت تو بہ کی اور آپ کے حلقہ خدام میں داخل ہو گئے۔

حضرت خواجہ شیخ اکبر کی زندگی میں تین بار اجودھن حاضر ہوئے پہلی بار
کتنے بار حاضر کی گئی؟ کسی اور حاضری میں خلافت مشرف ہوئے، تذکروں میں اسکی صراحت نہیں ہے۔
شیخ کی نوازشیں | ایک حاضری میں ایک دن ۲۵ جمادی الاولیٰ کو سنا زحمہ کے بعد طلبی ہوئی، شیخ کبیر نے اپنا العاب و بن حضرت خواجہ کے دہن میں ڈالا، قرآن مجید کے حفظ کی وصیت فرمائی، فرمایا کہ خدائے دین و دنیا تم کو دی، یہاں سب کچھ یہی ہے، دہلی کی طرف روانہ کیا اور فرمایا:۔

۳۰ فیضان القواد (ص ۲۳)

۳۱ سیر الاولیاء ص ۲۳۹ و ۲۴۰

۳۲ یہاں سیر الاولیاء میں سنہ تسع و ستین و ستائۃ (۶۶۹ھ) یا تو غلط درج ہو گیا ہے اور تسع و خمیسین ۵۹ھ مراد ہے اسلئے کہ شیخ کبیر کی وفات کا سنہ سیر الاولیاء وغیرہ میں ۶۶۹ھ ہے یا پھر تسلیم کیا جائے کہ آپ کا سنہ وفات ۶۶۹ھ ہے جیسا کہ خزینۃ الاصفیاء میں بحوالہ مخبر الصالحین تذکرۃ العاشقین درج ہے، بہر حال سیر الاولیاء کے سنین میں تضاد ہے

”برو ملک مندگیر“ نظرهٔ صندک تکفیلی

فرمایا کہ دہلی جانا تو مجاہدہ میں مشغول رہنا، بیکار رہنا کچھ نہیں (نظری)
رخصت اور روت | روزہ رکھنا نصف ۱۵ ہے، دوسرے اعمال نماز و حج (نظری) نصف ۱۵۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ خلافت نامہ لکھ کر دیا اور ہدایت کی کہ مولانا جمال الدین کو ہانسی میں
 اور قاضی متعجب کو دہلی میں دکھا دینا، ارشاد ہوا کہ تم ایک سایہ درخت ہو گے جس کے سایہ میں اللہ
 کی مخلوق آرام پائے گی، استعداد کی ترقی کے لئے مجاہدہ کرتے رہنا۔

حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ ہانسی میں شیخ جمال الدین کی خلافت نامہ دکھایا، بڑا اظہار
 مسرت کیا اور یہ شعر پڑھا۔ ۵

خدا نے جہاں راہزراں سپاں کہ گوہر سپردہ گوہر شناس

اسی حاضری میں یکم شعبان کو حضرت خواجہ کی طرف شیخ
ایک دعا کی درخواست | کبیر کی خدمت میں اس دعا کی درخواست پیش کی گئی کہ:-

خلق کے دربدن پھرنی پڑے، درخواست قبول ہوئی اور دعا فرمائی گئی:-

ایک موقع پر فرمایا گیا کہ میں نے اللہ سے تمھارے لئے تھوڑی سی دنیا مانگ لی ہے،
 خواجہ فرماتے ہیں کہ میں یہ سن کر متفکر ہوا کہ بڑے بڑے لوگ دنیا کے سبب سے فتنہ میں ٹپکے
 میرا کیا حال ہوگا، شیخ نے فوراً ہی فرمایا کہ تم فتنہ میں نہیں پڑو گے۔ خاطر جمع رکھو۔
 اب مجھے اطمینان ہوا۔ ۹

۱۰ سیر الاولیاء (ص ۱۲) ۱۱ ایضاً ص ۱۱ اس موقع پر سیر الاولیاء میں جو ۶۶۹ پھر دیا گیا اس کے

متعلق اور پر گفتگو ہو چکی ہے۔ ۱۲ سیر الاولیاء ص ۱۲ - ۱۳ ایضاً ص ۱۳

اجودھن سے دہلی کو | خواجہ نظام الدینؒ اب اپنے مرشد و مربی سے رخصت ہو کر ہندوستان کی تسخیر روحانی اور خلق خدا کے ارشاد و تربیت اور تبلیغ و ہدایت کی عظیم و قدس

مہم پر روانہ ہوئے۔ یہ ایک فقیر بے نوا تھا جو ہندوستان بلکہ ساتویں صدی ہجری کے عالم اسلام کی سب سے مستحکم اسلامی دار السلطنت کو جا رہا تھا۔ اس کے پاس اخلاص، اعتماد علی اللہ اور استغنا عن الخلق کے سوا کوئی زاد و بارہ اور کوئی ہتھیار و سلاح نہ تھا۔ مولانا سید مناظر حسن گیلانیؒ نے خوب لکھا ہے:-

”ہندگیری کی مہم پر اجودھن سے ہند کے دار السلطنت دہلی کی طرف روانہ ہوتے ہیں جہاں بچے سے اوپر تک ہتھیار جھوٹے الہہ پر جمائے بیٹھے ہیں، ان میں وہ بھی ہے جسکی زبان کی معمولی حرکت لوگوں کے حق سے جدا کر دیتی ہے وہ بھی ہیں جن کی نیاز مندی خاک سے اٹھا کر لوگوں کو امارت و دولت کے افلاک تک پہنچا رہی ہے۔ گلی گلی میں عزت تقسیم ہو رہی ہے، مناصب بٹ رہے ہیں، روپے لٹائے جا رہے ہیں، گدوین بھر رہی ہیں اور جن جن ذرائع سے یہ چیزیں حاصل ہوتی ہیں سلطان المشائخ سبے لیس ہیں۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ اجودھن جانے سے پہلے دہلی کی علمی محفلوں کی محفل شکنی میں ان کی عام شہرت ہو چکی ہے، کچھ نہیں تو قضا کے عہدے سے لیکر شیخ الاسلامی و صدر جہانی کی خدمات تک کی ساری راہیں اپنے سامنے کھلی پا رہے ہیں، لیکن اب خالق کی صورت میں جو الہ ان کو مل چکا تھا، سینہ اسی کے وزن سے اتنا معمور تھا کہ کسی مخلوق کی کوئی گنجائش ان کے قلب میں باقی نہ تھی۔ قلب کی اسی کیفیت کی تعبیر تھی جس کا اظہار وہی کبھی کبھی ان مشہور تیز الفاظ میں فرمایا کرتے تھے:-

”ایمان کس تمام نہ شود تا سہمہ خلق در نزدیکی او ہم چو لپشک شتر نہ نماید“

مجلس مبارک میں دمشق کے ایک شخص کا ذکر مہر ہاتھ جو شیخ الاسلامی کی خدمت کے لئے ساری ساری رات نماز پڑھتا تھا، اپنی آنکھیں نازوں کو نگاہِ خلق میں حصولِ عزت کا ذریعہ بنا رہا تھا۔ جامع ملفوظات اسی میں کہ:-

دریں میاں خواجہ ذکر اللہ بالحبیر یہ سنکر حضرت خواجہ کی آنکھوں میں
عیشم پر آب کردہ ہر لب مبارک راند آنسو آگے اور فرمایا کہ پہلے شیخ الاسلامی
لبوز اول شیخ الاسلامی را پس کو جلاؤ، پھر آگ لگاؤ خانقاہ کو،
خانقاہ را بعد ازاں خود را پھر اپنی خودی کو جلا کر خاک کر دو۔

الغرض اس شان کے ساتھ سب کچھ جلا کر بھسم کر کے وہ اجودھن سے روانہ ہوئے اور جس علاقہ کی دلایت آپ کے سپرد ہوئی تھی اسی کے پایہ تخت میں آپ پہنچ گئے۔“

تصفیہ حقوق | شیخ کبیر نے ارادت و خلافت کے ساتھ کسی باریہ تائید کی تھی کہ مخالفین کو خوش کرنے کی پوری کوشش کرنا اور اہل حقوق کو راضی کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرنا۔ خواجہ فرماتے ہیں کہ میں جب دہلی چلا تو مجھے یاد آیا کہ مجھے ۲۰ جیل ایک شخص کے دینے ہیں، اور ایک کتاب میں نے کسی سے مستعار لی تھی وہ کھو گئی ہے، میں نے بدایوں کے قیام میں یہ عزم کر لیا تھا کہ میں جب دہلی پہنچوں گا

۱۵ فرائد الفواد (ص ۲۳)

۱۶ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت (ص ۱۵)

۳ جیل یا چٹیل تانبہ کا ایک سکہ تھا، ایک تنکے کے دروپہ، چوٹھ جیل اور ایک جیل کے چاروں یعنی دھپے تھے

تو اہل معاملہ کو راضی کرنے کی کوشش کروں گا، جب میں اجودھن سے دہلی واپس آیا تو جس شخص کے میں حبیل مجھے دینے تھے وہ بزاز تھا، میں نے اس سے کپڑا خریدا تھا، کسی وقت میں حبیل میرے پاس جمع نہیں ہوئے کہ میں اسکو پہنچا دیتا، معاش کی بڑی تنگی تھی، کبھی پانچ حبیل ہاتھ آئے، کبھی دس، ایک مرتبہ دس حبیل ملے میں اُس بزاز کے دروازہ پر پہنچا، اسکو آواز دی، وہ باہر آیا تو میں نے اس سے کہا کہ تمہارے میں حبیل میرے ذمہ ہیں، ایک مرتبہ تو مجھے دینے کی قدرت نہیں، یہ دس حبیل لایا ہوں، اس کو ملے لو، دس انشا اللہ اسکے بعد پہنچا دوں گا۔ اس شخص نے بے سنکر کہا کہ ہاں معلوم ہوتا ہے کہ تم مسلمانوں کے پاس سے آرہے ہو، اس نے وہ دس حبیل تو ملے اور کہا کہ میں دس حبیل معاف کئے۔ اس کے بعد میں اس شخص کے پاس گیا جس کی کتاب میں نے لی تھی، اس نے مجھے پہچانا نہیں، میں نے کہا کہ صاحب میں نے آپ سے ایک کتاب مستعار لی تھی، وہ کھو گئی، اب میں اس کی نقل تیار کر کے آپ کو دوں گا، میں بالکل اسی طرح لکھوا کر آپ کو پہنچا دوں گا۔ اس شخص نے کہا کہ ہاں تم جہاں سے آرہے ہو وہاں کا یہی نتیجہ ہونا چاہیے، اسکے بعد اس نے کہا کہ میں نے وہ کتاب تم کو بخشی ہے۔

خواجہ صاحب اہل دہلی بلکہ اہل ہند کی خدمت کے لئے حبیل دہلی پہنچے تو دہلی کی قیام گاہیں | باوجود اس کے کہ دہلی کا کوچہ کوچہ محلوں اور ایوانوں سے آباد تھا اور روز نئی نئی عمارتیں بن رہی تھیں، خواجہ صاحب کے قیام کا کوئی ٹھکانہ تھا صاحب تک کہ غیاث پور کا قیام اختیار نہیں فرمایا، آپ نے اتنی قیام گاہیں اختیار کیں اور اتنے مقامات تبدیل کئے کہ معلوم ہوتا ہے کہ شہر میں اس فقیر کے لئے اپنا درویشانہ سامان رکھنے اور اپنا بوریہ بچھانے کے لئے جگہ نہیں تھی۔ سیرالاولیاء کے مصنف میر خور داہنے والد سید مبارک محمد کرمانی کی زبانی جو حضرت خواجہ کے دوست

اور رفیق تھے، اس نقل مکانی کی تفصیل بیان کرتے ہیں جو ناظرین کی عبرت کے لئے یہاں نقل کی جاتی ہے۔ سیّد مبارک محمد کرمانی فرماتے ہیں:-

”جتنے سال سلطان المشائخ شہر دہلی میں رہے کوئی مکان آپ کی ملکیت میں نہ تھا اور ساری عمر اپنے کوئی جگہ اپنے اختیار سے انتخاب نہیں فرمائی۔ جب آپ بدایوں سے آئے تو سرائے میاں بازار میں جس کو نمک کی سرائے بھی کہتے ہیں، اترے، والدہ اور ہمیشہ کو رہیں رکھا اور خود ایک قواس (کمانگج) کی بارگاہ میں جو سرائے مذکور کے سامنے تھی، مقیم ہوئے۔ امیر خسرو کا بھی اسی محلہ میں مکان تھا کچھ عرصہ کے بعد رات عرض کا مکان خالی ہوا، اس کے لڑکے علاقوں میں چلے گئے۔ امیر خسرو کی معرفت جو رات عرض کے نواسے تھے سلطان المشائخ کو یہ مکان قیام کے لئے مل گیا، آپ دو سال اس مکان میں رہے، یہ مکان شہر نیاہ کے متصل مندر دروازہ و مندر پل کے نزدیک تھا، اس طرح سے کہ شہر نیاہ کا برج اس عمارت کے اندر آگیا تھا، مکان کے ایوان و رواق بڑے بلند اور شاندار تھے، اس عرصہ میں رات عرض کے لڑکے آگئے، سلطان المشائخ کو اس مکان سے منتقل ہو جانا پڑا، آپ کی کتابیں جن کے سوا کوئی اور سامان نہ تھا ہم سردوں پر رکھ کر چھپر والی مسجد میں (جو سراج بقال کے سامنے تھی) لے آئے۔ دوسرے روز سعد کا نقی نے جو شیخ صدر الدین کے مریدین میں تھے، یہ فقرہ سنا اور سلطان المشائخ کے پاس آکر بڑی عزت و توقیر اور خوشامد سے اپنے مکان پر لے گیا۔ بالاخانہ پر ایک بہت اچھی بارگاہ بنی ہوئی تھی، وہاں آپ کو ٹھہرایا۔ سلطان المشائخ ایک مہینہ وہاں ٹھہرے، اسکے بعد وہاں سے بھی آگئے، رکابدار کی سرائے میں جو قیصر پل کے

منتقل تھی۔ سرائے کے درمیان ایک مکان تھا وہاں مقیم ہوئے۔ ایک مدت کے بعد وہاں سے بھی منتقل ہو کر شادی گلابی کے مکان میں جو محمد میوہ فروش کی دکان کے درمیان واقع تھا، قیام اختیار کیا۔ اس درمیان میں شمس الدین شراب دار کے بیٹے کے اور اعزہ جو آپ کے معتقد تھے آپ کو بڑی عزت اور احترام کے ساتھ شمس الدین شراب دار کے مکان میں لے آئے۔ کئی سال سلطان المشائخ اس مکان میں رہے۔ اس مکان میں بڑی راحت اور سکون خاطر میں آیا۔

فقر و فاقہ | خواجہ صاحب دہلی تشریف لائے تو ابتداً تربیت کا وہ دور شروع ہوا جو اس راہ کے ان سالکوں کو جو گے چل کر مرجع خلافت و سر حشر فیوض بنتے ہیں عادتاً پیش آیا کرتا ہے یہ وہ وقت تھا کہ سارے ہندوستان کی دولت اور زر و جواہر دہلی امینہ آ رہے تھے اور ارزانی کا یہ عالم تھا کہ ایک جہتیل میں دو سیر مسک کی پٹی پکانی روٹیاں مل جاتی تھیں اور دو جہتیل میں ایک من خربوزہ آجاتا تھا، لیکن خواجہ صاحب کے فقر و فاقہ کا یہ حال تھا کہ ذراکے میں کہ میرے پاس ایک دانگ بھی نہ ہوتا کہ اس میں روٹیاں خرید کر خود کھاؤں اور والدہ ہمیشہ اور گھر کے ان لوگوں کو گھلاؤں جو میری کفالت میں تھے، خربوزہ کی اس ارزانی و ذراوانی کے باوجود پوری پوری فصل گزر جاتی اور خربوزہ چکھنا نصیب نہ ہوتا لیکن اپنے اس حال میں خوش رہتا اور آرزو کرتا کہ جتنی فصل باقی ہے وہ بھی گزر جائے اور میں اسی حال میں ہو۔

۱۔ بادشاہ کو پانی پلانے کا عہدہ - ۱۲

۲۔ سیر الاولیاء (ص ۱۰۸)

۳۔ سیر الاولیاء (ص ۱۱۳)

غیر کے واسطہ کے بغیر | اسی زمانہ میں جبکہ آپ شہرِ پناہ کے اس سبج میں مقیم تھے جو مندرہ دروازہ کے متصل ہے، کئی روز گزر گئے اور

کھانے کو کوئی چیز میسر نہیں آئی۔ ایک طالب علم کو اس کا علم تھا کہ کئی روز حضرت کو فاقہ ہے اس طالب علم نے بعض ہمسایوں کو جو نوربان تھے اس کی اطلاع کی، وہ کھانا تیار کر کے لائے۔ کھانے کیلئے ہاتھ دھلاتے وقت کھانا لانے والوں میں سے ایک بولا خدا طالب علم کا بھلا کرے کہ اتنے مہینے خبر کر دی۔ خواجہ نے ہاتھ روک لئے اور فرمایا: کیا خبر کی؟ اس نے کہا کہ: فلاں طالب علم نے مہینے بتلایا کہ کہ آپ کئی روز سے فاقہ سے ہیں، چنانچہ ہم یہ کھانا تیار کر کے لائے۔ آپ نے فرمایا: معاف رکھو۔ کتنی ہی ان لوگوں نے کوشش کی، آپ نے کھانا قبول نہیں کیا۔

شیخ کبیر کی وفات | آخری بار آپ شیخ کبیر کی خدمت میں تین چار مہینے قبل گئے تھے۔ فرماتے ہیں کہ: ہر محرم کو شیخ کبیر نے وفات پائی اور شوال کے مہینہ میں مجھے حضرت دہلی بھیج دیا۔ بیماری کی ابتدا ہو چکی تھی۔ رمضان کا مہینہ تھا اور آپ بیماری کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ رہے تھے، ایک روز کہیں سے خربوزہ آیا تھا، خربوزہ کاٹ کر میں نے شیخ کے سامنے رکھا شیخ نے تناول فرمایا اور ایک قاش مجھے عنایت فرمائی۔ میرے دل میں آیا کہ یہ دولت اب کب ملیگی کہ اپنے دست مبارک سے مجھے عنایت فرمائیے، میں کھاؤں اور دو مہینے مسلسل روزے رکھ کر (فرض روزہ توڑ دینے) کا کفارہ آدا کر دوں گا۔ فرمایا کہ نہیں نہیں میرے لئے تو شریعت کی اجازت ہے، تمہارے لئے جائز نہیں ہے۔

فرمایا کہ انتقال کے وقت مجھے یاد فرمایا اور فرمایا کہ: نظام الدین تودہلی میں ہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ میں بھی اپنے شیخ قطب الدین بختیار کاکی کی رحلت کے وقت حاضر نہ تھا، ہاں ہی میں تھا فوائد الفوائد

میں ہے کہ یہ تذکرہ کرتے وقت آپ پر ایسا گریہ طاری ہوا کہ تمام حاضرین کے دل متاثر ہوئے۔
وفات کے بعد آپ احمد حسن حاضر ہوئے۔ مولانا بدرالدین سحیح نے شیخ کبیر کی وصیت کے مطابق
جامہ مصطفیٰ اور عصا سپرد کیا جو حضرت خواجہ کو دینے کے لئے شیخ کبیر نے مولانا کے حوالہ کیا تھا۔

غیاث پور کا قیام | فوائد الفواد میں ہے کہ ایک روز آپ نے شہر کے شور و شر کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا
کہ ابتدائی زمانہ میں بھی میر شہر میں ل نہیں لگتا تھا۔ ایک دزد قلع خاں کے
حوض پر تھا، ان دنوں میں قرآن مجید یاد کر لیا تھا، وہاں ایک درویش یا دغدا میں مشغول تھا میں اس کے
پاس گیا اور اس سے پوچھا کہ آپ اسی شہر کے رہنے والے ہیں؟ انھوں نے کہا: ہاں! میں نے کہا: اپنی مرضی سے اس
شہر میں رہتے ہیں؟ اس نے کہا: یہ بات تو نہیں ہے۔ اسکے بعد اس درویش نے واقعہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ
میں نے ایک اچھے درویش کو دیکھا، بیرون کمال دروازہ، احاطہ میں جو لب خندق ہے اس دروازے کے
قریب ایک بلند زمین ہے جس پر شہزاد کی چار دیواری بنی ہوئی ہے، وہ درویش بیٹھا ہوا ہے۔
اس درویش نے مجھ سے کہا کہ اگر ایمان کی خیر چاہتے ہو تو اس شہر سے چلے جاؤ۔ میں نے اسی وقت سے
اس شہر سے چلے جانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ لیکن موانع پیدا ہوتے رہے، آج پچیس سال ہو گئے کہ میرا ارادہ
باقی ہے لیکن جانے کی نوبت نہیں آتی۔ حضرت خواجہ نے یہ حکایت بیان کر کے فرمایا کہ میں نے
حب اس درویش کی یہ بات سنی تو اپنے دل میں یہ طے کر لیا کہ میں اس شہر میں نہ رہوں گا۔ کئی
جگہ کا خیال آتا تھا کہ میں ہاں چلا جاؤں۔ کبھی دل میں آتا تھا کہ قصبہ پٹیالی چلا جاؤں، وہاں ان دنوں
ایک ترک تھا۔ کبھی دل کرتا تھا کہ بنالہ جاؤں، وہ ایک پاک صاف جگہ ہے، چنانچہ

رشتہ لہ چلا گیا، تین روز وہاں رہا، کوئی مکان نہیں ملا، نہ کرایہ کا نہ بقیہ، ان تین دنوں روزانہ کسی ایک کامان رہتا تھا، جب وہاں سے واپس آیا تو یہ خیال لگا رہا کہ ایک روز حوض رانی کی طرف گیا ہوا تھا، وہاں ایک باغ میں جس کو "باغ غیرت" کہتے ہیں، اللہ سے مناجات کی طبیعت متوجہ تھی۔ میں نے عرض کیا کہ خداوند! میں اس شہر سے چلا جانا چاہتا ہوں، لیکن کوئی جگہ اپنی مرضی سے اختیار نہیں کر سکتا جہاں آپ کی مرضی ہو وہاں چلا جانا چاہتا ہوں، اس درمیان میں ایک غیبی آواز "غیاث پور کے نام کی آئی۔ میں نے کبھی غیاث پور دیکھا نہیں تھا، اور یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ غیاث پور کہاں ہے، میں نے جب آواز سنی تو ایک دوست کے پاس گیا۔ وہ دوست ایک نیشاپوری نقیب تھا، جب میں اس کے گھر گیا اور اس کو دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ غیاث پور گیا ہوا ہے، میں نے اپنے دل میں کہا کہ وہی غیاث پور ہے، الغرض غیاث پور آیا، اس وقت تک یہ مقام ایسا آباد نہیں تھا، ایک غیر معروف جگہ تھی آدمی بھی کم تھے۔ میں آیا، میں نے وہاں سکونت اختیار کر لی، جب کی قباد نے کیلوکھری کو اپنی فرودگاہ بنایا تو وہاں مجھ کو خلائی ہوا۔ امراء اور اعیان سلطنت اور ان کے متعلقین کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ جب میں نے یہ اثر دھام دیکھا تو اپنے دل میں کہا کہ اب یہاں سے بھی چلا جانا چاہیے، اس خیال میں تھا کہ ایک بند گرجا میرے استاد بھی تھے، شہر میں انتقال ہوا، میں نے اپنے دل میں کہا کہ جب میں ان کے فاتحہ میں جاؤں گا تو پھر کسی طرف کا قصد کروں گا، اپنے دل میں اس کو طے کر لیا۔ اسی روز نماز عصر کے وقت ایک جوان آیا حسیں لیکن نحیف، خدا جانے مردان غیب میں سے

۱۱۔ سلطان معزالدین کی قباد (۶۸۶ھ، ۶۸۷ھ) بغراخان کا لڑکا اور غیاث الدین بلبن کا پوتا تھا، ۳ سال حکومت کی ۱۲۔

۱۳۔ سرسید احمد خان آثار الصنادید میں لکھتے ہیں: معزالدین کی قباد نے ۶۸۶ھ میں ایک قلعہ بنوایا اور کیلوکھری اس کا نام

لکھا اگرچہ اس قلعہ کا اب نشان نہیں لیکن اسی جگہ ہائیڈرو گراف کے پاس موضع کیلوکھری موجود ہے اور دس پانچ جھونپڑے موجود ہیں ۱۲۔
(آثار الصنادید باب ۳، ص ۷۷)

تھا یا کون تھا، اس نے اتنے ہی مجھے خطاب کر کے یہ شعر پڑھا۔ ۷

آں روز کہ مہ شدی بمی دہشتی کہ انگشت سناے جہاں خواہی شد
 جس روز خدا نے تم کو چاند بنایا تھا، اسی روز سمجھنا چاہیے تھا کہ ساری دنیا کی انگلیاں
 تمہاری طرف اٹھیں گی)

حضرت خواجہ نے فرمایا کہ اس نے کچھ اور باتیں بھی کہیں جس کو میں نے لکھ لیا ہے، اسکے بعد اس نے یہ کہا
 کہ پہلی مرتبہ آدمی کو مشہور نہیں ہونا چاہیے، اور جب کوئی شخص مشہور ہو جائے تو پھر ایسا بننا چاہیے
 کہ کل روز قیامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

اس کے بعد اس نے کہا کہ یہ کیا ہمت و حوصلہ ہے کہ خلق خدا سے بھاگ کر گوشہ گیری اختیار
 کی جائے اور یا خدا میں مشغول ہوا جائے۔ اس کا مقصود یہ تھا کہ قوت و حوصلہ کی بات تو یہ ہے کہ
 مخلوق کے باوجود یا خدا میں مشغول ہو۔ جب اس نے اپنی بات ختم کی تو میں نے کچھ کھانا لاکر اسکے
 سامنے رکھا، اس نے ہاتھ نہیں بڑھایا، اسی وقت میں نے اپنے دل میں نیت کی کہ میں یہیں رہوں گا
 جب میں نے یہ نیت کر لی، تو اس نے تھوڑا سا کھانا کھایا اور چلا گیا۔

غیاث پور کے دوران قیام میں خلق خدا اور طالبین کا رجوع شروع ہوا اور
 رجوع عام | فتوحات کا دروازہ کھل گیا

تذکرہ سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ غیاث پور میں کتنی مدت گزرنے کے بعد آپ کی ذات بابر کا
 کو مرجعیت، اور غیاث پور کی خانقاہ کو شہرت عام حاصل ہوئی۔ اتنا پتہ چلتا ہے کہ غیاث پور کا
 قیام اختیار کرنے کے بعد بھی ایک عرصہ تک عسرت اور بے اسبابی کا دور گذرا، یہاں تک کہ ایک عرصہ

تک آپ سخت گرمیوں اور لو دھوپ کے زمانہ میں طبع مسجد کو جو خاصہ فاصلہ پر تھی جمعہ کے دن پیادہ پا
تشریف لیجاتے تھے یہاں تک کہ اس عرصہ کے بعد "سیر" کا دور آگیا اور وہ رجوع عام شروع ہوا کہ
اس کے سامنے سلاطین دہلی کے درباروں کی عظمت ماند پڑ گئی، امیر خسرو کے ان اشعار کی تصویر سامنے آگئی۔

۵ در حجب فقر بادشاہی در عالم دل جہاں نپاہی
شاہنشہ بے ہر ریہ تاج شاہنش بہ خاک پائے محتاج

صاحب سیر الاولیاء لکھتے ہیں کہ:- وارد و صادر میں سے پردہ سی ہو یا شہری جو
آتا اور سعادۂ قدیم حاصل کرتا کسی کو محروم نہ فرماتے، پوشاک، نقد، تحائف
جو بھی خرابھیجتا سمیٹ ہی ان آنے جانے والوں پر صرف ہوتا، جو بھی آتا در جس وقت بھی آتا محروم نہ جاتا۔
حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی نے فرمایا:-

"فتوحات کا یہ حال تھا کہ دولت کا دریا آگے دروازے کے بہتا
تھا، کوئی دن فتوحات سے خالی نہ ہوتا، صبح سے شام تک لوگ
آتے بلکہ عشا تک، مگر لینے والے لانے والوں سے زیادہ ہوا کرتے
اور جو کچھ کوئی لاتا اس سے زیادہ حضرت کی عنایت سے پاتا۔"

۱۷ ان مع العسر يسيرا۔ ان مع العسر يسيرا۔ — بیشک دشواری کے
ساتھ آسانی ہے، بیشک دشواری کے ساتھ آسانی ہے۔ ۱۲

۱۸ سیر الاولیاء۔

۱۹ سراج المجالس (ترجمہ خیر المجالس) ملفوظات حضرت خواجہ نصیر الدین
چراغ دہلی (ص ۲۲)

عادتِ مبارک تھی کہ جب قیلولہ سے اٹھتے تو دو باتیں سب سے پہلے پوچھتے، ایک یہ کہ زوال ہو گیا۔ دوسرے یہ کہ کوئی آیا تو نہیں، تاکہ اسکو انتظار نہ کرنا پڑے۔

بیداری پر پہلا سوال

دنیا کا جس قدر رجوع بڑھتا گیا اتنی ہی طبیعت اس سے متنفر ہوتی گئی، اکثر گریہ فرماتے، حقیقی بڑی فتوحات ہوتی اتنی ہی زیادہ گریہ کرتے اور اتنی ہی زیادہ کوشش فرماتے کہ جو کچھ آیا ہے جلد تقسیم ہو جائے، تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد آدمی کو بھی بکریاں ایت فرماتے کہ جو کچھ تقسیم کر دیا جائے، جب سب تقسیم ہو جاتا اور ضرورت مندوں کو پہنچ جاتا تو سکونِ خاطر ہوتا۔ ہر جمعہ کو حجر دہ اور انبار خانوں کو اس طرح خالی کر دیتے جیسے جھاڑو دے دی گئی ہو، اس کے بعد مسجد جاتے، اگر بادشاہوں یا شہزادوں میں سے کوئی استاد پر حاضر ہوتا اور ان کی نذر اور آمد آمد کی خبر پوچھتی تو ٹھنڈی سانس بھر کر فرماتے کہ: کہاں آئے ہیں، فقیر کا وقت غارت کرتے ہیں۔

امیر حسن ملاسنجری فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حاضر تھا ان زمین و جائداد سے پرہیز
دہنوں میں ایک امیر نے باغ اور بہت سی زمین اور اسکے ساز و سامان کی دستاویز حضرت کی خدمت میں بھیجی تھی اور اپنی عقیدت و اخلاص کا اظہار کیا تھا، حضرت نے قبول نہ فرمایا، متبسم ہو کر فرمایا کہ اگر میں اسکو قبول کر لوں تو پھر لوگ کہاں منگے کہ شیخ باغ کی سیر کو گئے ہیں اور اپنی کھیتی اور زمین دیکھنے تشریف لے گئے ہیں۔ میرے کام سے اس کو کیا مناسبت میرے بزرگوں اور مشائخ میں سے کسی نے زمین و جائداد قبول نہیں کی تھی

خود را بم الصوم تھے، لیکن دونوں وقت شاہی دسترخوان
فقر کا شاہی دسترخوان لگاتا اور انواع و اقسام کے کھانے وافر مقدار میں پُجے جاتے،

امیر و غریب، شاہ و گدا، شہری و پردیسی، صالح و گناہگار کسی کی تفریق نہ تھی، سب ایک جگہ بیٹھ کر کھانا
 کھاتے، لے جانے کی بھی اجازت تھی۔ بعض لوگ کھاتے اور باندھ کر بھی لے جاتے، یہ شاہی دسترخوان اپنی
 نوعیت میں یکتا تھا۔ اسی دسترخوان پر بیٹھ کر سیکڑوں ہزاروں غریب کو وہ کھانے نصیب ہوتے جن کے
 انھوں نے نام ہی نام نہ تھے، بڑے بڑے امراء دربار اور اعیان سلطنت کو بھی اس دسترخوان پر حاضری کی
 آمد و رفت تھی اور اس کھانے کی لذت کو وہ یاد کرتے تھے، ہدایت و ارشاد اور سلوک تربیت کے فیض عام
 کے علاوہ جس کا ہر وقت دروازہ کھلا رہتا تھا حضرت خواجہ کا یہ بھی فیض تھا جو دلی میں اپنی پوری
 روانی کے ساتھ جاری تھا اور جو ہزاروں بندگانِ خدا کی پرورش کا ذریعہ تھا، مولانا مناظر احسن گیلانی نے
 درویش کے اس خوانِ سلطانی کا ذکر کرتے ہوئے خوب لکھا ہے :-

”آج جن چیزوں پر ایوانِ نعمت کے قصوں کے ساتھ غریبوں کا دکھڑا رہا جاتا ہے
 گویا یہ بھی ایک قسم کی حدیث المائدہ (ٹیبیل ٹاک) اور ضم کرنے کا چورن ہے ان کو کیا معلوم
 کہ اسلامی تاریخ میں غریبوں اور امیروں کے درمیان صوفیہ اسلام کی یہی خانقاہیں درمیانی
 کڑی کا کام دیتی تھیں، ان بزرگوں کا دربار وہ دربار تھا جہاں سلاطین بھی خراج داخل
 کرتے تھے۔ خود سلطان المشائخ کا کیا حال تھا، گذر چکا کہ دلی عہد سلطنت خضر خاں
 تک اسی دربار کا حلقہ بگوش تھا۔ علاء الدین جو سارے ہندوستان سے خراج
 وصول کرتا تھا، لیکن ایک خزانہ وہ بھی تھا جس میں اسے بھی لگژری داخل کرنی پڑتی تھی۔“

یہی خاتقاہیں تھیں جن کے ذریعہ سے ملک کے عام غریب اقشار تک ان کا حصہ پہنچ جاتا تھا اور یہی مطلب ہے اس مشہور فقرہ کا کہ :-
 ”مالِ صوفی سبیلِ است“

غربت و امارت کا یہ سنگم یعنی صوفیہ صافیہ کا یہ طبقہ جہاں امراء و غریبوں کی ایک حیثیت سے حاضر ہوتے تھے اس سے غریب اور حاجتمند مسلمانوں کی کتنی حاجت روائیاں ہوتی تھیں واقعہ یہ ہے کہ اسلامی عہد کا کوئی زمانہ اور ان دنوں ہندوستان کا شاید ہی کوئی صوبہ کوئی علاقہ ایسا ہو گا جہاں توخذ من اغنیاء ہمہ انکے دولت مند سے لیا جائے اور ان کے ورتود علیٰ فقراء ہمہ ضرورت مندوں کو پہنچا دیا جائے۔

کے بڑی فرمان کی تعمیل میں ارباب صدق و صفا کا یہ طبقہ مشغول نہ تھا، خصوصاً جن بزرگوں کا کسی خاص وجہ سے امراء اور ارباب ثروت پر اثر قائم ہو جاتا تھا، یوں سمجھئے کہ غریب کی قسمت جاگ اٹھتی تھی۔

اسلام کے ان اکابر کا حال پڑھئے اور اس پر غور کیجئے، آپ کو نظر آئے گا کہ امراء اور غریب کے درمیان ان بزرگوں کا وجود باوجود حلقہ اتصال بنا ہوا تھا۔ اور میراجیال ہے کہ ان کی خاتقاہوں کے لنگر خانے جہاں اپنے اندر دوسری اغراض رکھتے تھے ایک بڑا کام ان سے یہ بھی نکلتا تھا کہ ملک کے غریبوں، بے وسیلوں کی سپاہ گاہ یہ خاتقاہیں بنی ہوئی تھیں، بلکہ ان ہی کے

ذریعہ سے غریبوں تک بھی فائدہ پہنچ جاتی تھیں جن کا نام بھی اس زمانہ کے غریبوں
نے شاید نہ سنا ہو۔

شیخ کی غذا | شیخ خود کھانے میں شریک ہوتے، لیکن اس شامی دسترخوان پر جس پر انواع و اقسام
کے کھانے اور الوان نعمت ہوتے، ان کی غذا عام طور پر ایک یا آدھی روٹی اور کچھ کرپا
وغیرہ کی سبزی یا تھوڑے سے چاول ہوتے۔ آپ کے ایک مرید باختصاص مولانا شمس الدین یحییٰ اپنا
مشاہدہ بیان کرتے ہیں:-

”میں ایک مرتبہ دسترخوان پر موجود تھا افطار کے وقت میری نظر سلطان اشباح پر پڑی،
میں نے دیکھا کہ کھانا شروع ہونے کے وقت آپ نے لقمہ لینے کے لئے جو ہاتھ پیالہ کی طرف
بڑھایا تھا وہ آخر تک میں رہا، منہ تک آنے کی نوبت نہ آئی کہ دسترخوان بڑھا دیا گیا۔“

ترتیب | دسترخوان پر بیٹھنے کا قاعدہ اور ترتیب یہ تھی کہ سب آگے مخدوم زادگان (مرد
سے نسبت قرابت رکھنے والے) ہوتے، پھر علماء، پھر رؤسا و اشراف

سلاطین عہد سے بے تعلقی | سلسلہ چشتیہ کی بنیاد سلطنت ہندوستان کی دینی رہنمائی
بلکہ سلطنت اسلامی کی تاسیس، اسلامی معاشرہ کی اصلاح
اور اس میں روحانیت و امانت کی روح بھونکنے کے ساتھ ساتھ ابتدائی سے سلاطین و وقت سے
بے تعلقی کے اصول پر پڑی تھی، اور یہ اس سلسلہ کا ایک شعار اور مشائخ چشتیہ کا مقدس ترمہ اور
امانت بن گئی تھی۔ مشائخ چشت نے اس شیشہ آہن کو جمع کرنے میں اپنا پورا کمال دکھایا تھا۔
ایک طرف وہ دربار کے غلط رجحانات کی اصلاح اور وقت کے فتنوں کے امتیصال سے غافل اور عظیم

اسلام سے خالی اور اس ملک میں مسلمانوں کے مستقبل سے بے فکر نہ تھے، دوسری طرف وہ ایک اصول اور عقیدے کے طور پر یہ طے کر چکے تھے کہ ان کو دربار سے براہ راست کوئی تعلق رکھنا نہیں ہے۔
حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے لیکر خواجہ نظام الدین تک یہ گویا ایک طے شدہ حقیقت تھی کہ

ان کو دربار میں جانا ہے اور نہ سلاطین وقت سے ملاقات کرنی ہے، اس اصول پر یہ سب حضرات سختی سے کڑید رہے، اس کا نتیجہ تھا کہ سیاست خاندان میں ان کا راسخ بھی نہیں اُٹھا، اور انقلابات سلطنت کا ان پر گزند اور ان کی سرگرمیوں پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ ان کا اخلاص ان کی بے لوثی اور بے غرضی تمام سیاسی اختلافات کا وجود مسلم رہی اور اس کی نتیجہ تھا کہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں سب سے طویل عرصہ تک اس سلسلہ کو اپنا کام جاری رکھنے اور ہندوستان پر اثر انداز ہونے کا موقع ملا اور شاید اسی کا نتیجہ تھا کہ اس سلسلہ کو قبول عام اور بقا دوام حاصل ہوا۔

حضرت شیخ نظام الدینؒ جب شیخ کبیر کے پاس ہندوستان کی تسخیر روحانی اور تبلیغ و ارشاد پر آمادہ ہو کر آئے تھے دہلی کے تخت پر کیے بعد مگر پانچ بادشاہ بیٹھے اور انھوں نے بڑے جاہ و جلال کیساتھ سلطنت کی، لیکن سوائے ایک موقع کے جبکہ دینی ضرورت درپیش تھی (سماع کی حلت و حرمت کی مجلس مناظرہ) وہ کبھی نہ دربار میں گئے اور نہ بادشاہ وقت کو اپنے یہاں آنے کی اجازت دی۔ غیاث الدین بلبن کے عہد سلطنت

میں ان کا آفتاب شہرت و قبولیت نصف النہار پر نہیں پہنچا تھا، اس لئے غیاث الدین کو ان کی طرف توجہ نہیں ہوئی، معز الدین کی قباد لہو و لعب اور میر و شکار میں مشغول رہا۔

جلال الدین خلجی پہلا بادشاہ تھا جو صاحب علم و حلم، جو ہر شناس اور ارباب کمال کا قد و دان تھا اور حضرت خواجہ کی شہرت بھی اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی۔ جلال الدین نے کئی بار حاضری کی اجازت چاہی، لیکن کبھی منظور نہیں ہوئی۔ آخر سلطان نے امیر خسروؒ کے ساتھ (جو سلطان کے مصحف بردار تھے)

یہ منصوبہ بنایا کہ ایک مرتبہ بلا اطلاع حضرت کی خدمت میں حاضر ہو جائے۔ امیر خسروؒ نے مناسب جانا کہ اپنے مرشد کو اس کی اطلاع دے دی جائے، اس لئے کہ اگر میں نے اس کی اطلاع دے دی تو شاید

میرے حق میں یہ سمجھا نہ ہو، اگرچہ بادشاہ نے اس بارے میں امیر خسرو کو اپنا رازدار بنایا تھا لیکن اپنے مرشد سے
 سے رازداری امیر خسرو کو مناسب نہ معلوم ہوئی۔ امیر نے حضرت خواجہ سے جا کر عرض کیا کہ کل بادشاہ آپ کی
 خدمت میں حاضر ہوگا۔ حضرت خواجہ نے یہ سنتے ہی اپنے مرشد کی قبر کی زیارت کی نیت کی جو دھن کا صبح فرمایا
 اور روانہ ہو گئے۔ بادشاہ کو جب اسکی اطلاع ملی تو امیر خسرو پر ناراض ہوا کہ تم نے میرا راز فاش کر دیا اور حضرت
 خواجہ کی قدیم بوسی کی سعادت محروم کر دیا۔ امیر خسرو نے کہا کہ بادشاہ کی بخشش سے جان جانے کا خوف تھا، لیکن
 مرشد کی بخشش سے سلب ایمان کا خوف تھا۔ بادشاہ حلیم و فرزانه تھا اس نے اس جج اب کو پسند کیا اور خاموش ہو گیا۔
 سلطان علاء الدین خلجی جو ہندوستان قدیم کا سب سے
 باجور اور اقبال منشا بادشاہ اور سکندر ثانی ہونے

سلطان علاء الدین کا امتحان اور عقیدت

چچا جلال الدین کے بعد تخت سلطنت پر بیٹھا۔ ابتدا میں اسکو حضرت خواجہ سے نہ کوئی خاص عقیدت تھی
 نہ منفرتا، بعض لوگوں نے سلطان کو حضرت خواجہ کی طرف سے بدگمان کرنے کی کوشش کی اور ان کی مقبولیت
 اور رجوع عام سے سلطنت کیلئے خطرات ثابت کئے۔ سلطان علاء الدین نے امتحاناً ایک عریضہ آپ کی خدمت
 میں اپنے بیٹے اور ولیعہد خضر خاں کے ہاتھ بھیجا جس میں آپ سے انتظام سلطنت کے بارے میں شعور اور نصائح کی
 درخواست کی گئی تھی، حبیب خضر خاں یہ خط لیکر خواجہ کی خدمت میں آیا آپ نے وہ کاغذ ہاتھ میں لے لیا اور اس کا
 مضمون بھی نہیں پڑھا۔ حاضرین مجلس فرمایا کہ ہم دعا کرتے ہیں، اسکے بعد ارشاد ہوا کہ درویشوں کا بادشاہوں
 سے کیا کام، میں ایک فقیہ آدمی ہوں، شہر کا ایک گوشہ اختیار کر رکھا ہے، بادشا اور مسلمانوں کیلئے دعا گوئی میں
 مشغول ہوں، اگر اس وجہ بادشاہ کو مجھ سے تعرض کرنا ہے میں یہاں سے بھی چلا جاتا ہوں، اللہ کی زمین وسیع ہے
 سلطان علاء الدین اس جج اب سے بہت خوش ہوا، اور کہا کہ میں جانتا تھا کہ حضرت خواجہ کو امور سلطنت و سیاست

کوئی سود کار نہیں، لیکن بدخواہ چاہتے ہیں کہ مجھے مردانِ خدا سے لڑادیں اور اس طرح ملک تباہ ہو جائے۔

سلطان نے حضرت خواجہ سے بڑی معذرت کی اور کہلوا یا **بادشاہ کے آنے سے معذرت** کہ میں آں مخدوم کا معتقد ہوں، مجھ سے گستاخی ہوئی۔ صاف

کیا جائے اور حاضری کی اجازت دیکھائے کہ قدمبوسی کی سعادت حاصل کروں، حضرت خواجہ نے ارشاد فرمایا کہ: ”آنے کی حاجت نہیں، میں غائبانہ دعا کرتا ہوں اور غائبانہ دعا بڑی موثر ہوتی ہے۔“

سلطان نے اس کے بعد بھی ملاقات کیلئے بڑا اصرار کیا حضرت نے **گھر کے دو دروازے** فرمایا کہ اس فقیر کے گھر میں دو دروازے ہیں، بادشاہ ایک دروازے سے آئے گا، میں دوسرے دروازے سے باہر چلا جاؤں گا۔

اگرچہ علاء الدین حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا، لیکن اس کو **غیم اسلام** آپے برابر عقیدت رہی، اور وہ مہماتِ سلطنت اور فکر و تردد کے موقع پر

حضرت خواجہ سے رجوع کرتا رہا۔ ایسے موقع پر آپ دعا کی درخواست کرتا اور آپ تمام کے ساتھ دعا فرماتے۔

قاضی ضیاء الدین برنی لکھتے ہیں کہ: جب ملک ناسب (کافر) درنگل کے محاصرے میں

مشغول تھا، تلنگانہ کا راستہ پر خطر سرگیا تھا، راستہ کے تھکے اور چوکیاں بھی اٹھ گئیں تھیں، چالیس روز

سے زیادہ ہو گئے تھے کہ لشکر کی سلامتی اور خیریت کی اطلاع سلطان تک نہیں پہنچی تھی، سلطان کو بڑا تردد

تھا، اکثر اعیانِ امراء دربار کا خیال ہونے لگا تھا کہ لشکر کسی حادثہ یا فتنہ کے نذر ہو گیا کہ سلسلہٴ رسل و رسال

منقطع ہو گیا ہے۔ اسی فکر و تردد کے ایام میں ایک روز سلطان نے ملک قراہیک اور قاضی مغیث الدین میانہ

کو حضرت خواجہ کی خدمت میں بھیجا اور کہلایا کہ لشکر اسلام کی خیریت یہ معلوم ہونے سے مجھے سخت تردد ہے

سلطان علاء الدین کے دبیر کا دربار بٹیا
قطب الدین مبارک شاہ ولی عہد سلطنت

سلطان قطب الدین کی مخالفت اور اس کا قتل

خضر خاں کو محروم و کچھول کر کے غاصبانہ تخت سلطنت پر بیٹھا۔

”خضر خاں چونکہ حضرت والا کا مرید تھا اور وہی علاء الدین کا ولی عہد تھا جس سے قطب الدین نے حکومت غصب کی تھی، اس لئے قطب الدین حضرت سے بھی ناراض رہتا تھا، اس نے اپنی ایک نئی جامع مسجد ”جامع میری“ کے نام سے بنوائی تھی اور تمام مشائخ و علماء کو حکم تھا کہ اسی میں آکر نماز جمیعہ ادا کریں۔ سلطان المشائخ نے کہلا بھیجا کہ: ”مسجد نزدیک داریم و این حق است ہمیں جانا خواہم گزارا رہا ہے قریب ایک مسجد ہے اس کا حق زیادہ ہے ہم وہیں نماز پڑھیں گے اور وہ جامع میری نہیں گئے۔ بادشاہ سخت برا فروختہ ہوا۔ اسی کے ساتھ ہر نوچندی کو اعیان اور شاہیر شہر میں دوبارہ شامی میں پیش ہو کر نذر گزارتے تھے سلطان المشائخ اس قریب میں بھی شریک نہیں ہوتے تھے، ادا نے رسم کیلئے اپنے خادم اقبال کو بھیج دیتے تھے اس سے بھی وہ برہم تھا، اس نے اپنے تمام امرا و وزرا کو حکم دیا کہ: —

”کے زیارت شیخ عیاش پور نہ رود“

(کوئی شیخ کی زیارت کے لئے عیاش پور نہ جائے)

امیر خسروؒ نے لکھا ہے کہ: ”یار ہامی گفت کہ ہر کہ سر شیخ بردہزار تنکا اوراد ہم“ (جو شیخ کا سر لائے گا اس کو ہزار تنکہ دوں گا) ایک روز شیخ ضیاء الدین دمی کی درگاہ میں سلطان جی اور قطب الدین کا آنا سامنا بھی ہو گیا، سلطان جی نے بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے سلام کیا، قطب الدین نے جواب نہ دیا۔ یوں

مسلسل واقعات قطب الدین کی حکومت کے چار سالہ مدت میں پیش آتے رہے۔
نوحیدی کی حاضری پر صرار کا قصہ سب سے آخر میں پیش آیا۔ قطب الدین نے بھرے
دربار میں اعلان کیا کہ: ”اگر درغہ ماہ آئندہ نیامد بیاریم چنانکہ دانیم“ گویا کہ یہ
اسکی دھمکی تھی کہ بزور حکومت دربار میں گھسٹو اگر بلواؤں گا۔ شاید قتل ہی کا
ارادہ ہو۔ سلطان جی کو بادشاہ کے اس عزم مصمم کی خبر پہنچی۔ سلطان المشرع
بیچ بگفت۔ اب مہینہ ایک ایک کر کے ختم ہوتا جا رہا تھا۔ ”ہر چند ماہ نزدیک
التفات مخلصان را روئے بشتیری دارد“ (مہینہ جتنا نزدیک آتا تھا اہل تعلق کا فکر و
تردد بڑھتا جا رہا تھا) چاند مغرب کے بعد دیکھا گیا، کل پہلی تاریخ ہے، شہر کے
اعیان و اُمراء دربار میں جائیں گے، لیکن سلطان المشرع یہی طے کئے ہوئے ہیں کہ میں
نہیں جاؤں گا۔ قطب الدین یہ فیصلہ کئے ہوئے ہے کہ: ”اگر نیامد بیاریم چنانکہ
دانیم“۔ ”صرف شب درمیان است“۔ ”رہی میں کھلبلی مچی ہوئی ہے، دُنیا اور
دین کے دو بادشاہوں کا کل معرکہ ہے۔ رات گزرنے بھی نہ پائی کہ: ہم دریں
شب ماہ بلائے از آسمان بر جان بادشاہ نازل شد“ (اسی شب ماہ میں بادشاہ
کی جان پر آفت آسمانی نازل ہوئی) یعنی ”خسرو خاں موئے سر سلطان را گرفت باہم
در آویختند پہلوئے سلطان را بہ خنجر شکافتہ بر زمین انداخت و سر آن مشوم را از تن
عید کردہ از باہم ہزار ستون بزرگ کند“ (طباطبائی) خسرو خاں نے بادشاہ کے
سر کے بال پکڑے، دونوں باہم دست و گریبان ہوئے۔ خسرو خاں نے سلطان
کے پہلو کو خنجر سے چیر کر زمین پر ڈال دیا اور اس شامت زدہ کا سترق سے جدا

کر کے باہم ہزار ستون سے نیچے زمین پر پھینک دیا۔

غیبی لنگر | اسی زمانہ میں حبیب سلطان قطب الدین کی طرف سے اس بات کی خاص روک تھام تھی کہ امرار و دربار اور اعیان سلطنت کی طرف سے حضرت خواجہ کی خدمت میں کوئی نذر پیشکش نہ ہونے پائے، تاکہ وہ یکجا جلنے کے ریشا پانہ لنگر خانہ کس طرح چلتا ہے، اپنے خاص طور پر پاکیزہ رکھی تھی کہ اس زمانہ میں کھانا زیادہ پکایا جائے اور دس ترخان وسیع سے وسیع تر کئے جائے۔ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی نے فرمایا:۔

”ایک بار سلطان قطب الدین کو کسی یہ خواہ نے کہا کہ شیخ ہماری فتوحات قبول نہیں کرتے اور امرار و درباروں کی لائی ہوئی فتوحات قبول کرتے ہیں، آخر وہ سب بھی تو آپ ہی کے یہاں سے لے جاتے ہیں۔ سلطان قطب الدین نے یہ بات سچ جان کر حکم کیا کہ: کوئی امیر یا

اسے نظام تعلیم و تربیت سیر الاولیاء میں یہ واقعہ منقول ہے۔ مگر تاریخ و ماہ و سنہ درج نہیں ۱۵۱۰ء تاریخ فرشتہ جلد اول میں بھی تذکرہ سلطان قطب الدین، سلطان کے قتل کی تاریخ شبِ نجم ربیع الاول ۷۸۰ھ ذکر ہے جس کے ساتھ نوچندی کے سلام کی روایت اور چاند رات میں بادشاہ کے قتل کا واقعہ میل نہیں کھاؤ ۱۵۱۰ء۔ پھر اسی کتاب کی جلد دوم میں جہان حضرت سلطان الشائع کا تذکرہ ہے وہاں سلطان کے قتل کی تاریخ ۲۹ شوال لکھی ہے اور سنہ کا تذکرہ نہیں (۷۸۰ء و ۷۸۱ء جلد ۱) لیکن اس سلسلہ میں سب سے قدیم تراور قابل اعتماد ماخذ امیر خسرو کی مثنوی تغلق نامہ ہے، جو سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد کی تصنیف و امیر کی مستند اور مشہور مثنوی ہے۔ اس میں انھوں نے نہایت صراحت سے لکھا ہے کہ: قطب الدین کا قتل جمادی الثانی ۷۸۰ھ کی عین چاند رات کو واقع ہوا۔ وہ فرماتے ہیں:۔

چوں تاریخ عرب شد مقتصد مبیت	ثبات قطب شد کم جانب زبیت
جماد و دشمن را شد پدیدار	بلال تیرہ و تاریک دیدار
مہ بار یک بود از حالت تلخ	بناخن کردہ خود را پیش انداز سلخ
شد آں مہ بر ہمہ گہاں میلک	مگر بر طالع سلطان مبارک

(تغلق نامہ ص ۱۹ طبع حیدرآباد)

ان اشعار سے تاریخ کا بھی صحیح تعین ہو گیا اور واقعہ کی نوعیت و اہمیت کی بھی تصدیق ہو گئی۔ ۱۲

سرور شیخؒ کے یہاں نہ جاوے، دیکھو وہ اس قدر دعوت لوگوں کی کہاں سے کرتے ہیں اور
 جاسوس مقرر کئے کہ دیکھتے رہیں جو امیر وہاں جاوے مجھے اگر اطلاع کریں جناب شیخؒ نے سنا فرمایا۔
 کھانا آج سے زیادہ بکایا جاوے، ایک ت بعد سلطان نے لوگوں سے دریافت کیا کہ خانقاہ
 شیخ کا کیا حال ہے؟ انھوں نے عرض کی کہ سابق حسب قدر رکھتا تھا اب اس سے دو گنا کماتا ہے
 بادشاہ یہ سکر شہان ہوا کہا میں غلطی پر تھا، آپ کا معاملہ عالم غیب سے ہے۔“

غیاث الدین تغلق کا عہد اور سرکاری مجلس مناظرہ

تطب الدین مبارک شاہ کے
 بعد چند جہتیں خسرو خان نے غاصبانہ

سلطنت کی اور شعائر اسلام کو مرنگوں کر کے اسلام کی تذلیل کی۔^(۱) غیاث الدین تغلق (ملک غازی) نے
 خسرو خان کو قتل کر کے تغلق خاندان کی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ سلطان غیاث الدین اگرچہ صاحب علم نہ تھا لیکن
 شریعت اور علماء کا احترام کیا کرتا تھا۔ حضرت خواجہ سماع سنتے تھے انکی وجہ سے دہلی میں اس کا عام ذوق اور
 رواج ہو گیا تھا۔ ایک شخص شیخ زادہ حسام الدین فرجام نامی جو ایک عرصہ تک حضرت خواجہ کے سایہ کفایت
 میں رہا تھا اور باوجود مجاہدوں کے ذوق و شوق اور عشق کی دولت فیضیاب نہیں ہو سکا تھا نیز قاضی
 حلال الدین الولوالجی نائب حاکم مملکت کو بھی اہل درود و محبت ایک طرح کی کدھتی۔ قاضی صاحب اور
 دوسرے علماء نے شیخ زادہ حسام کو آمادہ کیا اور اس نے بادشاہ کو متوجہ کیا کہ خواجہ نظام الدین مقتداؒ
 نمانہ ہیں اور وہ سماع سنتے ہیں جو امام اعظمؒ کے مذہب میں حرام ہے اور ان کی وجہ سے ہزار ہا مخلوق اس
 فعل ممنوع کا ارتکاب کرتی ہے، سلطان اس مسئلہ سے بے خبر تھا، اسکو تعجب ہوا کہ ایسے بزرگ جو مقتداؒ عالم ہیں

۱۔ غیر المجاليس ماخوذ از ترجمہ ص ۲۰۳ ۲۔ سماع کی حقیقت، اغراض و مقاصد اور اسکے آداب احکام

کی بحث چوتھے باب ”اذواق و کیفیات میں ملاحظہ ہو۔ ۱۲

ایسا نامشروع کام کیسے کرتے ہیں۔ لوگوں نے سماع کی حلت کے فتوے اور کتب شرعیہ کی روایات بادشاہ کے سامنے پیش کیں، بادشاہ نے کہا کہ چونکہ علمائے دین سماع کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے اور وہ اسکو منع کرتے ہیں اسلئے حضرت خواجہ اور تمام علماء شہر اور صدر و اکابر کو طلب کیا جائے اور ایک مجلس منعقد کی جائے تاکہ یہ تحقیق ہو جائے کہ حق کیا ہے۔ میر خوردر کی زبان سے اسکی تفصیل سنئے:-

”نصر شاہی میں حضرت خواجہ کی طلبی ہوئی۔ حضرت خواجہ قاضی محی الدین کاشانی اور مولانا فخر الدین زرادہ کی معیت میں کہ دونوں سرآمد علماء اور اساتذہ وقت تھے محل میں تشریف لے گئے۔ پہلے قاضی جلال الدین ناسب حاکم نے حضرت خواجہ کو وعظ و نصیحت شروع کی اور نامناسب طریقے پر آپ سے خطاب کیا، یہاں تک کہا کہ اگر اسکے بعد آپ سماع کی حلت کا دعویٰ کیا اور سماع سنا تو میں حاکم شرع ہوں، میں آپ کو سزا دوں گا۔ یہ سنکر حضرت خواجہ کو جلال آگیا اور فرمایا کہ:- حسین منصب کے بھروسہ پر تم یہ بات کہہ رہے ہو اس سے معزول ہو جاؤ گے چنانچہ ٹھیک بارہ روز بعد قاضی اپنے منصب سے معزول ہو کر دہلی سے روانہ ہو گئے۔ خلاصہ یہ کہ اس مجلس مباحثہ میں تمام علماء و اکابر و صدور و امراء اور ارکان سلطنت حاضر تھے بادشاہ اور سب حاضرین مجلس کی توجہ حضرت خواجہ کی طرف تھی اور سب آپ کی تعظیم کرتے تھے۔ شیخ زادہ حسام نے کہا کہ آپ کی مجلس میں سماع ہوتا ہے، لوگ رقص کرتے ہیں، آہ و نعرہ لگاتے ہیں، اسی طرح اور بہت سی باتیں کہیں، حضرت خواجہ نے شیخ زادہ کی طرف دیکھا اور فرمایا، شور و مست کرو، زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں پہلے یہ بتلاؤ سماع کی تعریف کیا ہے؟ شیخ زادہ حسام نے کہا کہ میں نہیں جانتا، البتہ جانتا ہوں کہ علماء سماع کو حرام کہتے ہیں۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ جب

تم کو سماع کے معنی ہی نہیں معلوم تو مجھے تم سے کچھ کہنا نہیں ہے اور نہ کہنا چاہیے
 شیخ زادہ حمام شرمندہ ہوا، بادشاہ پوری توجہ سے آپ کی تقریر سن رہا تھا، جب
 کوئی زور سے بات کرتا تو کہتا کہ شور مت کرو، سنو کہ شیخ کیا فرماتے ہیں۔
 حاضر الوقت علماء میں مولانا حمید الدین اور مولانا شہاب الدین ملتانی خاموش تھے
 مولانا حمید الدین نے اتنا فرمایا کہ یہ مدعی حضرت خواجہ کی مجلس کا جو حال بیان
 کرتے ہیں یہ واقعہ کے خلاف ہے۔ میں نے خود دیکھا ہے اور بہت سے مشائخ اور
 درویشوں کو بھی میں نے دیکھا ہے۔ اسی دوران میں شیخ الاسلام شیخ
 بہار الدین ذکرِ ملتانی کے نواسے مولانا علم الدین آگئے۔ بادشاہ نے ان سے کہا
 کہ آپ بھی عالم ہیں اور سیاح بھی، اس وقت سماع کی بحث درپیش ہے، میں
 آپ سے پوچھتا ہوں کہ سماع سننا حرام ہے یا حلال؟ مولانا علم الدین نے کہا کہ
 میں نے اس باب میں ایک رسالہ تصنیف کیا ہے، اس میں اس کی حرمت و حلت
 کے دلائل نقل کئے ہیں۔ تحقیق یہ ہے کہ جہدِ دل سے سنتے ہیں ان کے لئے حلال ہے
 اور جو نفس سے سنتے ہیں ان کے لئے حرام۔ اس کے بعد بادشاہ نے مولانا علم الدین
 سے پوچھا کہ آپ بغداد و شام و روم ہر جگہ پھر چکے ہیں، وہاں کے مشائخ سماع سنتے
 ہیں یا نہیں؟ اور وہاں کوئی منع کرتا ہے؟ مولانا علم الدین نے فرمایا کہ:- ان سب
 شہروں میں بزرگ و مشائخ سماع سنتے ہیں اور بعض دف و شبانہ کے ساتھ بھی
 کوئی مانع نہیں ہوتا اور سماع مشائخ کے درمیان حضرت جنید و شبلی کے وقت
 سے مروج چلا آ رہا ہے، بادشاہ مولانا علم الدین کی زبان سے یہ سن کر خاموش
 ہو گیا اور اس نے کچھ نہیں کہا۔ مولانا جلال الدین نے عرض کیا کہ بادشاہ

سماع کی حرمت کا فرمان صادر کریں اور امام اعظمؒ کے مذہب کی پاسداری فرمائیں۔ اس پر حضرت خواجہؒ نے بادشاہ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس بارے میں کوئی فرمان جاری نہ کریں، بادشاہ نے آپ کا یہ مشورہ قبول کیا اور اس بارے میں کوئی فیصلہ صادر نہیں کیا۔ مولانا فخر الدین (جو مجلس میں حاضر تھے) کا بیان ہے کہ ابتدائے چاشت سے زوال تک یہ بحث جاری رہی، اہل مجلس تحریم کی کوئی دلیل نہیں دے سکے اور آخر میں اس پر بحث آ کر ختم ہو گئی کہ اس کا ترک اولیٰ ہے یا اس کا فعل۔ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ نے فیصلہ کیا کہ حضرت خواجہؒ سماع سن سکتے ہیں اور کسی کو ان کے منع کرنے کی اجازت نہیں، لیکن یہ روایت مرجوح ہے۔ انھیں دنوں میں کسی نے حضرت خواجہؒ سے کہا کہ اب تو سماع کے لئے فرمان سلطانی ہو گیا ہے کہ آپ جس وقت چاہیں سماع سنیں وہ حلال ہے۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ اگر وہ حرام ہے تو کسی کے کہنے سے حلال نہیں ہو سکتا اور اگر حلال ہے تو کسی کے کہنے سے حرام نہیں ہو سکتا۔ مجلس کے اختتام پر بادشاہ نے خواجہ کو بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ رخصت کیا۔

مجلس مناظرہ کا حال حضرت خواجہ کی زبان سے | قاضی ضیاء الدین بنی اپنی کتاب "حسرت نامہ" میں لکھتے

میں کہ: جب حضرت خواجہ اس مجلس سے فارغ ہو کر مکان پر تشریف لائے تو اپنے مازظہر کی وقت لانا محی الدین کاشانی

اور امیر خسرو کو طلب فرمایا، ارشاد ہوا کہ دہلی کے علماء عداوت و حسد سے بھرے ہوئے تھے، انھوں نے وسیع میدان پایا، اور دشمنی کی بہت سی باتیں کیں، عجائب بات یہ دیکھی کہ صحیح احادیث نبویہ کا سننا ان کو گوارا نہیں، ان کے جواب میں یہی کہتے تھے کہ ہمارے شہر میں فقہ پر عمل حدیث پر مقدم ہے یہ باتیں وہی کہہ سکتے ہیں جن کا احادیث نبویہ پر اعتقاد نہ ہو، میں جب کئی حدیث صحیح پڑھتا تو وہ ناراض ہوتے اور کہتے تھے کہ اس حدیث سے امام شافعی استدلال کرتے ہیں وہ ہمارے علماء کے دشمن ہیں، ہم نہیں سنیں گے، معلوم نہیں کہ یہ با اعتقاد ہیں یا نہیں، اولوالامر کے سامنے ایسی زبردستی سے کام لیتے تھے، اور احادیث صحیح کو روکتے تھے، میں نے کوئی عالم ایسا دیکھا نہ سنا کہ اسکے سامنے احادیث صحیح پڑھی جائیں اور وہ کہے کہ میں نہیں سنتا، میں نہیں سمجھتا کہ یہ کیا قصہ ہے اور وہ شہر جہاں ایسی جرات اور زبردستی کی جاتی ہے وہ کیسے آباد رہ سکتا ہے تعجب نہیں کہ اگر اس کی اینٹ سے اینٹ بچ جائے اس کے بعد بادشاہ اور امراء اور عوام جب قاضی شہر اور علماء شہر سے یہ سنیں گے کہ اس شہر میں حدیث پر عمل نہیں ہوتا تو ان کا حدیث نبویہ پر اعتقاد کیسے رہے گا۔ مجھے ڈر ہے کہ علماء شہر کی اس بدعتیگی کی خواست سے آسمان سے بلا و جلاء و قحط و وباء برے

اس واقعہ کے ٹھیک چھٹے سال حضرت خواجہ کی وفات کے بعد سلطان غیاث الدین دہلی کی تباہی | تغلق کے فرزند اور جانشین محمد تغلق نے دہلی کو بالکل خالی کر دینے اور دیوگیر در دولت آباد منتقل ہو جانے کا فرمان جاری کیا اور اس میں ایسی ضد اور عجلت سے کام لیا کہ حقیقتاً شہر کی اینٹ بچ گئی اور دہلی سا گلزار و آباد شہر جس میں پہلے رہنے کو جگہ نہیں ملتی تھی اب خالی ہوا کہ سوائے جنگلی جانوروں اور درندوں کے وہاں کسی متنفس کی شکل نظر نہیں آتی تھی۔

محمد قاسم تاج فرشتہ میں لکھا ہے :-

احد سے از مردم دلی را کہ آب ببولے کار پردازن حکومت نے کسی ایک شخص کو
 آن جا خو گرفتہ بودند، بحال خود بھی جو دلی کی آب و ہوا کا خوگر تھا اپنی
 نگہداشتہ طرّاً بدولت آباد فرستاد جگہ نہیں چھوڑا، سب کو کائیہ دولت آباد
 ددلی بنوے ویراں گشت کہ آواز ردیو گری بھیج دیا اور دلی اس طرح ویراں
 بیچ تنفس بحیر شغال و روباہ جانور ہوئی کہ کسی ایک بندار کی آواز بھی سونا گئی
 صحرائی بگوش نمی رسید لومڑی اور جنگلی جانور کس کان میں نہیں آتی تھی

وہ تمام علماء جو اس مجلس میں موجود تھے اور دوسرے بھی ان کی بدولت دولت آباد جلاوطن ہوئے، دولت آباد
 پہنچے تو وہاں سخت قحط اور وبا کا سامنا کرنا پڑا، ہزاروں راستہ میں لقمہ اجل بن گئے اور ہزاروں ہاں پہنچ کر
 قحط اور بیماریوں کا شکار ہوئے اور حضرت خواجہ کی پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔

امیر خسرو نے حضرت خواجہ کا نظام الاوقات اس طرح لکھا ہے :-

نظام الاوقات "روزہ افطار کرنے کے بعد جو اہل جماعت کے ساتھ ہوتا تھا، اپنے

بالا خانہ کے قیام گاہ پر تشریف لے جاتے تھے۔ احباب و خدام جو شہر اور اطراف سے آئے ہوتے تھے مغرب
 عشاء کے درمیان اوپر ہی بلا لئے جاتے تھے۔ ایک گھڑی وہاں ہم نشینی اور ملاقات کا شرف حاصل
 ہوتا، ہر قسم کے ترو خشک میوے اور کھانے پینے کی لطیف و لذیذ چیزیں حاضر کی جاتی تھیں حاضرین
 مجلس تناول کرتے، آپ ہر ایک کی دلدادہی فرماتے اور خیریت و حالات دریافت فرماتے تھے۔

امیر خسرو کی خصوصیت عشاء کی نماز پڑھنے کے لئے پھر نیچے تشریف لاتے، جماعت کے
 ساتھ نماز پڑھ کر پھر بالا خانہ پر تشریف لیجاتے، کچھ دیر مشغول

رہتے پھر آرام کرنے کے لئے چارپائی پر تشریف لیجاتے، اس وقت خدام تسبیح لاکر آپ کے ہاتھ میں دیتے، اس وقت سوائے امیر خسرو کے کسی کو آنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، وہ سامنے بیٹھ کر ہر طرح کے قصے اور باتیں کرتے، آپ پسندیدگی میں سر مبارک کو حرکت دیتے، وقتاً فوقتاً ارشاد ہوتا کہ ترک کیا خیر ہے، امیر خسرو اتنی بات سنکر طویل گفتگو کا موقع نکال لیتے، اگر آپ ایک نکتہ پوچھتے تو وہ ساری داستان سناتے، اس موقع پر بعض کم سن اعزہ اور بعض پردہ جو صاحب خانہ تھے حاضر ہوتے اور قدم بوسی کرتے۔

نخفت خسرو مسکین ازیں ہوس شبہا
کہ دیدہ بر کف پامیت نہد بخواب شود

جب امیر خسرو اور صاحبزادگان اجازت لیکر رخصت ہوتے تو اقبال

شب کی تیاری

خدام آتے اور پانی کے بھرے ہوئے چند آفتابے آپ کے وضو کیلئے رکھ کر باہر چلے جاتے، اس کے بعد حضرت خواجہ خود اٹھتے اور دروازہ کو زنجیر لگاتے، پھر وہاں کی خبر اللہ کے سوا کسی کو نہیں، خدا ہی جانتا ہے کہ تمام رات کیا راز و نیاز ہوتے اور اپنے مالک سے کیا ذوق و شوق کی لہ امیر خسرو کو حضرت خواجہ سے جو دالہانہ و عاشقانہ تعلق تھا وہ ان کے سوانح اور دیوان سے معلوم ہوتا ہے، بلبل کو گل سے اور پروانہ کو شمع سے جو تعلق ہوتا ہے اسی طرح کا تعلق امیر خسرو کو اپنے مرشد سے تھا حضرت خواجہ کو بھی اس عاشق صادق سے ایسا تعلق تھا کہ فرماتے تھے کہ: ”میں از ہمہ تنگ آیم و از تو تنگ نیام“ مجھے بعض اوقات ہر ایک سے وحشت ہونے لگتی ہے لیکن اس حالت میں بھی تم سے نہیں ہوتی مزید برآں ایک بار فرمایا: ”از ہمہ کس تنگ آیم تا حدی کہ از خود تنگ آیم و از تو تنگ نیام“ بعض اوقات اپنے سے بھی اکتانے لگتا ہوں مگر تم سے نہیں اکتاتا (سیر الاولیاء ص ۳۲)

ایک بار ارشاد فرمایا کہ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ آپ امیر خسرو کو جس نظر سے دیکھتے ہیں ایک بار وہ نظر مجھ پر ڈال دیجئے، میں نے اس کو تو کوئی جواب نہیں دیا لیکن میرے دل میں آیا کہ اس سے کہوں کہ وہ قابلیت تو لاؤ (ص ۳۲) ۱۲

۱۳ بجز فی تو اں گفتن تمنائے جہانے را
من از شوق حضوری طول دادم داستانے را

باتیں ہوتیں حضرت خواجہ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے یہ دو شعر دیکھے ہیں جو بالکل حسب حال ہیں۔

تنہا منم و شب و چراغی مونس مشدہ تا پگاہ روزم

کا ہنس ز آہ سرد بکشم گاہ از تلف سینہ بر فردرم

کبھی کبھی یہ شعر بھی آپ کی زبان مبارک سے سنا گیا ہے اور حکایت حال ہے۔

بارے بہ تماشائے من و شمع بیا

کز من دے نماںد و از دے دود

سحر کا وقت ہوتا تو خادم آتا اور باہر سے دروازہ پر دستک دیتا، حضرت خواجہ دروازہ کھول دیتے

سحری | سحری جس میں ہر قسم کی چیزیں ہوتیں سامنے رکھتا، آپ اس میں سے بہت کم تناول فرماتے، باقی کیلئے ارشاد ہوتا کہ بچوں کے لئے حفاظت سے رکھ لو، خواجہ عبدالرحیم جن کے ذمہ سحر کالے جانا تھا بیان کرتے ہیں کہ اکثر ہوتا کہ حضرت خواجہ سحری میں سے کچھ نہ کھاتے، میں عرض کرتا کہ حضرت الافطار کے وقت بھی بہت کم کھاتے ہیں اگر سحری بھی کچھ نہ کریں گے تو ضعف بہت بڑھ جائیگا، اس پر گریہ فرماتے اور کہتے کہ کتنے غریب اور میکس مسجد کے کونوں اور چوتروں پر بھوکے پڑے ہوئے ہیں اور فاقہ سے مات گذار دیتے ہیں، یہ کھانا میرے حلق سے کیسے اتر سکتا ہے چنانچہ اکثر ایسا ہوتا کہ سحری میں جیسی لاتا ویسی ہی اٹھا کر لے جاتا۔

جب دن ہوتا جس کی حیا مبارک پر نظر پڑتی دیکھتا کہ کھلی ہوئی مستی ہے اور آنکھیں

صبح کے وقت | بیداری سے سرخ ہیں، ایسے شدید مجاہدوں سے بھی آپ کے اندر کوئی ضعف نظر

نہ آتا اور آپ کی سہیت میں جو آپ کی معمول تھی تغیر نہ ہوتا۔ کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ آپ چار سو یا پانچ سو رکعت نماز پڑھتے ہیں یا اتنی تسبیح کا معمول ہے۔ عمر عزیز ان باطنی مشغولیوں میں گذرتی جن کا حال اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں اور دلجوئی اور قلوب کے تفقد و دریافت میں مشغول رہتے، جس سے افضل کوئی کام نہیں۔

”دل بدست آور کہ حج اکبر است“

دن میں | دن میں تمام روز اپنے مشائخ کے سجادہ پر قبلہ رو باطنی طور پر مشغول، مُتَوَجِّہًا إِلَى اللہ تعالیٰ کَاَنَّہُ یَنْظُرُ إِلَیْہِ (اللہ کی طرف متوجہ ہو کر گویا وہ رو برو ہے) بیٹھ کر گزار دیتے۔ آنے والوں میں مختلف طبقوں کے لوگ ہوتے، علماء و مشائخ، صدر و اکابر، و صنیع و شریف ہر ایک کے علم و مرتبہ کے مطابق جس کا جو فن ہوتا اسی میں اس سے گفتگو کرتے اور اس کی دجوبی فرماتے ظاہری طور پر ان میں مشغول ہوتے اور باطن میں پورے طور پر مشغول ہوتے

دلدار می تربیت | نماز ظہر کا وقت ہوتا، نماز ادا کرنے کے بعد جو عزیز قد مبوسی کے لئے آئے مجھے ہوتے ان کو طلب فرمایا جاتا اور ان سے گفتگو و دلداری میں کچھ وقت گزرتا عبادات و سلوک و محبت الہی کے بارے میں ان کی رہنمائی کی جاتی، اکابر علماء و صلحاء کی (جو اس مجلس میں حاضر ہوتے) محبت نہ ہوتی کہ سر اٹھا کر چہرہ مبارک کو دیکھتے، ایسا عیب اور من جانب اللہ عظمت تھی کہ آپ کے چہرے پر نظر کرنا مشکل تھا۔

قرب سفر | عمر مبارک حبِ اشی سے متجاوز ہوئی تو سفر آخرت کے آثار نمایاں ہوئے ایک روز ارشاد فرمایا کہ:- میں نے خواب میں حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ ارشاد ہوا:- نظامِ ہم کو تمھارا بڑا اشتیاق ہے۔

ت | بیماری کے دوران خلفائے کبار کو اجازت نامے اور ان کی محبتِ مولانا میں آپ نے متعدد حضرات کو خلافت عطا فرمائی اور اجازت نامے لکھ کر دیئے۔ مولانا فخر الدین زراوی نے

ان کا مضمون مرتب کیا، اور سید حسین کریانہ نے ان کی کتابت کی، آپ نے ان پر اپنے دستخط مبارک ثبت کئے، دستخط کے الفاظ یہ تھے :- "من الفقیر محمد بن احمد بن علی البدائی البخاری" ان اجازت ناموں پر ۲۰ ذی الحجہ ۱۲۲۳ھ درج ہے، گویا یہ وفات سے تین مہینے ۲۷ دن پہلے لکھے گئے ہیں۔

جن حضرات کیلئے یہ اجازت نامے تھے ان کو جہاں جہاں وہ تھے پہنچا دیئے گئے، جو حضرات موجود تھے ان کو ملا کر خود عطا کئے گئے۔ پہلے شیخ قطب الدین منور کی طلبی ہوئی، سلطان المشائخ نے خلعت خلافت عطا فرمایا اور وصیت فرمائی، اجازت نامہ ان کو مرحمت ہوا اور ارشاد ہوا کہ جاؤ و گانہ ادا کرو۔ دوستوں نے مبارکباد دی، اسی دوران میں شیخ نصیر الدین محمود (چراغ دہلی) کو یاد فرمایا گیا، ان کو بھی خرقہ خلافت اور اجازت نامہ عطا ہوا اور وصیت فرمائی گئی۔ شیخ نصیر الدین محمود ابھی کھڑے ہوئے تھے کہ شیخ قطب الدین منور کی دوبارہ طلبی ہوئی، وہ آئے تو ارشاد ہوا کہ شیخ نصیر الدین محمود کو خلافت کی مبارکباد دو، پھر شیخ نصیر الدین ارشاد ہوا کہ شیخ منور کو مبارکباد دو دونوں نے ایک دوسرے کو مبارکباد دی، پھر دونوں کو ایک دوسرے سے بغلیکڑنے کا حکم ہوا، پھر فرمایا کہ تم دونوں بھائی بھائی ہو، تقدیم و تاخیر کا کچھ خیال نہ کرنا۔

وفات سے ۴۰ روز پیشتر استغراق و تحیر کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ امیر خرد

وفات کا حال

نے تفصیل سے وفات کا حال لکھا ہے، ان کا بیان ہے :-

"جمعہ کا دن تھا، سلطان المشائخ پر ایک کیفیت تھی، نور تجلی سے ان کا باطن منور معلوم ہو رہا تھا، نماز کے اندر بار بار سجدے فرماتے تھے۔ اسی حالت تحیر میں مکان تشریف لائے، گریہ میں ترقی ہو گئی۔

۱۔ حضرت خواجہ کی وفات ۸ ربیع الآخر ۱۲۲۵ھ کو ہوئی

۲۔ سیر الاولیاء ص ۲۲۱ و ۲۲۲ و ۲۲۳ و ۲۲۴ و ۲۲۵ و ۲۲۶ و ۲۲۷

روزانہ کئی کئی بار غیبوبیت و استغراق ہو جاتا تھا، پھر توجہ ہو جاتی تھی، یہی فرماتے تھے کہ آج جمعہ کا دن ہو دوست کو دوست کا وعدہ یاد آتا ہے اور وہ اس کیفیت میں غرق ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں دریافت فرماتے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے اور میں نماز پڑھ چکا ہوں؛ اگر جواب دیا جاتا کہ آپ نماز پڑھ چکے ہیں تو فرماتے کہ پھر پڑھ لیں ہر نماز کو مکمل کر لیا کرتے تھے دن اس عالم میں رہے یہ دو باتیں مکرر فرماتے:- آج جمعہ کا دن ہے؛ ہم نماز پڑھ چکے ہیں اور کبھی یہ مصرع پڑھتے:-

ع ”می رویم و می رویم و می رویم“

اسی دوران میں ایک نذر تمام خدام و مریدین کو جو حاضر تھے طلب فرمایا اور ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ:-
 ”تم گواہ رہنا کہ اگر اقبال (خادم) نے کوئی چیز بھی گھر میں جنس میں سچائی ہے تو کل روز قیامت اسکو خدا کے سامنے جواب دینا ہوگا“ اقبال (خادم) نے عرض کیا کہ میں نے کچھ نہیں پھوڑا ہے، سب آپ پر صدقہ کر دیا ہے واقعی اس جوافر نے ایسا ہی کیا تھا، سوائے اس غلہ کے جو چند دن کے لئے فقرائے خانقاہ کو کفایت کرتا سب کچھ تقسیم کر دیا تھا میرے چچا سید حسین الملاح دی کہ غلہ کے سوا ہر چیز محتاجوں کو پہنچ گئی سلطان المشائخ اقبال نے راض ہوئے انکو طلب کیا اور فرمایا کہ اس ضرورت کو کیوں رکھ چھوڑا ہے؛ اقبال نے عرض کیا کہ غلہ کے سوا جو کچھ موجود تھا سب کچھ تقسیم ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ خلقت کو بلاؤ۔ جب لوگ حاضر ہوئے تو فرمایا کہ غلہ کے انبار خانے توڑ ڈالو اور تمام غلہ بے تکلف اٹھالے جاؤ اور وہاں بھاڑ دے دو۔ ذرا سی دیر میں خلقت جمع ہو گئی اور اسنے غلہ کو لوٹ لیا۔ اس بیاری میں کچھ احباب اور خدمتکار حاضر ہوئے اور انھوں نے پوچھا کہ:- آں مخدوم کے بہیم سکینوں کا کیا حال ہوگا؟ فرمایا کہ: یہاں اتنا ملتا رہے گا جس سے تمہارا گدہ رہ جائے۔ میں نے بعض معتبر مشائخ سے سنا ہے کہ لوگوں نے عرض کیا کہ ہمارے درمیان کون نصیب نہ ہوگا؟ فرمایا: جس کی قسمت یاوری کر لگی بعض دوستوں اور خادموں نے میرے نانا شمس الدین و امغانی سے عرض کیا کہ وہ سلطان المشائخ سے پوچھیں کہ ہر شخص نے اپنے

اعتقاد کے مطابق آپ کے احاطہ میں بلند بلند عمارتیں بنائی ہیں اور سب کی نیت یہ ہے کہ آپ اس کی عمارت میں آرام فرمائیں، اگر وہ ناگزیر وقت آگیا تو آپ کو کس عمارت میں فن کریں تاکہ کوئی خود رائی سے کام نہ کرے مولانا شمس الدین نے یہ پیغام پہنچایا تو ارشاد ہوا کہ: میں کسی عمارت کے نیچے دفن ہونا نہیں چاہتا، میں جنگل میں آسودہ خاک ہوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ کو باہر میدان میں دفن کیا گیا، بعد میں سلطان محمد تغلق نے اس پر گنبد تعمیر کرایا۔

وفات سے ۴۰ روز پہلے سے غذا بالکل ترک فرمادی تھی، کھانے کی خوشبو بھی گوارا نہ تھی، گریہ اس شدت سے غالب تھا کہ ایک گھڑی کیلے بھی آنسو نہیں تھمتے تھے۔ ۵

گر نہ بینی گریہ زارم ندانی فرق کرد

کاب چشم است اینکہ پیشیت می دویا آج

اسی درمیان میں اخئی مبارک ایک روز مچھلی کا شور بولائے بخلصین نے بڑی کوشش کی کہ آپ تھوڑا سا تناول فرمائیں۔ سلطان المشائخ نے پوچھا کہ: یہ کیا ہے؟ عرض کیا گیا کہ: تھوڑا سا مچھلی کا شور ہے۔ فرمایا: بہتے ہوئے پانی میں ڈال دو۔ آپ نے کچھ تناول نہیں فرمایا۔ میرے چچا سید حسین نے عرض کیا کہ کئی دن ہو گئے ہیں کہ اس مخدوم نے کھانا بالکل چھوڑ دیا ہے اس کا کیا نتیجہ ہوگا؟ فرمایا:۔

سید جو حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کا مشتاق ہو اس دنیا میں کھانا کیسے کھایا جائے! الغرض ۴۰ روز کی مدت میں جس طرح کھانا تناول نہیں فرمایا۔ اسی طرح بات بھی بہت کم کی۔ آخر چہار شنبہ کے دن تک جس دن آپ کی وفات ہوئی یہی حال رہا۔

۱۸ ربیع الآخر ۶۳۲ھ کو طلوع آفتاب کے بعد زہد و عبادت، حقیقت و معرفت اور ہدایت

ارشاد کا یہ آفتاب غروب ہو گیا

نماز جنازہ شیخ الاسلام رکن الدین نمبر۶ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی نے پڑھائی نماز کے
بعد شیخ الاسلام رکن الدین نے فرمایا کہ :-

” مجھے اب معلوم ہوا کہ مجھے ہم سال تک دہلی میں اسلئے رکھا

گیا کہ مجھے اس نماز جنازہ کی امامت کا شرف حاصل ہو۔“

ساری عمر تہجد میں گزری اسلئے کوئی اولاد نہیں تھی، روحانی سلسلہ سارے ہندوستان

میں پھیلا، اور ابھی تک جاری ہے۔

۱۔ سیر الاولیاء (۱۵۲) تا (۱۵۵)

باب سوم

اخلاق و صفات

جامع اوصاف | حضرت خواجہ نظام الدین کے اوصاف و خصوصیات کا خلاصہ اور ان کا نتیجہ
جامع ترین تعارف ان الفاظ میں ہے جو عظمیٰ خلافت کے وقت ان کے
صاحب نظر شیخ و مرشد (شیخ کبیر حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ) کی زبان سے نکلے۔ انھوں نے فرمایا:-
بارہی تعالیٰ ترا علم و عقل و عشق دادہ است اللہ تعالیٰ نے تم کو علم و عقل و عشق کی دولت عطا

وہ کہ بدین صفت موصوف باشد ازو کی ہے اور جوان صفات کا جامع ہو وہ
خلافت مشائخ نیکو آید۔ مشائخ کی خلافت کی فزادہ اریا خوب ادا کر سکتا ہے

حضرت خواجہ کی سیرت اسی جامعیت کا مرقع ہے، یہاں علم و عقل و عشق تینوں پہلو بہ پہلو نظر آتے
ہیں۔ محبت و معرفت حقیقی اور مشائخ کبار کی تربیت و صحبت جو بہترین اثرات و نتائج پیدا کرتی ہے اور جن کے
بہترین مجموعہ کا نام دور آخر میں تصوف "پڑ گیا ہے"، یعنی اخلاص و اخلاق اسکی بہترین نمونہ انکی زندگی میں نظر آتی

ان کی زندگی کا بہترین جوہر جس نے ان کو اپنے معاصرین ہی میں نہیں بلکہ مشائخ اسلام میں ایک بلند مقام اور اپنے زمانہ ہی میں نہیں بلکہ تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں قبول عام اور بقائے دوام عطا کیا ہے اور ان کو محبوبیت خاص انعام سے نوازا، وہ توحیدِ اخلاص کی وہ خاص کیفیت اور ذوق جو جس میں محبتِ رضا الہی کے سوا کوئی چیز مطلوب و مقصود نہیں رہی، محبت و یقین کے شعلہ نے ہر طرح کے خس و خاشاک کو جلا کر رکھ کر دیا تھا۔ حُبِ دنیا، حُبِ جاہ اور اس طرح کی تمام محبتوں اور طلبوں کا استیصال کلی ہو چکا تھا۔

شاد باش اے عشقِ خود سودا ما اے طبیبِ جملہ علت ہاے ما

اے دوائے نخوت و ناموس ما اے تو افلاطونِ جالینوس ما

عشقِ آلِ شعلہ است کو چوں بر فروخت ہر چیز جز معشوقِ باقیِ جملہ خست

ماند الا اللہ باقیِ جملہ رفت شاد باش اے عشقِ شرکتِ سوزفت

امیر حسن علاء سبزی راوی ہیں کہ ایک مرتبہ مجلس میں یہ ذکر ہو رہا تھا کہ کچھ لوگ مسجد میں قیام کرتے ہیں اور وہاں قرآن مجید کی تلاوت اور نوافل پڑھتے ہیں میں نے عرض کیا کہ اگر اپنے گھر سے رات کے قیام کریں تو کیسا ہے؟ فرمایا: آدمی اپنے گھر میں ایک پارہ پڑھے وہ مسجد میں ایک قرآن ختم کرنے سے بہتر ہے، اس پر یہ ذکر آگیا کہ گذشتہ زمانے میں ایک صاحب جامع مسجد دمشق میں رات بھر عبادت میں مشغول رہتے تھے، اس لالچ میں کہ اس کی عام شہرت ہوگی اور شیخ الاسلامی کے عہد پرچو اس زمانہ میں خالی تھا، ان کا تقرر ہو جائے گا، یہ سن کر حضرت خواجہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آپ نے فرمایا:۔

سبوز اول شیخ الاسلامی او پس خاٹاہ را آگ لگاؤ ایسی شیخ الاسلامی کو بھر خاٹاہ کو

و بعد ازاں خود را۔

پھر اپنے کو خاک کر کے رکھ دو

حضرت خواجہ کی ساری زندگی اسی "دل سوختگی" اور "خود باختگی" کا نمونہ ہے اور اسی چیز نے ان کی صحبت میں کیمیا اور اکسیر کی خاصیت پیدا کر دی تھی۔ انھیں کے سلسلہ کے ایک سوختے دل شیخ عیسیٰ (جو نویں صدی میں نظامی سلسلہ کے مقتدی تھے) یہ دو شعر منقول ہیں جو اس صوفیہ حالت اور جذبہ کی صحیح ترجمانی کرتے ہیں

مارا نہ مرید و زود خواں می باید نے زابد نے حافظ قرآن می باید

صاحب دردے سوختہ جاں می باید آتش زدہ بہ خامساں می باید

اپنے ہی بارے میں نہیں، اپنے خلفاء اور جانشینوں کے بارے میں بھی (جن سے تہذیب، اخلاق اور تزکیہ نفس کا کام لینا تھا) اس کا لحاظ فرماتے تھے کہ وہ اخلاص کے اس مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ حب جاہ کا ان کے دل سے خاتمہ ہو چکا ہے۔ مولانا فیض الدین نے سوال کیا کہ مشائخ کی خلافت کا اہل کون ہوتا ہے؟ فرمایا:-

"کسے را کہ در خاطر او توقع خلافت نباشد" وہ شخص جو خلافت کا متوقع اور منتظر بھی ہو۔

صاحب سیر الاولیاء بیان ہے کہ ایک مرتبہ آپ کو اپنے ایک ممتاز خادم کے متعلق جن کو اجازت دی جا چکی تھی معلوم ہوا کہ وہ کئی کبیل تہہ کر کے بچھا کر اس پر مشائخ کی طرح بیٹھتے ہیں اور امر اور عوام خواص ان کی خدمت میں مقتدانہ حاضر ہوتے ہیں، آپ اسے اتنے آزر دہ ہوئے کہ جب آئے تو اپنے

۱۰ فوائد الفوائد (ص ۲۴)

۱۱ حضرت شاہ محمد بنیہ (محمد بن قطب) لکھنوی (م ۱۰۴۴ھ)

۱۲ سیر الاولیاء (ص ۳۴۵)

ان سے منہ پھیر لیا اور ان کو اجانت سے محروم کر دیا، عرصہ تک ان سے ایسی ہی بے رخی رہی جب تک کہ ان کا عذر ظاہر نہیں ہوا اور انھوں نے معافی نہیں مانگی، ان پر نظر عنایت مبذول نہیں ہوئی۔

اخلاص و فنائیت اور بے نفسی کے اس مقام پر پہنچ کر سالک کے دل سے رنج و دشمن نوازی

شکایت انتقام کا جذبہ اور ایذا کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے وہ نہ صرف آشنا پرورد دست نماز ہوتا ہے بلکہ دشمن کا احسانمند اور دشمن کے حق میں دعا گو بن جاتا ہے گو یا دشمن کوئی احسان ہے کوئی نادر تحفہ اور زخم دل کا مرہم ہے جس پر بے اختیار دل سے دعا نکلتی ہے اور منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔ امیر علاء منجری راوی ہیں کہ حضرت نے ایک مرتبہ یہ مصرع پڑھا۔

ہر کہ مارا رنج دادہ رنجش بسیار باد

(جو ہم کو رنج دے خدا اس کو بہت راحت پہنچائے)

اس کے بعد یہ شعر ادا ہوا۔

ہر کہ اوخارے ہند در راہ ما از دشمنی

ہر گل کز باغ عمر شکر گندے خار باد

سیر العارفین میں ہے کہ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی فرماتے تھے کہ حصار اندر پت میں جو موضع غیاث پور کے قریب ہے چھبھو نامی ایک شخص تھا جس کو بے وجہ حضرت سے دشمنی تھی، برا بھلا بھی کہتا رہتا تھا اور آپ کو تکلیف دینا اپنی چال کی فکر میں رہتا تھا، اس کا انتقال ہو گیا۔ حضرت شیخؒ نے اس کے جنازے میں شرکت کی، دفن کے بعد اس کی بالیں پر دو رکعت نماز پڑھی اور دعا فرمائی کہ خدایا! اس شخص نے

۱۰ سیر الاولیاء میں اس واقعہ کی تفصیل ہے ۱۲۰ فوائد الصوادع (ترجمہ) جو ہمارے راستہ میں

کھٹے بکھٹے اللہ کرے اس کے گلشن حیات میں جو پھول کھلے بے خار رہے۔ ۱۲۰

جو کچھ کہا ہو یا برا سوچا ہو میں نے اس کو بخش دیا تو میری وجہ سے اس کو سزا نہ دینا۔

ایک مرتبہ حاضرین میں سے ایک صاحب نے ذکر کیا کہ بعض آدمی جناب الا کو منبر پر اور دوسرے موقوف پر بڑا بھلا کہتے ہیں ہم سے سنا نہیں جاتا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ میں نے سب کو معاف کیا تم بھی معاف کرو اور ایسے آدمی سے جھگڑا نہ کرو۔ اسکے بعد اپنے فرمایا کہ اگر دو آدمیوں کے درمیان بخش ہو تو اس بخش کو دور کرنا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے باطن کو عداوت سے خالی کرے دوسرے کی طرف سے بھی آزار کم ہو جائے گا۔ فرمایا کہ: آخر لوگ برا بھلا کہنے سے کیوں رنجیدہ ہوتے ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ مال صوفی سبیل است و خون او مباح۔ رصوفی کا مال وقف ہے اور اس کا خون روا جب معاملہ یہ ہو تو کسی برا بھلا کہنے والے سے کیوں جھگڑا گیا جائے؟ ایک دن فرمایا کہ دنیا کا عام اصول تو یہ ہے کہ نیکیوں کے ساتھ نیکی اور بدوں کے ساتھ بدی کی جائے، لیکن مردانِ خدا کا اصول یہ ہے کہ بدی کا بدلہ بھی نیکی سے دیا جائے۔ فرمایا:-

ایکے خار بند و تو ہم خار نہی اب خار خار	اگر کوئی کاٹا رکھے اور تم بھی کاٹا رکھ دو
باشد ... میان مردمان بچنین	تو کانٹے ہی کانٹے جمع ہو جائینگے لوگوں کے
است بانغراں نغزی و باکوزان کوزی	در میان عام اصول ہی ہے کہ سیدھوں کے ساتھ
امامیان درویشان بچنین است کہ	سیدھا اور پیڑھوں کیساتھ پیڑھا لیکن
بانغراں نغزی باکوزان ہم نغزی	درویشوں کا اصول یہ ہے کہ سیدھوں کیساتھ
	سیدھا اور پیڑھوں کیساتھ ہی سیدھا۔

حضرت خواجہ کا اس بارے میں معیار اتنا بلند تھا کہ برا کہنا تو بڑی چیز ہے وہ برا چاہنے کو بھی رخصت نہیں رکھتے تھے ایک مرتبہ فرمایا:-

بدگفتن اندک است اما بدخواستن
براکہنا بھی برا ہے، لیکن بُرا چاہنا
ازاں بدتر است۔ اس سے کہیں بُرا ہے۔

جب یہ معاملہ آپ کا سب سے ساتھ تھا تو اپنے شیخ کے عزیزوں اور تعلق والوں کے ساتھ
کیوں نہ ہوتا جن کے احسان سے آپ کا رواں رواں تر تھا۔

سیر العارفین میں ہے کہ حضرت شیخ نجیب الدین متوکل کے نواسے خواجہ عطاء اللہ ایک لالہ ابالی و
بیباک آدمی تھے۔ ایک دن قلم و دوات لیکر آئے اور کہا کہ میرے لئے فلاں سرار کو ایک خط لکھ دیجئے
تاکہ مجھے وہ کوئی اچھی رقم دیدے۔ شیخ نے فرمایا کہ: نہ میری اس سرار سے کبھی ملاقات ہوئی ہے نہ
وہ کبھی یہاں آیا ہے، جس شخص سے جان پہچان نہ ہو اسکو رقعہ کس طرح لکھا جائے؟ صاحبزادے کو
غصہ آگیا اور انھوں نے سخت سست کہنا شروع کیا کہ ہمارے ہی نانا کے مرید ہو اور ہمارے ہی
خاندان کا سداۓ پایا ہے، اب ایسے احسان فراموش ہو گئے ہو کہ میرے لئے ایک رقعہ تم سے نہیں لکھا جاتا
یہ تم نے کیا پیری مریدی کا جال بچھایا ہے اور خلق خدا کو دھوکے دے رہے ہو؟ یہ کہہ کر دات زمین پر پڑ گئی
اور اٹھ کر چلے حضرت نے دامن پکڑ لیا اور فرمایا کہ ناراض ہو کر کیوں جا رہے ہو؟ خوش ہو کر جاؤ۔ اس کے بعد
ایک رقم سامنے رکھی اور رضا مند کر کے رخصت کیا۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ اکثر معمول تھا کہ جو لوگ باہر سے آتے وہ کوئی
پردہ پوشی و نکتہ نوازی شیرینی یا تحفہ خرید کر اپنے ساتھ لاتے اور پیش کرتے۔ ایک مرتبہ
کچھ لوگ اسی املاہ سے آ رہے تھے، ایک مولوی صاحب بھی ساتھ تھے، انھوں نے سوچا کہ لوگ مختلف تحائف
پیش کریں گے اور وہ اکٹھا حضرت کے سامنے رکھیں گے، خادم سب کو اٹھا کر لے جائے گا، کیا پتہ چلے گا کہ
کون لایا؟ انھوں نے تھوڑی سی مٹی راستہ سے اٹھا کر کاغذ میں باندھ لی جب سلطان المشائخ کی خدمت

میں حاضر ہوئے ہر ایک نے اپنی چیز سامنے رکھی مولوی صاحب نے بھی اپنی پڑیا سامنے رکھ دی خادمہ سب چیزیں اٹھا کر لے جانے لگا، پڑیا کو بھی اٹھانا چاہا۔ حضرت نے فرمایا: "اس کو یہیں چھوڑ دو یہ میری آنکھ کا سرمہ ہے۔" یہ اخلاق و عالی ظرفی دیکھ کر ان عالم صاحب نے توبہ کی اور مرید ہو گئے۔

شفقت و تعلق اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہ کو عام انسانوں اور خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں اور اپنے اہل تعلق کے ساتھ ایسی شفقت و محبت عطا فرمائی تھی جس کو

اگر ایاں کی شفقت سے تشبیہ یا اس پر بھی ترجیح دی جائے تو واقعات کے لحاظ سے اس میں کوئی مبالغہ اور شاعری نہ ہوگی شیوخ کاملین کی یہ شفقت دراصل نبی کی اس شفقت کی وراثت اور نیابت ہے جس کی حقیقت اس آیت میں بیان کی گئی ہے:-

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ
عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ
بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ
اے لوگو! تمہارے پاس ایسا پیغمبر آیا جو تمہاری
جنس سے ہے جس کو تمہاری تکلیف و مصرت کی بات
گراں گنتی ہے جو تمہاری منفعت کا بڑا خواہشمند
(التوبہ ۱۲۸) ایمانداروں کے ساتھ بڑی شفقت و مہربان ہے۔

اور اس حکم کی تعمیل ہی جس کا خطاب رسول سے ہے:-

وَ احْفَظْ حَيَاتَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ
مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (شعراء ۱۱)
ان لوگوں کے ساتھ دوستی کے ساتھ پیش آؤ جو
مسلمانوں میں اہل ہو کر تمہاری راہ پر چلیں۔

اس شفقت اور تعلق نے وہ اتحاد پیدا کر دیا تھا کہ دوسروں کی جسمانی اذیت سے اپنے کو جسمانی طور پر اذیت اور دوسروں کی قلبی راحت اپنے کو قلبی راحت مانتی تھی۔ امیر حسن علاء بخاری راوی ہیں کہ ایک مرتبہ مجلس مولوی تھی سایہ میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے بعض لوگ دھوپ میں بیٹھے تھے، آپ سایہ میں بیٹھنے والوں سے فرمایا:-

”بھائی ذرا مل کر بیٹھو تاکہ ان بھائیوں کیلئے بھی جگہ ہو جائے دھوپ میں یہ بیٹھے ہیں اور میں چلا جا رہا ہوں۔“
 ایک مرتبہ آپ نے کسی بزرگ کا مقولہ نقل کیا جو درحقیقت اپنے ہی حال کی ترجمانی تھی کہ ”خدا کی مخلوق
 میرے سامنے کھانا کھاتی ہے اور میں اس کھانے کو اپنے حلق میں پاتا ہوں جیسے وہ کھانا میں ہی کھا رہا ہوں۔“
 امیر حسن علاء سنجری فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بے وقت حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں اس طرف
 عزیزوں سے ملنے آیا ہوا تھا، حاضری کو جی چاہا۔ بعض دوستوں نے کہا کہ اگر کوئی شخص کسی درکام سے آیا ہو اور شروع
 حاضری کی نیت نہ کی ہو تو شیخ کی خدمت میں نہیں حاضر ہونا چاہیے۔ میں نے دل میں کہا کہ اگرچہ قاعدہ
 یہی ہے لیکن دل نہیں مانتا کہ یہاں آکر حضرت کی زیارت کے بغیر واپس چلا جاؤں میں آج قاعدہ کے
 خلاف ہی کروں گا۔ حضرت نے فرمایا ”اچھا کیا“ پھر یہ شعر پڑھا۔ ۷

در کوئے خرابات دسرتے ادب باش

معنی نمود بسیار و بنشین و بہ باش

پھر فرمایا کہ مشائخ کا معمول یہی ہے کہ کوئی انکے پاس اشراق سے پہلے اور عصر کی نماز کے بعد نہیں جاتا،
 لیکن میرے یہاں یہ قاعدہ نہیں جس وقت جس کا جی چاہے آئے۔ ۸

غمخواری عام | یہ اہل قلوب غم دنیا سے فارغ الیال لیکن دنیا داروں کے غم اور خلق خدا کی
 فکروں سے نڈھال اور خستہ حال رہتے ہیں وہ اپنا غم بھلا دیتے ہیں اور یہی
 دنیا کا غم اپنا غم بنا لیتے ہیں۔ یہ کہنے کا حق درحقیقت انھیں کو ہے کہ۔ ۹
 سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے نواسے خواجہ شرف الدین کسی مجلس میں کسی ہستی نے کہا کہ خواجہ نظام الدینؒ

عجب فارغ البال بزرگ ہیں، مجرد ہیں، اہل عیال و اطفال کا کوئی تردد ان کو نہیں ہے ان کو ایسا فراغ خاطر حاصل ہے کہ ایک ذرہ غم بھی ان کو چھو نہیں گیا ہے۔ وہ عزیز اس مجلس اچھے تو حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے چاہتے تھے کہ خود اس کا ذکر کریں۔ حضرت خواجہ نے خود ہی ارشاد فرمایا:-

”میاں شرف الدین وہ رنج و غم جو میرے دل کو ذوقاً فوقاً ہوتا رہتا ہے شاید کسی دوسرے شخص کو اُس سے زیادہ ہوتا ہو، جو شخص میرے پاس آتا ہے اپنا حال مجھ سے بیان کرتا ہے اُس سے دو چند فکر و تردد اور غم و الم مجھے ہوتا ہے، بڑا سنگدل ہے وہ جس پر اپنے دینی بھائی کا غم اثر نہ کرے، اس کے علاوہ یہ جو کہا گیا ہے:-
”المخلصون علی خطر عظیم“ (مخلصین کو بڑا خطرہ درپیش رہتا ہے)
اس سے بھی سمجھ سکتے ہو کہ - ع

نزدیکال را بیش بود حیرانی

حضرت خواجہ کے نزدیک مسلمان کا دل خوش کرنا اور اس کی دلجوئی و راحت رسانی افضل ترین عمل اور تقرب الی اللہ کا بہترین ذریعہ تھا۔ سیر الاولیاء میں ہے کہ فرمایا:-

”مجھے خواب میں ایک کتاب دی گئی اس میں لکھا تھا کہ جہاں تک ہو دوں کو راحت پہنچاؤ کہ مومن کا دل اسرارِ ربوبیت کا مقام ہے۔ کسی بزرگ نے خوب کہا ہے - ع

می کوش کہ راحت بچانے برسد یادست شکستہ بنانے برسد

اکوشش کر کہ کسی انسانی جان کو تم سے آرام پہنچے، یا جو دست شکستہ ہو اس کو تمہارے ذریعہ روٹی ملے

ایک مرتبہ فرمایا، کہ:-

”قیامت کے بازار میں کسی سودے کی اتنی قیمت اور حلین نہ ہوگا

جتنا دل کا خیال رکھنے اور دل خوش کرنے کا۔“

چھوٹوں پر شفقت | حضرت خواجہ اپنے قیمتی مشاغل اور اعلیٰ کیفیاتِ باطنی کے ساتھ بچوں

اور چھوٹوں پر بڑے شفقت تھے، اور وہ اپنی شدید مصروفیات کے باوجود ان کی دلجوئی و ملاحظت کے لئے وقت نکال لیتے تھے، ان عظیم ذمہ داریوں اور باطنی مشغولیت کے باوجود ان بچوں کی پوری رعایت فرماتے اور چھوٹی چھوٹی باتوں کا دھیان رکھتے۔

خواجہ رفیع الدین ہارون آپ کے حقیقی بھانجے کے صاحبزادے تھے، اگر کبھی کھانے کے وقت وہ موجود نہ ہوتے، تو اگرچہ بڑے بڑے بزرگ دسترخوان پر بیٹھے ہوتے، لیکن آپ ان صاحبزادے کا انتظار کرتے۔ آپ اپنے بچے کی طرح خلوت و جلوت میں ان کی تربیت و دلدادگی فرماتے۔

خواجہ رفیع الدین کو تیر و کمان اور پیراکی کشتی کا بڑا شوق تھا، حضرت سلطان المشائخ بڑی شفقت کے ساتھ ان سے انھیں فنون کی باتیں کرتے تھے، ان کی ہمت افزائی اور تشویق فرماتے، ان فنون کی باریکیوں اور نکتوں کی تعلیم دیتے، تاکہ یہ خوش ہوں۔

جو شریف النسب اور ذی استعداد نوجوان اپنے زمانہ کے شوقین لوگوں کے جیسا لباس پہنتا اور ان میں نوجوانی کے تقاضے سے لباس میں تجمل پیدا ہوتا (جس کو بعض سخت گیر ثقاہت متانت کے خلاف سمجھ کر اعراض کرتے ہیں) حضرت خواجہ ان کی بھی دلجوئی فرماتے، اور اس کو جوانی اور زمانہ کا تقاضا سمجھ کر انداز فرماتے اور اپنے اخلاق و محبت ان کی اصلاح و تربیت کی کوشش فرماتے۔

سیر الادبیاء کے مصنف امیر خرد لکھتے ہیں کہ میرے چچا سید حسین کرمانی کی نوجوانی کا زمانہ تھا۔
وہ اس زمانہ کے شوقین نوجوانوں کے لباس اور وضع میں ایک وزیر تشریف لائے حضرت خواجہ نے ان کو دیکھ کر فرمایا۔
سید بیا و نبشیں و سعادت ببر | سید آؤ، بیٹھو اور سعادت میں حصہ لو۔

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس شفقت و ملاحظت اور اس دلجوئی و دلدنوازی سے کتنے نوجوانوں کی اصلاح و
تربیت ہوئی ہوگی اور کتنے ”آہوئے وحشی“ اسیر دائم محبت ہوئے ہوں گے، اور ان کا شمار خدا کے
مقبول بندوں اور شیوخ کاملین میں ہوا ہوگا۔

حضرت خواجہ کے ان اخلاق و صفات اور صوفیہ صافیہ کی سیرت کو دیکھ کر امام غزالی کی اس
راے اور شہادت کی تصدیق ہوتی ہے جس کا انھوں نے ”تلاش حق“ کے طویل سفر اور مختلف گروہوں
اور انسانی طبقات کے عمیق مطالعہ کے بعد اظہار کیا ہے:-

”مجھے یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ صوفیہ ہی اللہ کے راستہ کے سالک ہیں، انکی
سیرت بہترین سیرت، ان کا طریق سب سے زیادہ مستقیم اور ان کے اخلاق
سب سے زیادہ تربیت یافتہ اور صحیح ہیں، اگر عقلا کی عقل، علماء کی حکمت
اور شریعت کے مفسرین کا علم مل کر بھی ان کی سیرت و اخلاق سے بہتر
لانا چاہے تو ممکن نہیں، انکے تمام ظاہری و باطنی حرکات و سکنات مشکوٰۃ
نبوت سے ماخوذ ہیں اور نور نبوت سے تہہ کر دئے زمین پر کوئی نور نہیں
جس سے روشنی حاصل کی جائے۔“

باب چہارم

اذواق و کیفیات

محبت ذوق | حضرت خواجہ کی سیرت اور زندگی کا مرکزی نقطہ جو ان کے تمام اخلاق و احوال و اعمال کا محور ہے وہ عشق الہی کی نعمت خدا داد ہے جو ان میں ابتدائے حال سے نمایاں تھی، محبت کی یہ چنگاری جو ان سے ان کی فطرت میں ولایت تھی شیخ کبیر کی صحبت اور طریقہ چشتیہ کی نسبت سے شعلہ جاں سوز بن گئی اور اس نے مدت العمر ان کو اور نصف صدی سے زائد دہلی اور اسکے ماحول کو گرم اور منور رکھا اور اس کی وجہ سے صدیوں تک ہندوستان کی فضا عشق الہی کی حرارت گرم اور گداز رہی ان کے تمام حالات و اشغال گفتگو اور مجالس، اشعار اور انکے انتخاب واقعات اور ان کی تمثیل غرض ہر چیز سے اسی سوزِ باطن اور اسی حرارتِ عشق کا اظہار ہوتا ہے۔

شعلہ آخوند ہر موسم دمید
از رگ اندیشہ ام آتش حکید

فوائدِ انوار میں ہے کہ ایک روز اولیاء اللہ کے دم واپس کے واقعات بیان ہو رہے تھے حاضرین میں سے ایک نے ایک بزرگ کی حکایت بیان کی کہ ان کا انتقال ہو رہا تھا اور آہستہ آہستہ اللہ کا نام

ان کی زبان پر جاری تھا، حضرت خواجہؒ آبدیدہ ہو گئے اور یہ رباعی پڑھی۔

آیم بسر کوئے تو پو پیاں پو پیاں رخسارہ آب دیدہ شویاں شویاں

بیچارہ ذو وصل تو جو یاں جو یاں جاں می دم و نام تو گویاں گویاں

(ترجمہ) آپ کی گلی میں چلا آ رہا ہوں خراں خراں، آنسوؤں سے اپنے رخسار

کو دھو تا ہوں، آپ کے وصل کا جو یا اور طالب بن کر جان سے رہا ہوں، آپ کا نام بھی نے جا رہا ہوں

اس محبت کا نتیجہ تھا کہ دل میں محبوب کے سوا کسی کے خیال کی جگہ نہیں رہی تھی، کسی دوسری طرف توجہ بھی

دل پر بار تھی

ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

امیر حسن علاء سنجری راوی ہیں کہ ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر کبھی اتفاق سے میں ان کتابوں کا مطالعہ کرنے

لگتا ہوں جو میں نے پڑھی ہیں تو طبیعت میں وحشت پیدا ہونے لگتی ہے اور اپنے دل میں کہتا ہوں کہ کہاں پڑ گیا،

اس پر حضرت خواجہ ابوسعید الدینؒ کا واقعہ بیان کیا کہ وہ کمال حال پہنچ گئے تو وہ کتابیں جو پڑھ چکے تھے وہ ان کو

کوڑے میں کھدیا تھا۔ ان کو سامنے رکھ کر ایک دم مطالعہ کرنے لگے غیبی آواز آئی اے ابوسعید ہمارا عہد نامہ واپس

کرتے کہ اب تو دوسری چیز میں مشغول ہو گیا، خواجہ جب اس مقام پر پہنچے تو رو پڑے اور یہ شعر پڑھا

تو سایہ دشمنی کجا در گنجی جئے کہ خیال دوست زحمت باشد

(ترجمہ) کسی دشمن کا سایہ بھی کہاں سما سکتا ہے، جہاں دوست کا خیال بھی حجاب بنے

اسی ”مرد عشق“ کا نتیجہ تھا کہ شب کی خلوت اور رات کے راز و نیاز کے بعد جب دن میں تشریف لاتے تو

بقول امیر خوردم معلوم ہوتا کہ شراب چھلک رہی ہے، رات کی بیداری سے آنکھیں سرخ ہوتیں۔ امیر خسرو

نے یہی دیکھ کر کہا ہے :- ۷

توشیانہ می سنائی بہ سبے کہ بودی مشب
کہ منور چشم مستت اثر خمار دارد

اور اسی حرارتِ عشق اور سرورِ مستی کا نتیجہ تھا کہ پیرانہ سالی میں برابر روزہ رکھتے، بقیلِ غذا، طویل
شب بیداری اور سخت مجاہدات کے باوجود ضعف و ناپاقتی ظاہر نہ ہوتی تھی، اسی سال سے عمر متجاوز
ہونے کے باوجود چہرے پر وہی سرخی اور نشاط و انبساط کی وہی کیفیت پائی جاتی تھی جو جوانی میں ہی ہوگی
بلکہ اس میں روز افزوں اضافہ تھا

۸۷؎ محبت کی یہی حرارت اور تپش تھی جس کی تسکین کا ایک ذریعہ سماع تھا یعنی عشق الہی
سماع کے اشعار اور عارفانہ ابیات کا سننا جس سے قلب کھپنی آکھیں نکالنے اور آنسوؤں
کے چھینٹوں اس کی گرمی کو کم کرنے کا موقع ملے اور اسی کے ساتھ مجاہدات کھکھکھو جسم اور طبیعت اور

۱۲۸؎ سیر الاولیاء ۱۲۸؎ سیر الاولیاء

۱۲۹؎ سماع (بلا فرا میر) کی موافقت مخالفت میں بہت کچھ لکھا گیا ہے، اس میں نقطہ اعتدال یہ معلوم ہوتا ہے،
کہ نہ وہ مطلقاً حرام ہے نہ کوئی عبادت طاعت امر مقصود، اعتدال اور خاص شرائط کے ساتھ ایک تدریجی علاج ہے اور
اصحاب ضرورت و اہلیت کے لئے بقدر ضرورت مباح اور بعض اوقات مفید، اس سلسلہ میں مشہور چشتی شیخ قاضی
حمید الدین ناگوری کا قول بڑا جامع و معتدل معلوم ہوتا ہے۔ ایک مجلس میں سماع کی حلت و حرمت پر بحث تھی، قاضی صاحب
نے فرمایا کہ :-

”میں ہوں حمید الدین کہ گئے سنتا ہوں اور مباح کہتا ہوں علماء کی روایت کی بنا پر اس لئے کہ دردِ دل کا مریض ہو
اور سماع اسکی دوا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے شراب سے علاج کرنے کی ایسے وقت میں اجازت دے دی ہے جبکہ زالہ مرض
کے لئے اور کوئی دوا ہی نہ ہو، اور حکیموں کا بھی اس پر اتفاق ہو کہ صحت شراب کے بغیر ناممکن ہے۔ اس تقریر پر میرے
مرض کی دوا جو کہ لا علاج ہے مژدہ کا سننا ہے، لہذا اسکا سننا ہمارے لئے مباح اور تم پر حرام ہے۔“ (سیر الاقطاب فی)

نفس کی چوٹ کھایا ہوا دماغ غذا اور تازگی حاصل کر سکے مولانا روم جو ایک بڑے صاحبِ سماع تھے
اسی لئے فرماتے ہیں :-

پس غذائے عاشقان آمد سماع کہ از وہا شد خیال اجتماع
قوتے گیرد خیال است ضمیر بلکہ صورت گرد داند بانگ صغیر
آتش عشق از نوا ہا گم دتیز آں چنانکہ آتش آں جو زیز

خود حضرت خواجہ نے اپنی زبان سے سماع کی یہی حکمت بیان کی ہے :-

سماع حق مریدان و معتقدان و اصحاب سماع مریدین صلاقیں اور اہل عقیدت اور
ریاضت است چون نفس تن ہلاک اصحاب ریاضت کا کام ہے جب طبیعت پوسی
شودہ اور احق البیت چوٹ کھائے تو ان کا حق ہے کہ سماع سے قوت
”ان لنفسک علیک حقاً“ تازگی حاصل کریں (حدیث میں آتا ہے کہ ان
یعنی بد رستی کے برائے نفس برابر توفیق است لنفسک علیک حقاً متعارف اور پھر بحجم
چون بنے انہ سماع بیا ساید یا نہ اورا کا حق ہے جب ایک مدت تک نفس سماع کے
برکارے بہر بند ذریعہ آرام حاصل کرتا ہے تو پھر اس کا کام میں لگاتے ہیں

ایک بزرگ مولانا کاشانی فرماتے ہیں :-

اصحاب ریاضت و ارباب مجاہدہ از کثرت معاملات گاہ گاہ اتفاق افتد کہ کلاتے
اصحاب ریاضت و ارباب مجاہدہ کے قلوب و نفوس احوال و کیفیات کے کثرت سے
ملا لے در قلوب و نفوس حادث شود قبض پیش آنے کی وجہ سے کبھی کبھی آتا چلتے ہیں اور انکو

بسٹے کہ موجب فتور اعمال و قصور احوال بود
تکان و ضعف محسوس ہونے لگتا ہے اور
طاری گرد پس مشائخ متاخر از برائے سرف
ان پردہ قبض بسط و اعمال احوال میں مستی
ایں عارضہ و دفع ایں حادثہ ترکیبے و حافی
اور کوتاہی کا باعث ہوتا ہے طاری مچاتے ہیں
از سماع اصوات طیبہ الحان متناسبہ و
اس بنا پر مشائخ متاخرین اچھی آوازوں میں صبا
استعار و اشعار مہیجہ و مشوقہ بر حجبہ کہ مشروع
نغموں اور مشوق نگیز اشعار کے سننے کو اس
طرح پر کہ حد در شرع سے باہر نہ ہوں ایک
بور نمودہ اند
علاج روحانی کے طور پر تجویز کیا ہے۔

سماع کی اس حکمت کے علاوہ اس کی ایک دوسری حکمت ان حضرات کے نزدیک یہ تھی کہ اس
سے حضوری کی ایک کیفیت ذہن کی لذت اور ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے اور یہ لمحات بقبلاوقات کو بھی اپنے
دامن میں لیکر پاک اور نورانی بنادیتے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ :-

مردم را مہر روز حضور کجا میسر شود اگر در روز
فرمایا، آدمی کو ہر روز حضوری کہاں میسر
وقتے خوش دریافت ہمہ اوقات متفرق آن
آتی ہے اگر کسی دن کوئی وقت اچھا ہاتھ
روز در پناہ آن وقت باشد و اگر در جمعے
آجہائے تو اس کے تمام متفرق اوقات اس
صاحب نعمتے باشد جملہ اشخاص در پناہ
وقت کی پناہ میں ہوتے ہیں دیکھو اگر کسی مجمع میں
ایک شخص باشد
ایک صاحب ذوق اور صاحب نعمت ہو جائے
تمام حاضرین اس کی پناہ میں ہوتے ہیں۔

پس یہ سماع، حضرت خواجہ اور ان مشائخ کی ایسا ہی کیفیت کے حامل اور آتش محبت سے

سے جل رہے ہوں) طبعی کیفیت کا نتیجہ، تسکین کا سامان، قوت و غذا اور رقت و حضوری کا ذریعہ تھا جسکو وہ حضرات علاجا اور ضرورتاً اختیار کرتے تھے اور علاج اور ضرورت کے فقدان ہی اس سے کام لیتے تھے نہ وہ کوئی عبادت، تقرب الی اللہ کا ذریعہ تھا، نہ مستقل سلوک اور شب و روز کا مشغلہ تھا۔

اسی کے ساتھ حضرت خواجہؒ نے سماع کو ان تمام خلافِ شرع منکرات و بدعات اور اسبابِ لہو لعب جو غیر مسلموں کے اثر سے خاص طور پر ہندوستان میں اہل ہوائے یاخام کار و صوفیوں کے سماع میں شامل کر لئے تھے خود بھی دور رکھا اور اپنے متبعین کو ان سے اجتناب کی انتہائی تاکید فرمائی ہے۔ آپ نے سماع کے آداب اس طرح بیان فرمائے :-

آپ نے فرمایا :-

”سماع کی چار قسمیں ہیں :- حلال، حرام، مکروہ، مباح۔ اگر صاحبِ حد کا میلان محبوبِ حقیقی کی طرف زیادہ ہو تو سماع مباح ہو، اور اگر محبوبِ مجازی کی طرف زیادہ ہو، تو مکروہ ہے، اگر محبوبِ مجازی کی طرف میلان کلتی ہے تو حرام ہو، اگر محبوبِ حقیقی کی طرف میلان کلتی ہو تو حلال ہو، پس جس کو سماع کا ذوق ہو، اس کو چاہیئے کہ وہ ان چاروں درجوں کو جانتا ہو۔“

نیز ارشاد فرمایا کہ :-

”سماع مباح کے لئے چند چیزیں چاہئیں :- مُسمِع (سنائی والا) مستمع (سننے والا) مسموع (جو کچھ پڑھا جا رہا ہے) آلہ سماع (ذریعہ) مستمع کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ پوری عمر کا آدمی ہو، کم سن نہ ہو، عورت نہ ہو۔ مستمع کیلئے ضروری ہے کہ جو کچھ وہ سن رہا ہے وہ یادِ حق سے خالی نہ ہو۔ مسموع کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ بے حیائی اور ہنسی مذاق کا کلام نہ ہو۔ آلہ سماع سے مراد زامیر ہے، جیسے چنگ درباب کہ یہ درمیان

حضرت خواجہ مرامیر (آلات غنا اور باجے وغیرہ سے)
مرامیر سے نفرت و ممانعت سختی سے منع فرماتے تھے اور جب کبھی اس بارے
 میں کسی بے احتیاطی کی اطلاع ملتی تو نہایت ناراض ہوتے اور اس بارے میں کسی غصہ کو قبول نہ فرماتے سیر الاولیاء میں ہے۔

”مجلس میں ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت سلطان المشائخ سے عرض کیا کہ ان
 دنوں بعض حاضر باش درویشوں نے ایک ایسی مجلس میں جس میں چنگ و درباب اور
 مرامیر تھے شرکت کی اور رقص کیا۔ فرمایا:۔ اچھا نہیں کیا، جو خلاف شرع ہے وہ ناپسند
 ہے۔ اس پر ایک شخص نے عرض کیا کہ یہ لوگ جب باہر آئے اور لوگوں نے ان سے کہا
 کہ یہ آپ نے کیا کیا، اس مجلس میں مرامیر تھے، آپ نے سماع کس طرح سنا اور رقص
 کیا؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم سماع میں ایسے مستغرق تھے کہ ہمیں کچھ پتہ نہ چلا
 کہ مرامیر ہیں یا نہیں حضرت سلطان المشائخ نے شکر فرمایا کہ:۔ یہ جواب بھی کچھ
 نہیں، یہ بات تو ہر معصیت کے متعلق کہی جاسکتی ہے“

حضرت خواجہ مرامیر کی ممانعت میں بڑی شدت اور مبالغہ فرماتے تھے۔ فرماتے تھے کہ:۔
 ”جب عورت کو نماز میں امام کی غلطی پر متنبہ کرنے کے لئے دُشک دیتے وقت
 اس کی ممانعت ہے کہ بتیلی پر بتیلی ماری جائے کہ اس سے تالی کی آواز پیدا ہوتی
 ہے اور یہ لہو ہے، جب لہو و لعبے اتنا پرہیز آئے تو سماع میں بطریق اولیٰ مرامیر
 کی ممانعت ہونی چاہیے۔“

حضرت خواجہ فرماتے تھے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے درد و ذوق
 سماع میں آپ کی کیفیت

ہو جاتی ہے لیکن جسے عالم ذوق کی خبر نہیں، اس کے سامنے پڑھنے والے کتنا ہی پڑھیں اور کیسے ہی مزامیر
 کیوں نہ ہوں اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا، اسلئے کہ وہ اہل درد میں سے نہیں، اس کام کا تعلق درد سے ہے نہ کہ مزامیر غیر
 چنانچہ حضرت خواجہ کا حال یہ تھا کہ عارفانہ اور عاشقانہ اشعار سنتے ہی آپ پر سخت وقت طاری ہوتی
 لیکن اس طرح کہ لوگوں کو خبر نہ ہوتی، خدام بدمال دیتے جاتے اور وہ آپ کے آنسوؤں سے تر ہو جاتے جاتے،
 یہ دیکھ کر لوگ سمجھتے کہ آپ پر گریہ طاری ہے

امیر خورد (جو خود بھی اپنی کسبی میں ان مجالس سماع میں شریک ہوتے تھے اور زیادہ تر اپنے والد
 اور چچا سے ان پر کیف مجلسوں اور ان ہمدان انگیز اشعار کا ذکر کرتے ہیں جو وہاں پڑھے گئے) کہتے ہیں کہ
 بعض مرتبہ بہت شعر پڑھے جاتے لیکن کیفیت نہ پیدا ہوتی، یکایک کوئی ہندی کا دوہا یا فارسی کا
 کوئی شعر پڑھ دیتا اور مجلس مکیف ہو جاتی۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شاہی امیر قیرمک نے ایک مجلس آستانہ کی، مشائخ و صدور شہر کا اجتماع
 تھا، سماع شروع ہوا، کہنے والے بہت کچھ سناتے رہے کچھ اثر نہیں ہوا، آخر حسن بہمدی قحالی نے یہ شعر پڑھا
 در کلبہ درویشی در محنت بنویشی
 مگذار مرا با من ہر سوئے مکن افسانہ

اس شعر کا پڑھنا تھا کہ حضرت سلطان المشائخ پر گریہ اور ایک حالت طاری ہوئی اور اس
 کیفیت کا تمام حاضرین مجلس پر اثر ہوا، اور سب مکیف ہو گئے

ایک دوسری مجلس کا ذکر ہوا بالافانہ پر مجلس ہو رہی تھی امیر خسرو کھڑے تھے اور سلطان المشائخ
ناسازی طبع کی وجہ سے چارپائی پر تشریف رکھتے تھے، حسن بہدی نے سعدی کا یہ شعر پڑھا۔
سعدی تو کلیستی کہ در آئی دریں کند

چنداں قتادہ اندک ماصید لا غریم

حضرت خواجہ پر گریہ طاری ہوا اور اس میں ڈوب گئے، خواجہ اقبال رومال بٹھاتے جاتے تھے اور
آپ آنسو پونچھ کر حسن بہدی کی طرف ان کو بٹھاتے تھے۔ کچھ دیر کے بعد سماع ختم ہوا، امیر حاجی فرزند
امیر خسرو نے امیر خسرو ہی کی غزل پڑھنی شروع کی جس کا ایک شعر یہ تھا۔
خسرو تو کلیستی کہ در آئی دریں شمار

کیں عشق تیغ بر سر مردانِ ذوق است

حضرت خواجہ پر پھر وہی کیفیت طاری ہوئی اور گریہ کا غلبہ ہوا
ایک مرتبہ امیر خسرو نے غزل پڑھی جس کا مطلع تھا۔
رخ جلا را نمود مرا گفت تو مبیں

زین ذوق مست بنجیرم کیں سخن چہ بود

آپ نے گوشہ چشم سے امیر خسرو کو دیکھا، اور کیفیت طاری ہوئی۔

عام طور پر جس شعر پر حضرت خواجہ کو ذوق آتا تھا، دہلی کی مجلسوں اور شہر کی گلیوں میں عرصہ
تک اس کا چرچا رہتا تھا اور لوگ اس سے لطف لیتے تھے اور ذوق حاصل کرتے رہتے تھے سلطان
علاء الدین نے بھی اہل دربار اور حضرت خواجہ کے یہاں آنے جانے والوں کو تاکید کر رکھی تھی کہ جس

شعر پر حضرت خواجہ کو ذوق آئے اس کو یاد رکھا جائے اور بادشاہ کو سنا یا جائے۔ اکثر جب بادشاہ نے وہ شعر سنا جس پر حضرت خواجہ کو ذوق آیا تھا تو بڑی تعریف کی اور دیر تک ذوق لیتا رہا۔

ذوق قرآن | قرآن مجید کا ذوق، اسکے حفظ کا اہتمام اور تلاوت کی کثرت مشائخ حقیقت کا خصوصی ذوق اور ان کی قدیم روایت ہے۔ خواجہ بزرگ معین الدین چشتی سے لیکر حضرت خواجہ نظام الدین تک سب کے یہاں قرآن مجید کا خصوصی ذوق اور شغف ملتا ہے اور ہر ایک نے اپنے خلفاء اور مریدین باختصاص کو حفظ قرآن اور اشتغال بالقرآن کی تاکید کی ہے۔

خلافت دیتے وقت شیخ کبیر نے حضرت خواجہ کو حفظ قرآن کی وصیت کی تھی حضرت خواجہ نجمیہ وصیت پوری کی اور دہلی پہنچتے ہی اس کا سلسلہ شروع کر دیا حضرت خواجہ اپنے مریدین اور اصحاب خاص کو بھی اس کی رعایت دیتے رہتے تھے اور تاکید فرماتے تھے۔ امیر حسن علاء بخاری جب حضرت خواجہ سے متعلق ہوئے تو وہ بونہے تھے اور شعرو شاعری زندگی بھر کا مشغلہ تھا حضرت خواجہ نے ان کو ہدایت کی کہ قرآنی ذوق کو شعرو شاعری کے ذوق پر غالب کریں۔ امیر فوائد الفواد میں فرماتے ہیں :-

بارہ از لفظ مبارک مخدوم شنیدام میاید بارہاں مخدوم کی زبان مبارک سے میں نے
کہ قرآن خواندن بر شعر گفتن غالب یہ لفظ سنے ہیں کہ چاہیئے کہ قرآن کا پڑھنا
شعر کہنے پر غالب آجائے۔

پھر ان کو حفظ قرآن کی ہدایت ہوئی۔ انھوں نے ایک ثلث یاد کر لیا تو ارشاد ہوا۔
دیگر ہا اندک اندک یاد گیر و یاد تھوڑے تھوڑے یاد کر و اد اگلا یاد کیا ہوا
گر فقہ پیشینہ مکر می کن دہراتے رہو۔

۱۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، از مولانا مناظر احسن گیلانی (جلد دوم) - ۱۲

مولانا بدرالدین اسحاقی کے صاحبزادے خواجہ محمد حضرت خواجہ کی کفالت پرورش میں تھے ان کو بھی قرآن مجید یاد کرایا۔ خواجہ محمد امام بیٹے اچھے حافظ و خوش الحان تھے ان کو آپ نے نماز کا امام بنایا تھا ان کی قرأت سے آپ بڑے محفوظ ہوتے اور آپ کو ان کی قرأت سن کر بڑی رقت اور ذوق آتا۔ ان کے دوسرے بھائی خواجہ موسیٰ بھی حافظ و قاری تھے معمول تھا کہ جب دسترخوان پر بیٹھتے تو پہلے خواجہ محمد اور خواجہ موسیٰ کچھ قرآن شریف پڑھتے، اسکو دعائے مانڈہ کہتے تھے۔ اس کے بعد کھانا شروع ہوتا تھا۔ اپنے نواسوں (خواہر زادہ کے صاحبزادگان) خواجہ رفیع الدین وغیرہ کو بھی قرآن حفظ کرایا۔ خود بھی زوافل میں قرآن شریف پڑھتے اور خاص خدام سے دریافت فرماتے کہ ان کا کیا معمول ہے ؟

شیخ سے تعلق | یوں تو جو شخص جس سے کوئی نعمت پاتا ہے اگر اس کی طبیعت میں شرافت اور احسانمندی کا جذبہ ہے اس کا گردیدہ ہوتا ہے اور اسکو اپنا محسن سمجھتا ہے

لیکن حضرت خواجہ کو اپنے محسن سے عاشقانہ اور الہانہ تعلق تھا اور انکے اختصاص امتیاز اور روحانی ترقیات میں اسکو خاص دخل تھا۔ اس محنت کا نتیجہ یہ تھا کہ تھا کہ جب کسی محبوب کی تعریف ہوتی تو انکو اپنے شیخ کی یاد آ رہے ہو جاتی اور وہ انھیں کو اسکا مصداق سمجھتے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شیخ کی زندگی میں ایک مجلس میں قوال نے شعر پڑھا۔

محرام بدیں صفت مبادا

کز چشم بدت رسد گزندہ

فرماتے ہیں کہ مجھے شیخ کے اخلاق و اوصاف ان کا فضل و کمال اور ان کی لطافت و زیبائی یاد آ گئی۔ ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ بیان نہیں ہو سکتی۔ قوال نے چاہا کہ آگے بڑھے میں نے بار بار وہی شعر پڑھوایا، یہ کر

کر کے گریہ طاری ہو گیا۔ فرمایا اسکے بعد زیادہ دن نہیں گزرے کہ حضرت نے انتقال کیا۔

جماعت کا اہتمام اور بلند مہمتی | ضعف پیری اور شدید مجاہدات کے باوجود جماعت نماز پڑھنے کا بھی اہتمام تھا صاحب سیر الاولیا لکھتے ہیں:-

عمر شریف اسی سے متجاوز نہ ہوئی۔ حبیب بھی پانچوں وقت جماعت سے نماز

پڑھنے کے لئے بالافانہ سے (جو بہت بلند تھا) جماعت خانہ میں اتر کر ان

درویشوں اور ساتھیوں کے ساتھ جو وہاں موجود ہوتے تھے جماعت کے ساتھ نماز

ادا کرتے تھے۔ اس کبر سنی کے باوجود ہمیشہ روز رکھتے، کم افطار کرتے۔

بشریت کی پابندی اور اتباع سنت کا اہتمام | حضرت خواجہ خود بھی اتباع سنت کا اہتمام بلیغ رکھتے تھے کہ بقول سعدی

محال است سعدی کہ راہ صفا

توان رفت جز در پے مصطفیٰ

اور اپنے اصحاب و خدام کو بھی بڑی تاکید فرماتے تھے۔ سنن کے علاوہ تاکید تھی کہ مستحبات و آداب تک

قوت نہ ہوں۔ سیر الاولیا میں آپ کا ارشاد منقول ہے:-

استقامت می باید کہ بر متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی

رسول علیہ السلام والقلوۃ باشد و اتباع پر مضبوطی ثابت قدمی دکھانی

و بیچ مستحب و آدابے فوت نہ شود۔ چاہیے اور کوئی مستحب اور آداب بھی فوت نہ ہونے پائے۔

مشائخ کے لئے اور جس کو پیری مریدی کے نامہ، شریعت کا علم ضروری سمجھتے تھے تاکہ اس کے کوئی عمل خلاف شریعت نہ صادر ہو۔ نہ دوسرے کو کسی خلاف شرع امر کی تلقین کرے۔ فرماتے ہیں:-

”پیراں چناں باید کہ در احکام شریعت و پیرایا چاہیے کہ احکام شریعت و طریقت

طریقت حقیقت عالم باشد و چوں و حقیقت کا (ضروری) علم رکھتا ہو اور جب ایسا

ایں چنین باشد و خود هیچ نام شرع ہوگا تو وہ کسی خلاف شرع کام کے لئے

نہ فرماید۔ نہ کہے گا۔

باب پنجم

افادات و تحقیقات

علمی پایہ | حضرت خواجہ باطنی کمالات کے ساتھ علوم ظاہری میں بھی بلند پایہ رکھتے تھے، اپنے زمانہ کے تمام مروجہ علوم کو بلند ہمتی، محنت اور اہتمام سے پڑھا تھا، ان کے اساتذہ میں اس عہد کے نامور ترین فضلا اور شیوخ ہیں، ادب اور علوم دینیات کی تعلیم انھوں نے مستوفی الممالک شمس الملک مولانا شمس الدین غلامی سے پائی تھی، حدیث کا درس مولانا کمال الدین زاہد محمد ابن احمد ربیعلی سے لیا جو صاحب شارح الانوار ام حسن ابن محمد الصغافی کے شاگرد اور ربیع واسطہ صاحب ہدایہ کے شاگرد تھے۔ کچھ کتابوں کو شیخ کبیر حضرت فرید الدین گنج شکرؒ سے پڑھ کر علم میں مزید جلا حاصل کی۔

علمی ادبی مناسبت | اگرچہ اپنی مناسبت فطری اور شیخ کی نسبت باطنی کے اثر سے روز بروز الفاظ کے مقابلہ میں معانی اور معانی کے مقابلہ میں حقائق و احوال اور اسامی سے زیادہ ”مسمیٰ“ میں مشغولیت بڑھتی گئی، پھر بھی علم و ادب مناسبت اور علمی ذوق آخر تک قائم رہا۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ مولانا رکن الدین چغز نے کشف اور مفصل اور ان کے علاوہ بعض کتابیں حضرت سلطان المشائخ کی خاطر نقل کیے کہ خدمت میں پہنچائیں۔ یہ دونوں کتابیں مشہور معتزلی فاضل علامہ محمد جبار اللہ بلہ سیر الاولیاء ص ۳۱۷

زمخشری (متوفی ۵۳۸ھ) کی تصنیف میں پہلی کتاب تفسیر میں ہے اور دوسری نحو میں، اس سے بھی آپ کے علمی ذوق اور وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی سیر الاولیاء میں کہ سید خاموش ابن سید محمد کربانی مجلس خلوت میں ”خمسہ نظامی“ حضرت خواجہ کی خدمت میں پڑھتے تھے۔ آپ کا ادبی ذوق اتنا بلند اور پاکیزہ تھا کہ امیر خسرو جیسے سرآمد روزگار شاعر (جو اپنے طرز میں نظیر اور فارسی کے صفا اول کے شعراء میں ہیں) کہ شاعری میں مشورہ دیا اور رہنمائی فرمائی۔ سیر الاولیاء میں ہے کہ ابتدا میں امیر خسرو جو غزل کہتے تھے اس کو حضرت سلطان المشاغ کی خدمت میں نظر اصلاح پیش کرتے تھے۔ ایک روز حضرت ان سے کہا کہ صفا ہانیوں کے طرز میں کہا کرو۔

سلطان غیاث الدین تغلق کے دربار میں جو مجلس مناظرہ ہوتی تھی اس میں حضرت خواجہ نے مسئلہ پر جو تقریر اور اس کی تنقیح فرمائی اس سے بھی حضرت کے علمی مرتبہ اور وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔

ہندوستان میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے عہد سے پہلے کتب صحاح متداول نہیں ہوئی تھیں اور صحیحین تک سے لوگ زیادہ مانوس اور آشنا نہیں تھے۔ حدیث میں مشارق الانوار اور مشکوٰۃ سرمایہ علمی اور حدیث کا انتہی سمجھی جاتی تھی۔ بکثرت موضوع اور ضعیف احادیث صوفیوں کی زبان پر جاری اور بزرگوں کے ملفوظات مجالس میں بے تکلف منقول ہیں۔ نقد حدیث اور موضوعات کا علم علامہ محمد طاہر مٹینی سے پہلے یہاں نظر نہیں آتا۔ حضرت خواجہ کے ملفوظات اور سوانح سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایسی بہت سی بے اصل روایات (جو زبان و خلعت ہیں) استدلال نہیں فرماتے تھے اور آپ کی اس نظر تھی کہ احادیث صحیحہ کا سب سے مستند مجموعہ صحیحین ہیں فوائد القواد میں ہے کہ کسی نے دریافت کیا کہ یہ

حدیث کیسی ہے: السخی حبیب اللہ وان کان کاخراً“ فرمایا: کسی کا مقولہ ہے، ایک شخص نے عرض کیا کہ: یہ ابنِ رحیل حدیث کی حدیث ہے۔ فرمایا: جو کچھ صحیحین میں ہے وہ صحیح ہے۔

اہمیت علم | اپنے مشائخ کرام کی طرح آپ کی نظر میں بھی علم کی بڑی اہمیت اور عظمت تھی اور اسکو سالیکن اور ان لوگوں کیلئے جو ارشادِ تربیت کا کام کریں اپ بہت ضروری سمجھتے تھے۔

لہ فوائد الفوائد ص ۱۰۳

اس موقع پر اس کا اظہار ضروری ہو گیا جو اس کے کہ آپ صحیحین کے مرتبہ سے واقف تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحاح ستہ کے عام طور پر اور صحیحین کے خاص طور پر ہندوستان میں متداول نہ ہونے کی وجہ ان علماء و مشائخ کا اشتغال نہیں تھا۔ خود آپ بھی (اگر مجلسِ منظرہ کی دُعا صحیح ہے) مجلسِ مناظرہ میں جن حدیثوں کو حلتِ سماع کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے وہ صحاح کی احادیث نہیں ہیں اور محدثین کے نزدیک ان کا پایہ کچھ بلند نہیں ہے۔ فریقِ متقابل کے علماء نے بھی جو اکابر علماء اور اعیانِ قضاۃ میں سے تھے جس طرح گفتگو اور استدلال کیا ہے اس علمِ حدیث سے نہ صرف ان کی بے خبری کا ثبوت ملتا ہے بلکہ ایک عالمِ دین کو اسکے بارے میں جو رویہ اختیار کرنا چاہیئے اس کی کمی کا بھی احساس ہوتا ہے۔ کتب صحاح اور نقدِ حدیث اور جرح و تعدیل کے فن کے شائع نہ ہونے کی وجہ خلفاءِ مول میں بہت سی ایسی رسوم یہاں تک کہ مسجدِ تعظیمی رائج تھیں اور بہت ایسے اوقات و ایام کے فضائل کی روایات مشہور تھیں اور مشائخ کے ملفوظات میں ان کا بڑی آب و تاب سے ذکر آتا ہے۔ جن کا احادیث کے صحیح مجموعوں میں کوئی وجود نہیں اور محدثین ان پر سخت کلام کرتے ہیں اسکو پیشِ نظر رکھتے ہوئے حضراتِ محدثین اور ان مخلصین کی کوششوں کی قدر ہوتی ہے جنہوں نے ہندوستان میں فنِ احادیث کی اشاعت کی اور صحیح وضعیف احادیث میں امتیاز پیدا کیا۔ شکر اللہ مساعیہ۔

بنگال کے ایک نہایت عالی استعداد نوجوان جو بعد میں انجی سراج الدین کے نام سے مشہور ہوئے اور جو پندرہ کی مشہور عالم چشتی خانقاہ کے بانی اور سر حلقہ ہیں۔ لکھنؤ سے بنیت ارادت دہلی آئے حضرت خواجہ کے مرید ہوئے۔ اپنے مولانا فخر الدین رازی سے فرمایا کہ: ”یہ جوان بڑی قابلیت رکھتا ہے اگر کچھ علم ظاہر بھی رکھتا ہوتا تو درویشی میں مستحکم ہوتا۔“ یہ بات سنا کر مولانا فخر الدین نے عرض کیا کہ: اگر اجازت ہو تو میں اس کو کچھ عرصہ اپنی صحبت میں رکھ کر ضروری مسائل یاد کرادوں۔ فرمایا کہ: یہ آپ کی صحبت کا بڑا مستحق ہے مولانا فخر الدین ان کو اپنے ساتھ لے گئے اور عرصہ قلیل میں علم سے مناسبت پیدا کرادی حضرت خواجہ کی وفات کے بعد بھی وہ تکمیل علم کے لئے کچھ عرصہ دہلی میں ٹھہرے رہے پھر وطن واپس آ گئے اور مشرق و بنگالہ میں سلسلہ چشتیہ کی اشاعت کا ذریعہ بنے۔

بلند علوم و مضامین | علم ظاہر و باطن کی اس جامعیت اخلاص اور تفکر و مجاہدات کی بنا پر آپ کو ان بلند اور صحیح علوم اور حقائق و معارف حصہ فرما جو اولیاء کاملین اور کبار مخلصین ہی کو ملا کرتا ہے اور جو صفائے باطن طہارت اخلاق اور اخلاص کا نتیجہ ہے اور جس کو اہل تصوف علوم لدنیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ صاحب سیر الاولیاء لکھتے ہیں کہ کسی علم میں گفتگو ہوتی یا کوئی اشکال پیش آتا، آپ اپنے نور باطن سے ان کا جواب شافی عطا فرماتے۔

اے نقائے تو جواب ہر سوال

مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

آپ اس مسئلہ پر ایسی بلخ تقریر فرماتے کہ تمام حاضرین مجلس حیرت میں رہ جاتے اور ایک دوسرے کہتے کہ یہ کتابی جوابات نہیں ہیں۔ یہ الہام ربانی اور علم لدنی کے فیوض ہیں اسی بنا پر شہر کے چوٹی کے علماء جو تصوف کے منکر اور اہل تصوف کے مخالف شہوتھے حضرت خجہ اچھے کے حلقہ بگوش اور اپنے علمی غرور اور زعم پر یام ہوئے اور آپ کے خدام اور ارادتمندوں میں شامل ہو گئے۔

اس علمی رسوخ، آبارِ سنت اور استقامت علی الشریعت نے آپ کے ذہن کو ایسا
علوم صحیحہ شرعیہ | سلیم اور مستقیم بنادیا تھا کہ اہل تصوف میں جہاں عرصہ دراز سے ظاہر شریعت کے
 کے خلاف چلی آتی تھیں اور بہت جگہ اہل تصوف کا شعار بن گئی تھیں، آپ اپنی سلامتی ذہن سے ان کو قبول نہیں
 کرتے تھے اور آپ کا ذوق اور تحقیق ان کے خلاف تھی۔

تصوف کے حلقوں میں بہت عرصہ سے اس خیال کا اظہار ہو رہا تھا کہ ولایت نبوت سے افضل
 اور اولیاء کو انبیاء پر فضیلت حاصل ہو اسلئے کہ ولایت عبارت ہو حضرت حق کے ساتھ مشغولیت اور ماسوی اللہ
 سے انقطاع سے اور نبوت میں ردِ دعوت و تبلیغ کی وجہ سے (مخلوق کے ساتھ مشغولی ہوتی ہے، پھر اس میں کئی
 مذہب پیدا ہو گئے اور کسی نے یہ تاویل کی کہ انبیاء کی ولایت ان کی نبوت سے افضل ہے، لیکن آپ اسکو تسلیم
 نہیں کرتے۔ فوائد الفواد میں ہے کہ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ:۔ یہ مذہب باطل ہے، اس سبب سے کہ
 اگرچہ انبیاء مخلوق کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں لیکن جس وقت کہ وہ حق کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں اس
 مشغولیت کا قلیل سے قلیل زمانہ بھی اولیاء کے تمام اوقات پر فضیلت رکھتا ہے۔

تصوف کے متعلق عام طور پر یہ سمجھا اور مشہور کیا گیا ہے کہ تصوف
حلال مانع راہ خدا نہیں | تعطل اور بیکاری و عملی کا نام ہے اور ہر اشتغال وصول اللہ سے ملنے

۱۱ میرالاولیاء ص ۱۲

۱۲ فوائد الفواد ص ۱۲ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمہ نے اتنا مزید اضافہ کیا کہ انبیاء، عین مشغولی بخلق
 کی حالت میں بھی اولیاء سے (عین اس وقت جب وہ حق کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں) زیادہ متوجہ
 الی اللہ اور مشغول باللہ ہوتے ہیں) ان کی مشغولیت بخلق چونکہ حکم الہی سے ہوتی ہے اسلئے وہ عین مشغولیت
 بحق اور امر الہی کا امتثال ہوتا ہے۔ ۱۳

اور اس سلوک کا رہنما ہے حضرت خواجہ معرفت و تحقیق کے جس مقام پر فائز تھے اور مسائل و رسوم سے بلند ہو کر مقاصد اور لب لباب پر جس طرح آپ کی نظر تھی اس کا مقتضایہ تھا کہ آپ اس مقام سے آگے بڑھ چکے تھے اور فعل حلال و مشروع کی نورانیت اور اس کا ذریعہ قرب ہونا آپ کی نظر میں تھا جعفر خواجہ سید محمد گیسو دراندہ کے ملفوظات جوامع الکلم میں ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین نے فرمایا:-

پہنچ کسے (چیز) کہ حلال است مانع کوئی چیز جو حلال ہے راہ خدا کی مانع
راہ خدا کی نیست و قاطع سلوک نیست اور قاطع سلوک نہیں ورنہ مشروع و
دگر نہ مشروع و حلال نہ ہوئی حلال نہ ہوتی۔

قلب متوجہ الی اللہ کے بعد کوئی چیز مضر نہیں | ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ خدا کی طرف
متوجہ دل اور پاک نفس چاہئے اسکے
بعد جس کام میں رہنا ہو رہو، تمہیں کوئی نقصان نہ ہوگا۔

ترک دنیا اور حقیقی زہد و ریشی کی حقیقت بیان کرتے ہوئے
ترک دنیا کی حقیقت | ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:-

ترک دنیا ان نیست کہ کسی خود را ترک دنیا کے معنی یہ نہیں میں کہ کوئی
برہنہ کند مثلاً لنگو تہا بند و بنشیند اپنے کو تنگ کر دے مثلاً لنگوٹ باندھ کر
ترک دنیا ان است کہ لباس بپوشد بیٹھ جائے، صبح معنی میں ترک دنیا یہ
و طعام بخورد و انچه بر سر و ابدار د ہے کہ کپڑے پہنے، کھانا کھائے اور
و بجمع او میل نکند و خاطر متعلق جو کچھ میسر آئے اس کو استعمال کرے،

۱۔ جوامع الکلم ص ۱۶۲ یعنی مشروع وجوہ معاشی اور ظاہری مشاغل وغیرہ۔ ۲۔ میرا اولیاء ص ۱۶۲

بہ چیز سے ندارد ترک دنیا است لیکن اسکے جمع کرنے کی طرف متوجہ نہو اور

اپنے دل کو کسی چیز میں پھنسا نہیں یہی ترک دنیا ہے

فرمایا:۔ طاعت کی دو قسمیں ہیں لازم اور متعدی۔ طاعت

طاعت لازم و متعدی لازم اسے کہتے ہیں جس کی منفعت طاعت کرنے والے کو

پہنچے، جیسے نماز، روزہ، حج، ادراد و تسبیحات وغیرہ۔ طاعت متعدی وہ ہے جس کی منفعت

اور راحت دوسرے کو پہنچے، مثلاً دو مسلمانوں میں اتفاق کر دینا، شفقت، دوسروں کے ساتھ

مہربانی وغیرہ اس کو طاعت متعدی کہتے ہیں اور اس کا ثواب بے حدود بے اندازہ ہے۔

طاعت لازم کی قبولیت کے لئے بڑے اخلاص کی ضرورت ہے اور طاعت متعدی

جس طرح بھی کرے گا ثواب ملے گا۔

ارشاد ہوا کہ اولیاء سے جو کچھ اظہار ہوتا ہے وہ ان کی منکر و مستحکم

کانتیجہ ہے اسلئے کہ وہ اصحاب سکر ہیں، اسکے برخلاف انبیاء و اوصیاء

صحو ہیں، سالک کیلئے کشف کرامات حجابِ اہ ہیں، محبت استقامت پیدا ہوتی ہے۔

فرمایا کہ:۔ تین مرتبے ہیں۔ ایک مرتبہ جس کو طور حسن کہنا چاہئے، دوسرا

طور عقل اور تیسرا طور قدس۔ طور حسن میں مطعومات (کھانے پینے کی

چیزیں) مشعومات (جن کی خوشبو محسوس ہوتی ہے) وغیرہ محسوسات معلوم ہوتی ہیں، اسکے بعد طور عقل ہے

اس کا تعلق وہ علموں سے ہے، کسی اور بدیہی، لیکن عالم قدس میں پہنچ کر عقل سے حاصل کئے ہوئے کسی علم بھی

بدیہی معلوم ہونے لگتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ بدیہی بھی علم قدس نہیں ہے، کسی کا کیا ذکر؟ وہ انبیاء و اولیاء کے

علوم ہیں۔ اسکے بعد فرمایا کہ جس پر عالم قدس کا دروازہ کھلتا ہے اسکی علامت کیا ہو سکتی ہے؟ جو شخص

عالم عقل میں ہوتا ہے اور وہ کسی مسئلہ کو بدیہی یا کسی علم سے حل کرتا ہے اور اس سے اس کو ایک فرحت حاصل ہوتی ہے وہ عالم قدس میں راہ نہیں پاتا۔ اس درمیان میں کسی بزرگ کا واقعہ بیان کیا کہ وہ فرماتے تھے کہ غیب سے کچھ علوم اور واردات دل پر گزرتے ہیں انشاء اللہ ان کو قلم بند کروں گا، اسکے بعد بہت کچھ لکھا۔ پھر فرمایا کہ بہت کچھ لکھا گیا لیکن جو کچھ مقصود تھا وہ ضبط تحریر میں نہیں آسکا۔

دنیا کی محبت اور عداوت | ایک دن اس کا ذکر ہو رہا تھا کہ کسی کو دنیا کی محبت ہوتی ہے اور کسی کو اس سے نفرت۔ فرمایا کہ: تین طرح کے لوگ ہیں جو دنیا کو دوست رکھتے ہیں اور دن رات اس کی یاد اور فکر میں رہتے ہیں ایسے لوگ بہت ہیں۔ کچھ دوسرے لوگ ہیں جو دنیا سے نفرت کرتے ہیں اور اس کا حقارت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور ہشیہ اسکی دشمنی میں رہتے ہیں۔ تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کو نہ دنیا سے محبت ہوتی ہے نہ نفرت اور اس کا ذکر محبت یا عداوت کے ساتھ نہیں کرتے، یہ پہلی دونوں قسموں سے بہتر ہے۔ اس کے بعد اپنے حکایت سنائی کہ:- ایک شخص حضرت ابا عبد بصریؒ کے پاس آیا اور دنیا کی سخت نیت کرنے لگا۔ حضرت ابا عبد بصریؒ نے اس سے کہا کہ:- برائے مہربانی آپ اسکے بعد نہ آئیے گا۔ آپ کو دنیا سے محبت معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ آپ اسکا بہت ذکر کرتے ہیں۔

مراتب تلاوت قرآن | ایک مرتبہ اپنے تلاوت قرآن پاک کے مراتب اس طرح بیان فرمائے کہ: پہلا مرتبہ یہ ہے کہ جو کچھ پڑھے اسکے معانی دل پر گرا لے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ پڑھنے والے کا دل حق تعالیٰ کے ساتھ متعلق و مشغول ہو۔

فرماتے کہ قرآن پڑھتے ہوئے تو کم از کم اس شعور کو ہر شخص میں ہونا چاہیے کہ میں اس نعمت کے

لائق کہاں تھا اور میرے نصیب ایسے کہاں تھے کہ مجھے یہ دولت ملے، اگر یہ سب حاصل نہ ہو تو پیٹھ پر جس ثواب اور جزا کا وعدہ ہے اسکو ذہن میں تازہ اور مستحضر رکھا جائے۔

اگرچہ حضرت خواجہؒ نے جیسا کہ انھوں نے کئی بار ارشاد فرمایا کوئی تصنیف نہیں کی، لیکن آپ کی سب سے بڑی تصنیفات آپ کے تربیت کئے ہوئے اور آپ کی صحبت پائے ہوئے وہ حلقے کبار اور اصحابِ نامدار ہیں جو عملِ صحیح اور علمِ صحیح کا نمونہ تھے اور جن کے دل راستی علم کی گہرائی اور فہم کی پختگی "راستخیز فی العلم" کے شایانِ شان تھے۔ امیر حسن علامہ سنجر کی فوائد الفوائد اور امیر نعور دکنی سیر الایام میں آپ کے بہت سے اقوال و ملفوظات منقول ہیں جو آپ کی شانِ تحقیق کا مظہر ہیں۔

۵ فوائد الفوائد ص ۱

۶ فوائد الفوائد ص ۴ و خیر المجالس ص ۳۵

بائششم

فیوض و برکات

تجدید ایمان و توبہ عام | قبل اس کے کہ اُن فیوض و برکات کا ذکر کیا جائے جو حضرت
خواجہ نظام الدینؒ کے ساتھ تعلق اور ان کے ہاتھ پر توبہ و بیعت
کے ذریعہ لاکھوں مسلمانوں کو پہنچے اور ایک ایسے زمانہ میں جب مسلمانوں کی حکومت اپنے پورے عروج پر تھی اور
غفلت، خدا فراموشی اور نفس پرستی کے اسباب و محرکات پورے شباب پر تھے، ایک ایسی دینی اور
روحانی لہر پیدا ہوئی جس کو ہر محسوس کرنے والے نے محسوس کیا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مشائخ
طریقت کی بیعت عام اور ارشاد و تلقین توبہ کی حکمت اور ضرورت بیان کر دی جائے، تاکہ معلوم ہو
کہ کن حالات و ضروریات کے ماتحت اس طریقے کو اختیار کیا گیا اور اس کی دینی فوائد پہنچے، راقم سلوک
نے تالیف دعوت و عزیمت کے حصہ اول میں حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کے تذکرہ کے ضمن میں جو
کچھ لکھا تھا پہلے اسی کو کسی قدر اختصار و ترمیم کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے:-

”خبر القرون کے بعد اسلامی آبادی کا پھیلاؤ اور زندگی کی ذمہ داریاں اور

معاشی تفکرات اتنے بڑھ گئے تھے کہ خصوصی تعلیم و تربیت کے ذرائع سے عمومی اصلاح و تربیت کا کام نہیں لیا جاسکتا تھا اور کسی بڑے پیمانہ پر کسی دینی اور روحانی انقلاب کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی پھر اس کی کیا صورت تھی کہ مسلمانوں کی بڑی تعداد اپنے ایمان کی تجدید کرے، دینی ذمہ داریوں و پابندیوں کو اور شعور و احساس مذہبی کیساتھ دوبارہ قبول کرے، اس میں پھر اپنی ایمانی کیفیات اور دینی جذبات پیدا ہوں، اسکے انسرودہ و مردہ دل میں پھر محبت کی گرمی پیدا ہو اور اسکے ضمحل قویٰ میں پھر حرکت و نشاط پیدا ہو، اسکو کسی مخلص خدا شناس پر اعتماد ہو اور اس سے وہ اپنے مراض و معانی و نفسانی علاج اور دین کی صحیح روشنی اور رہنمائی حاصل کرے۔ ناظرین کو اس کا اندازہ ہو چکا ہے کہ اسلامی حکومتیں جن کا یہ اہلی فرض تھا (اسلئے کہ جس نبی کی نیابت و نسبت پر وہ قائم تھیں بقول سیدنا عمر بن عبدالعزیزؓ وہ ہدایت کیلئے مبعوث ہوا تھا۔ "جبارت" تحصیل وصول کے لئے نہیں) نہ صرف اس فریضہ سے غافل اور کنارہ کش ہو چکی تھیں بلکہ اپنے سربراہوں اور عمال حکومت کے اعمال و کردار کے لحاظ سے اس کام کیلئے مضراور اس کے راستہ میں مزاحم تھیں، دوسری طرف وہ اس قدر بدگمان، توہم پرست اور شکی واقع ہوئی تھیں کہ کسی نئی تنظیم اور نئی دعوت کو جس میں قیادت سیادت کی آمیزش پائیں برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ اسکو وہ فوراً کچل کر رکھ دیتیں۔ ایسی صورت میں مسلمانوں میں نئی دینی زندگی، نیا نظم و ضبط اور نئے سرے سے حرکت و عمل پیدا کرنے کیلئے اسکے علاوہ کیا شکل تھی کہ خدا کا کوئی مخلص بندہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر ایمان و عمل اور اتباع شریعت کیلئے بیعت لے اور مسلمان اس کے ہاتھ پر اپنی سابقہ غفلت و جاہلیت کی زندگی سے توبہ اور ایمان کی تجدید کریں اور پھر وہ نائبِ نبیؐ کی دینی نگرانی

و تربیت کرے، اپنی کیمیا اثر صحبت، اپنے شعلہ محبت، اپنی استقامت اور اپنے
 نفس گرم سے پھر ایمانی حرارت، گرمی محبت، خلوص و لہریت، جذبہ اتباع سنت و شوق
 آخرت پیدا کر دے، اُن کو اس نئے تعلق سے محسوس ہو کہ انھوں نے ایک زندگی سے توبہ
 کی ہے اور ایک نئی زندگی میں قدم رکھا ہو اور کسی اللہ کے بندے کے ہاتھ میں ہاتھ دے
 دیا ہے، وہ بھی یہ سمجھے کہ ان بیعت کرنے والوں کی اصلاح و تربیت اور ان کی
 دینی خدمت اللہ نے میرے سپرد کی ہے اور اس محبت و اعتقاد کا مجھ پر نیا حق قائم
 ہو گیا ہے، پھر اپنے تجربوں، اجتہاد اور کتاب سنت کے اصول و تعلیمات کے مطابق ان میں
 صحیح روحانیت، تقویٰ اور ان کی زندگی میں ایمان، احتساب، اخلاص اور ان کے
 اعمال و عبادات میں ایمانی کیفیت اور روح پیدا کرنے کی کوشش کرے، یہی حقیقت
 ہے، اس بیعت تربیت کی جس سے دین کے مخلص اعمیوں نے اپنے اپنے وقت میں احیاء و تجدید
 دین اور اصلاح مسلمین کا کام لیا ہو اور لاکھوں بندگان خدا کو حقیقت ایمان اور
 درجہ احسان تک پہنچا دیا ہے۔“

بیعت ایک عہد معاہدہ | یہ بیعت پچھلے گناہوں سے توبہ اور خدا و رسول کے احکام کی
 تعمیل اور اتباع شریعت کا ایک معاہدہ ہوتا تھا۔ سلطان

المشاخ بیعت لینے وقت بیعت کرنے والے سے کیا الفاظ کہلاتے تھے اور آئندہ کیلئے اسے کیا
 عہد لیتے تھے کسی تذکرہ میں اس کے صحیح الفاظ نظر سے نہیں گزرے، لیکن حضرت خواجہ نے خود اپنے شیخ و
 مرشد شیخ کبیر حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر کے بیعت لینے کا طریقہ اور ان کی تلقین کا ذکر کیا ہے اور
 ان کو اپنے شیخ سے جو الہام تعلق اور ان کی پیروی کا جو جذبہ تھا اس سے یہی قیاس کیا جاسکتا ہے

کہ وہ بھی اسی طرح اپنے نئے مریدین کو تلقین فرماتے ہوں گے۔ ارشاد ہے:-

”جب کوئی شخص شیخ شیوخ العالم فرید الدین و الحق کی خدمت میں بنیت ارادت آتا فرماتے پہلے ایک بار سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص پڑھو اسکے بعد سورہ بقرہ کا آخری رکوع امن الرسول سے آخر تک پڑھتے، اسکے بعد شہد اللہ اند لا الہ الا هو..... ان الدین عند اللہ الاسلام تک پڑھتے، اسکے بعد فرماتے کہ تم نے بیعت کی اس ضعیف کے ہاتھ پر اسکے شیخ اور شیخ کے شاخ کے ہاتھ پر اور حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک پر اور حضرت عزت (جل مجد) سے عہد کیا کہ اپنے ہاتھ پاؤں اور آنکھوں کی حفاظت اور شریعت راستہ اور طریقہ پر قائم رہو گے۔“

بیعت کی اس تلقین میں اسلام کے بنیادی عقائد آگئے، سمع و طاعت (سننے اور ماننے) کا وعدہ اور ارادہ بھی آگیا، یہ بات بھی آگئی کہ اللہ کے یہاں قابل قبول دین صرف دین اسلام ہے اس کا احساس بھی بیدار و تازہ کر دیا گیا کہ یہ بیعت دراصل دست مبارک نبوی پر ہے اور شیخ کا ہاتھ اس دست مبارک کا قائم مقام ہی۔ رب العزت سے اس کا بھی عہد کیا گیا کہ ہاتھ پاؤں اور آنکھوں کی معصیتوں سے حفاظت کی جائے گی اور راہ شریعت پر قائم رہا جائیگا، تجدید ایمان اور خدا و رسول سے اپنا پرانا عہد استوار کرنے کا اس سے بہتر اور عام فہم طریقہ کیا ہو سکتا ہے؟ یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ بیعت کرنے والے سو فی صدی اس عہد پر قائم رہتے تھے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بیعت کرنے والوں میں ایک بڑی تعداد اس اقرار اور عہد کی شرم اور لاج رکھتی اور ہزاروں اور لاکھوں بندگان خدا کے لئے یہ تجدید ایمان اور انقلاب حال کا ذریعہ بن جاتی۔

بیعت ارشاد میں ان حضرات نے جو وسعتِ اذنِ عام فرما رکھا تھا اور جس طرح

عمومِ بیعت کی حکمت

بغیر کسی امتحان اور امتیاز کے لوگوں کو اجازت تھی کہ وہ بیعت کیوں اور

حلقہٴ امانت میں داخل ہو جائیں، خاص طور پر حضرت خواجہ کے یہاں اس باب میں وسعتِ رعایت تھی، اس پر بعض لوگوں کو یہ کھٹک پیدا ہو سکتی ہے کہ جب بیعت ایک معاہدہ ہو اور اس کا تعلق پوری زندگی سے ہے تو اس میں اتنی وسعت کیوں رہا رکھی گئی ہے؟ حضرت خواجہ نے ایک موقع پر خود ہی اس اشکال کا جواب دیا اور اس عمومیت کی حکمت بیان کی ہے۔

مولانا فیض الدین برنی (مصنف تاریخ فردوز شاہی) فرماتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر تھا، اشراق سے چاشت تک آپ کی روح پرور جان نوا باتیں سنتا رہا اس دن خاص طور پر بہت کثرت سے لوگ بیعت ہوئے، یہ دیکھ کر میرے دل میں آیا کہ مشائخ متقدمین نے مرید کرتے میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔ سلطان المشائخ نے اپنی فیاضی عنایت سے اس اذنِ عام دیدیا ہے اور آپ خاص نام سب کے مرید کر لیتے ہیں، میں نے چاہا کہ میں اس بارے میں سوال کروں سلطان المشائخ اپنے کشف سے میرے خطرے پر مطلع ہو گئے، فرمایا:-

”مولانا فیض الدین! تم ہر طرح کی باتیں پوچھتے ہو، یہ نہیں پوچھتے کہ

میں بغیر تحقیق کے آنے والوں کو کیوں مرید کر لیتا ہوں۔“

یہ سن کر مجھ پر لرزہ سا طاری ہو گیا اور میں نے آپ کے قدم لیکر عرض کیا کہ ایک عرصے سے میرے دل میں یہ اشکال

تھا آج بھی یہ دوسوہ آیا تھا، اللہ نے آپ کے دل میں یہ بات ڈال دی حضرت نے فرمایا:-

”حق تعالیٰ نے ہر زمانہ میں اپنی حکمتِ بالغہ سے ایک خاصیت لکھی ہے، اس کا نتیجہ

یہ ہے کہ ہر زمانہ کے لوگوں کی راہِ درم اور عادتیں الگ ہوتی ہیں اور ان کے مزاج و

طبیعت پچھلے لوگوں کے اخلاق و طبائع سے میل نہیں کھاتے، تھوڑے لوگ اس

مستثنیٰ ہوتے ہیں اور یہ ایک تجربہ کی بات ہے۔ ارادت کی اصل یہ ہے کہ مرید ماسوی اللہ سے منقطع اور مشغول مع اللہ ہو جائے، جیسا کہ کتب متون میں تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ مشائخ متقدمین حسب تک طالب ارادت میں انقطاع کلی نہ دیکھ لیتے بیعت کا ہاتھ نہیں بڑھاتے تھے، لیکن سلطان ابوسعید الانخیری کے عہد سے لیکر شیخ سیف الدین باخزنی کے زمانے تک اسرار شیخ المشورخ شیخ شہاب الدین سہروردی سے لیکر شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس سرہ اللہ العزیز کے وقت تک کہ یہ سب حضرات سرآمد ہنگار اور آیۃ من آیات اللہ تھے، خلق خدا کا ان کے دروازوں پر ہجوم ہوا اور ہر طبقہ کے لوگوں نے اللہ دھام کیا، ان بندگانِ خدا نے آخرت کی ذمہ داریوں کو کران عاشقانِ خدا کا دامن تھا مناجا اور ان مشائخ کبار نے بھی خاص عام کو اپنی بیعت میں قبول کیا، اور خرقہ، توبہ و تبرک عطا کیا، ہر شخص ان محبوبانِ خدا کے معاملہ پر اپنے کو قیاس نہیں کر سکتا کہ شیخ ابوسعید شیخ سیف الدین باخزنی، شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس سرہ اللہ اسرار ہم نے جس طرح لوگوں کو مرید کیا، میں بھی مرید کروں اس لئے کہ اگر خدا کا کوئی محبوب گناہگاروں میں ایک عالم کو اپنے دامن عاطفت میں لے لے تو لے سکتا ہے۔ اب میں تمہارے سوال کا جواب لیتا ہوں کہ میں مرید کرنے میں کیوں زیادہ احتیاط سے کام نہیں لیتا اور اپنا اطمینان نہیں کرتا ایک وجہ تو یہ ہے کہ میں علی سبیل التواضع رہا ہوں کہ بہت سے مرید ہونے والے معصیت تائب ہو جاتے ہیں، نماز واجاعت ادا کرنے لگتے ہیں اور او را د و نوافل میں مشغول ہو جاتے ہیں، اگر میں بھی شروع ہی سے اس بات کی شرط کروں کہ ان میں ارادت کی حقیقت یعنی انقطاع کلی پایا جاتا ہے کہ نہیں، اور ان کو توبہ و تبرک کا خرقہ (جو خرقہ،

ارادت کی جگہ پر ہے) مزدوں تو وہ خیر کی اس مقدار سے بھی جو ان اللہ کے بندوں
وجود میں آ رہی ہے محروم ہو جائیں گے، دوسرا سبب یہ جو کہ بغیر سکے کہ میرے دل خیال
آئے یا میں اسکی درخواست اور التماس کروں یا کوئی وسیلہ اور سفارش اختیار کروں
شیخ کامل و مکمل (شیخ کبیر) نے مجھے بیعت لینے کی اجازت دی۔ میں دیکھتا ہوں کہ ایک
مسلمان بڑی عاجزی و در ماندگی اور بڑی مسکنت و بیچارگی کے ساتھ میرے پاس آتا ہے
اور کہتا ہے کہ میں نے تمام گناہوں کو توبہ کی، میں یہ سمجھ کر کہ شاید اسکی بات سچ ہو، اسکو
بیعت کر لیتا ہوں، خاص طور پر اسلئے کہ بہت سے معتبر لوگوں سے سنتا ہوں کہ
بہت سی بیعت کر نیوالے اس بیعت کی وجہ سے معاصی سے باز آ جاتے ہیں۔

اس بیعت و تعلق کا جس سے مسلمانوں کے ہر طبقہ کے لوگ کیسا مستفیض
عمومی زندگی پر اثر ہوئے عام زندگی و معاشرت، لوگوں کے اخلاق، عادات، اشغال و وقت
اور اہل حکومت یکساں اہل حوزہ کا کے حالات پر کیا اثر پڑا، اور دار الحکومت دہلی میں جو شوکت و قوت
دولت و ثروت اور عیش و عشرت کا گہوارہ تھا اور مال غنیمت اور سینکڑوں ہزاروں برس کے خزانوں کے
ذرا جو اہر، صنایعوں کی مصنوعات اور ملک کے اطراف و جوانب کے تحائف و عجائبات روزانہ سیل
رواں کی طرح وہاں امنڈ رہے تھے۔ دینداری، خدا طلبی، عشق الہی، توبہ و انابت اور رجوع الی اللہ
صفائی معاملات، راست گفتاری اور دیانت داری کی کیا کیفیت پیدا ہو گئی تھی اس کی تفصیل اس
عہد کے صاحب نظر اور معتبر مؤرخ ضیاء الدین برنی کی زبان سے سنئے وہ سلطان علاء الدین خلجی
کے زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

۱۵ سیر الاولیاء ص ۳۶۶ و ۳۶۷ بحوالہ حسرت نامہ مولانا ضیاء الدین برنی ۱۵ تاریخ فیروز شاہی کے اقتباس
کا ترجمہ سید صباح الدین عبدالرحمن ایم، ۱۵ (رفیق دار المصنفین) کتاب "برہن صوفیہ" سے حذف و
اختصار کیا تو نقل کیا گیا ہے۔ ص ۱۹۹ و ۲۰۰

”سلطان علاء الدین کے زمانہ کے مشائخ میں سے سجادہ تصوف شیخ الاسلام نظام الدین
 شیخ الاسلام علاء الدین اور شیخ الاسلام رکن الدین سے آراستہ تھا ایک دنیا ان کے
 انفاسِ متبرکہ سے روشن ہوئی اور ایک عالم نے ان کی بیعت کا ہاتھ پکڑا اور ان کی مدد سے
 گناہگاروں نے توبہ کی اور ہزاروں بدکاروں اور بے نمازیوں نے بدکاریوں سے ہاتھ اٹھا
 لیا اور ہمیشہ کے لئے پابندِ نماز ہو گئے اور باطنی طور پر دینی مشغلے کی طرف رغبت ظاہر کی اور
 توبہ صحیح ہو گئی اور عباداتِ بلازمہ اور متعدیہ کا معمول ہو گیا اور دنیا کی حرص و محبت جو انسانوں
 کے قوائد اور فرمانبرداری کی بنیاد ہے ان مشائخ کے اخلاقِ حمیدہ اور ترکائے تجرید کے
 معاملات کے دیکھنے سے دلوں کے ہر گہرے اور سالکوں کو نوافل اور وظائف کی کثرت اور
 اوصافِ عبودیت کی پابندی سے کشفِ کرامات کی آمد و دل میں پیدا ہونے لگی اور
 ان بزرگوں کی عباداتِ معاملات کی برکت سے لوگوں کے دلوں میں پچائی پیدا ہو گئی اور
 ان کے مکاتبِ اخلاق و مجاہدہ و ریاضت کے دیکھنے سے اللہ والوں کے دلوں میں اخلاق کے
 بدلنے کی خواہش پیدا ہوئی اور ان دینی بادشاہوں کی محنت اور اخلاق کے اثر سے خداوند
 تعالیٰ کے فیض کی بارش دنیا میں ہونے لگی اور آسمانی مسیبتوں کے درد از سے بند ہو گئے اور
 ان کے زمانہ کے لوگ قحط و دبا کی مسیبت میں مبتلا اور گرفتار نہیں ہوئے اور ان کی
 مخلصانہ اور عاشقانہ عبادت گزاری کی برکت سے مغلوں کا فتنہ جو سب سے بڑا فتنہ تھا ایسا
 فرو ہوا اور یہ تمام ملائین اس قدر آوارہ و بے راہ ہوئے کہ اس کے زیادہ تباہ نہیں ہو سکتے تھے اور
 یہ تمام باتیں جو ان تینوں بزرگوں کے وجود سے ان کے معاصرین کو نظر آئیں وہ شعائرِ اسلام
 کی بلندی کا ذریعہ بن گئیں اور احکامِ شریعت و طریقت کو جو رونق و رواج حاصل ہوا اس کا
 کیا کہنا، کتنا عجیب زمانہ وہ تھا، جو سلطان علاء الدین کے آخری دسویں سال نظر آیا، ایک

طرف سلطان علاء الدین نے ملک کی بہتری کے لئے تمام فحش اور ممنوع چیزوں کو
 اور فسق و فجور کے اسباب کو قہر و غلبہ تعزیر و تشدد اور قید و بند سے روک دیا اور مال جو
 دینی اور ملکی فساد کا ذریعہ اور ہوا پرستوں کیلئے گناہوں کا آلہ اور حریصوں، بخیلوں
 اور تاجروں کیلئے سود، ذخیرہ اندوزی کا سامان اور فتنہ پردازوں کے لئے بغاوت کی
 استعداد اور نیکیوں کے لئے کبر، مفاخرت، غفلت اور کلمندی پیدا کرنے والا ہے اور
 عبادت گزاروں کے لئے نسیان و فراموشی کا باعث ہے، سلطان علاء الدین ہر بہانہ سے
 کہ جو اسکو ملتا مالداروں اور حکام سے سختی سے لے لیتا اور بازار داروں کو کہ دنیا کی تمام
 قوموں میں سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والی اور سب سے زیادہ فریب کرنے والی قوم ہے سچائی
 اختیار کرنے، سچائی کے ساتھ مال بیچنے اور سچ کہنے کے لئے خون حرام میں کھاتا تھا۔
 دوسری طرف اسی زمانہ میں شیخ الاسلام نظام الدین نے بیعت کا عام دروازہ کھول
 رکھا تھا اور گناہگاروں کو خرقہ پہناتے اور ان سے توبہ کراتے تھے اور اپنی مرید
 میں قبول کرتے تھے، اور خاص عام، غریب و دولت مند، بادشاہ و فقیر، عالم و جاہل
 شریف و ذلیل، ہنری اور دیہاتی، غازی و مجاہد، آزاد و غلام، سب کو طاقیہ توبہ
 اور پاکی کی تعلیم دیتے تھے اور یہ تمام لوگ چونکہ اپنے کو شیخ کا مرید سمجھتے تھے،
 بہت گناہوں سے باز آتے تھے، اور اگر شیخ کے کسی مرید سے لغزش ہو جاتی بھی تو
 پھر از سر نو بیعت کر لیتے اور توبہ کا خرقہ عطا کرتے تھے اور شیخ کی مریدی کی شرم
 تمام لوگوں کو بہت سی ظاہری و باطنی برائیوں سے روک دیتی تھی اور عام طور پر
 لوگ تقلید و اعتقاد کی وجہ سے عبادت کی طرف رغبت کرتے تھے، مرد و عورت
 بڑے، جوان، بازاری، عامی، غلام اور نوکر سب کے سب نماز ادا کرتے تھے،

اور زیادہ تر مرید چاشت و اشراق کے پابند ہو گئے تھے۔ آزاد اور نیک کلام کنویاں نے شہر سے غیاث پور تک چند تفریحی مقامات پر چوتھرے قائم کر دیئے تھے، چھتر ڈال دیئے تھے، کنویں کھدوا دیئے تھے، پانی سے بھرے ہوئے گھڑے اور مٹی کے لوٹے رکھوا دیئے تھے، چٹائیاں بچھوا دی تھیں، ہر چوتھرہ اور ہر چھپرے میں ایک چوکیدار اور ایک ملازم مقرر کر دیا تھا، تاکہ مرید اور توبہ کرنے والے نیک لوگوں کو شیخ کے آستانے تک آنے جانے میں نماز ادا کرنے کے وقت دھوکہ کرنے کے لئے کوئی تردد نہ ہو اور چوتھرہ اور چھپرے میں نفل پڑھنے والے نمازیوں کا ہجوم دیکھا جاتا تھا، ارتکاب گناہ لوگوں کے درمیان کم ہو گیا تھا، اور اکثر آدمیوں کے درمیان چاشت، اشراق، ادابین، تہجد اور زوال کے وقت رکعات نماز کی تحقیق زیادہ تھی کہ انی نوافل میں ہر وقت کتنی رکعتیں ادا کرتے ہیں اور ہر رکعت میں کلام پاک کی کون سی سورہ اور کون سی آیت پڑھتے ہیں۔۔۔۔۔ پنچگانہ نمازوں اور ہر نفل سے فارغ ہونے کے بعد کون کون سی دعائیں آتی ہیں۔ اکثر نئے مرید شیخ کے قدیم مریدوں سے غیاث پور کی آمد و رفت کے وقت پوچھتے تھے کہ شیخ رات کی نماز میں کتنی رکعتیں پڑھتے ہیں اور ہر رکعت میں کیا پڑھتے ہیں اور عشاء کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتنی بار درود بھیجتے ہیں اور شیخ فرید اور شیخ بختیار رات دن میں کتنی بار درود بھیجتے تھے اور کتنی بار سورہ اخلاص پڑھتے تھے، نئے مرید شیخ کے قدیم مریدوں سے اسی قسم کے سوالات کرتے تھے، روزے، نوافل اور تقلیل طعام کے متعلق پوچھتے تھے، اس نیک زمانہ میں اکثر آدمیوں کو حفظ قرآن کا ذوق پیدا ہو گیا تھا، نئے مرید شیخ کے پرانے مریدوں کی صحبت میں رہتے تھے، پرانے مریدوں کو طاعت عبادت

تذکرہ تصوف کی کتابوں کے پڑھنے، مشائخ کے اوصاف حمیدہ اور ان کے معاملات کے بیان کرنے کے سوا کوئی دوسرا کام نہ تھا، دنیا اور دنیا داروں کا ذکر ان کی زبان پر نہیں آتا تھا، کسی دنیا دار کے گھر کی طرف اپنا رخ نہیں کرتے تھے، دنیا اور اہل دنیا کے میل جول کی حکایتیں سنتے تھے اور اس کو عیب اور گناہ جانتے تھے۔ کثرت نوافل اور اسکی پابندی کا معاملہ اس بابرکت زمانہ میں اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ بادشاہ نے محل میں بہت سے امراء و سلاحدار، لشکر، شاہی نوکر، شیخ کے مرید ہونے تھے اور چاشت و اشراق کی نمازیں ادا کرتے تھے، ایام بیض اور عشرہ ذی الحجہ کے روزے رکھتے تھے اور کوئی محلہ ایسا نہیں تھا جس میں ایک مہینہ بیس دن کے بدصلیحا کا اجتماع نہیں ہوتا تھا، اور صوفیوں کی محفل سماع نہیں ہوتی تھی اور باہم گریہ و زاری نہیں کرتے تھے۔ شیخ کے چند مرید تراویح کی نمازیں مسجدوں اور گھروں میں ختم قرآن کرتے، وہ لوگ جو مستقیم الحال ہو چکے تھے، رمضان جمعہ اور ہفت روزوں کی راتوں میں قیام کرتے اور صبح تک بیدار رہتے، پلاک کو پلاک سے نہیں لگنے دیتے، شیخ کے مریدوں میں سے بڑے درجہ کے مرید تمام سال رات کے ایک یا دو تہائی حصے تہجد کی نماز میں گزارتے، بعض عبادت گزار عشا کی نماز کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے، شیخ کے مریدوں میں سے چند آدمیوں کو میں جانتا ہوں کہ شیخ کے فیض نظر سے صاحب کشف و کرامات ہو گئے تھے، شیخ کے مبارک وجود، ان کے انفاس کی برکت، ان کی مقبول دعاؤں کی وجہ سے اس ملک کے اکثر مسلمان عبادت، تصوف اور زہد کی طرف مائل اور شیخ کی ارادت کی طرف راغب ہو گئے تھے۔ سلطان علاء الدین اپنے تمام گھروالوں کے ساتھ شیخ کا معتقد اور مخلص ہو گیا تھا، خواص و عوام کے دلوں نے نیکی اختیار کر لی تھی، عہد علانی کے چند آخری سالوں میں شراب، معشوق، فسق و

فجور، جوا، فحاشی وغیرہ کا نام اکثر آدمیوں کی زبان پر نہیں آنے پاتا، بڑے بڑے
گناہ لوگوں کے نزدیک کفر کے مشابہ معلوم ہونے لگے تھے۔ مسلمان ایک دوسرے کی
شرم سے سو ذخوار ہی اور ذخیرہ اندوزی کے کلم کلام تکب نہیں ہو سکتے تھے، بازار
والوں سے جھوٹ بولنے، کم تولنے اور آمیزش کرنے کا رواج اٹھ گیا تھا، اکثر اعلیٰ
اور بڑے بڑے لوگوں کی رغبت جو شیخ کی خدمت میں رہتے تھے، تصوف اور احکام
طریقت کی کتابوں کے مطالعہ کی طرف ہو گئی تھی، قوت القلوب، احیاء العلوم
ترجمہ احیاء العلوم، عوارف، کشف المحجوب، شرح تعرف، رسالہ قشیری،
مرصاد العباد، مکتوبات عین القضاة، لوائح و لواحق قاضی حمید الدین ناگوری،
فوائد الفوائد، میر حسن بجنوری کے بہت سے خریدار پیدا ہو گئے تھے، زیادہ تر
لوگ، کتب فروشوں سے سلوک، عقائد کی کتابوں کے بارے میں دریافت
کرتے تھے، کوئی گپڑی ایسی نہ تھی جس میں مسواک اور کنگھی لٹکی نظر نہ آتی تھی، صوفیوں
کی کثرت خریداری کی وجہ سے بوٹے اور چرمی طشت گراں ہو گئے تھے، محال
کلام یہ کہ خداوند تعالیٰ نے شیخ نظام الدین کو پچھلی صدی میں شیخ جلیل اور شیخ
بازید کے مثل پیدا کیا تھا۔

توبہ، تجدید ایمان اور اصلاح حال کے اس عام ذوق و رجحان کے
عشق کا ”روزہ بازار“ علاوہ جس سے دہلی کا کوچہ کوچہ متاثر ہو رہا تھا اور ایوان شاہی اور
”بام ہزارستون“ تک اس کی لہریں پہنچی تھیں، ایک نئی تبدیلی یہ تھی کہ دماغی سخت اور قلبی افسردگی کی

اس دنیا میں جہاں نئے ونوش اور عجیب کوش کے سوا عرصہ سے کوئی صدا بلند نہیں ہوئی تھی، جذبہ
ابھی کی ایک ہوا چلنے لگی اور عشق کا سودا عام ہو گیا، ہر جگہ درد و محبت کا تذکرہ، حقیقت و معرفت
کی باتیں اور عارفانہ و عاشقانہ اشار کی گونج تھی۔ امیر خورشید مصنف سیر الاولیاء نے خوب لکھا ہے:-

کار محبت و عشق را روز باز آئے	محبت و عشق کے کار و بار کا زمانہ
در جہاں پیدا آمدے خلق	میں ایک بازار لگ گیا، لوگوں کو
را در آں زمان راحت جز حکایت	سماع کی حکایات، سننے، اخلاص و
سماع و اخلاص و نیاز مندی و شفقت	دنیا ز مندی، شفقت و نرمی، دلجوئی
وینیت و دل دریا فتن و سرور زیر	اور اہل دل کے قدموں پر سر رکھ دینے
پائے اہل دلان نہادن کارے دیگر	کے علاوہ کسی ادربات سے راحت
نہ درے	نہیں حاصل ہوتی تھی۔

اس سلسلہ ارشاد و تربیت اور طریقہ عشق و محبت کو ہندوستان میں
خلفاء کی تربیت | دور دور تک پھیلانے اور دیر تک قائم رکھنے کے لئے اپنے اپنے عالی
استعداد، سراپا اخلاص خلفاء کا بڑا اہتمام فرمایا، ان میں وہ سب اوصاف و کمالات پیدا کرنے کی کوشش
فرمائی جو مشائخ کاملین کے لئے ضروری ہیں، ان سے مجاہدات کرائے، ان کے قلوب کی نگرانی کی،
ان میں جو اعلیٰ استعداد رکھتے تھے، لیکن زیورِ علم سے عاری تھے ان کی تعلیم و تکمیل کا بندوبست
کیا، ان میں سے جن کے دلوں سے ابھی تک بحث و مناظرے کا نشہ نہیں گیا تھا، ان کی اصلاح
فرمائی جو خلق خدا کی رہنمائی اور اجتماعی زندگی کے اہل تھے، لیکن انھیں گوشہ نشینی، عزلت گزینی

اور انفرادی عبادات و مجاہدات کا ذوق تھا، ان کو اجتماعی زندگی اختیار کرنے اور خلق خدا کی حفا و قفا کو برداشت کرنے پر مجبور کیا، املح و تربیت کا جو عالمگیر کام آپ کے پیش نظر تھا اور اپنے خواہ
اصحاب سے دین کی دعوت کا جو کام لینا تھا اس میں جو چیز خارج اور مزاحم نظر آئی آپ نے
اسکو ترک کر دیا۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ ایک سن بلند حیثیت کے دوستوں اور خدام نے جن کا طبعی تعلق
اور دھ سے تھا آپس میں طے کیا کہ سلطان المشائخ سے بڑھنے پڑھانے اور بحث و مذاکرہ کرنے
کی اجازت طلب کریں، اگرچہ ان دوستوں میں سے ہر ایک عالم فہم تھا لیکن سلطان المشائخ کے
فیض صحبت سے یاد حق میں مشغول تھا، مگر جس کام میں عمر گزاری تھی اس کا شوق بالآخر اس کا
محرم ہوا۔ مولانا جلال الدین کو لوگوں نے آگے کیا اور خدمت میں حاضر ہوئے حضرت سلطان المشائخ
پر یاد آئی کی ایسی کچھ تجلی تھی کہ لوگوں کو بات کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ مولانا جلال الدین
کو کچھ جرأت تھی، انھوں نے عرض کیا کہ حضرت اگر اجازت ہو تو آج باب کسی وقت بحث کر لیا
کریں؟ سلطان المشائخ سمجھ گئے کہ یہ ان سب علماء کا عندیہ ہے اور مولانا جلال الدین ان
کے نمائندہ ہیں۔ فرمایا کہ:- میں کیا کروں مجھے تو ان سے تو دوسرا ہی کام لینا مقصود ہے۔
مولانا سید نصیر الدین محمود جو بعد میں حضرت خواجہ کے خلیفہ اعظم اور اصل جانشین ہوئے
اور چراغ دہلی کے نام سے ان کا نام تمام دنیا میں روشن ہے، اس بات کے بڑے خواہشمند تھے
کہ وہ کسی جنگل یا پہاڑ پر بیٹھ کر خدا کی یاد کریں۔ انھوں نے ایک دن امیر خسرو کو واسطہ بنایا
اور کہلوا یا کہ یہ ناچیز اور دھ میں رہتا ہے، خلق کے ہجوم سے اپنی مشغولیت میں فرق پڑتا ہے
اگر اجازت ہو تو میں کسی صحرا یا پہاڑ پر رہ کر فراغ خاطر کے ساتھ خدا کی عبادت کروں۔

امیر خسرو نے جب یہ پیغام عرض کیا تو ارشاد ہوا:-

اور ابگو ترا در میان خلق می باید بود اُن سے کہہ دو کہ مخلوق ہی کے درمیان
و جفا و قنائے خلق می باید کشید رہنا ہوگا اور مخلوق کی بے مروتی اور
و مکافات آں بیدل و ایثار و عطا بے رخی کو برداشت کرنا ہوگا اور اس
می باید کرد کا بدلہ سخاوت و ایثار سے دینا ہوگا۔

مولانا حسام الدین ملتانی نے خلافت کے بعد عرض کیا کہ:- اگر اجازت ہو تو شہر چھوڑ دوں اور
کسی چشمہ کے کنارے سکونت اختیار کروں، اس لئے کہ شہر میں کنوؤں کا پانی ملتا ہے اور اس سے وضو کرنے میں دل
کو اطمینان نہیں ہوتا ہے ارشاد ہوا کہ نہیں شہر ہی میں رہو اور ایک عام آدمی کی طرح رہو سہو، نفس چاہتا ہے
کہ تم کو ایک آرام کی جگہ لیجائے اور ایسی جگہ رکھے کہ تمہیں جمعیت خاطر نصیب نہ ہو، جب تم شہر سے باہر چلے
جاؤ گے اور کسی چشمہ کے کنارے سکونت اختیار کرو گے تو پرہیزی اور شہری تمہارا سراغ لگا کر پہنچیں گے
اور مشہور ہوگا کہ فلاں درویش فلاں جگہ مقیم ہے اور پھر تمہارا وقت خراب کرے گا، اس کے علاوہ کنوئیں
کے پانی میں علما کا اختلاف ہے اور شریعت نے اس میں وسعت دی ہے۔

چشتی خاںقاہیں | اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہ کو بڑے جلیل القدر خلفاء عطا فرمائے تھے
جن میں سے حسب ذیل خاص طور پر مشہور و ممتاز ہوئے:-

- | | |
|----------------------------|-------------------------------|
| (۲) شیخ نصیر الدین محمود | (۲) مولانا شمس الدین کچلی |
| (۴) شیخ حسام الدین ملتانی | (۳) شیخ قطب الدین منور ہانسوی |
| (۶) مولانا علار الدین نیلی | (۵) مولانا فخر الدین زراوی |

۱۔ سیر الاولیاء ص ۲۳۷ ۲۔ پانی بھرنے والوں کی بے احتیاطی کی وجہ سے اور کسی چیز کے گرنے پڑنے کے خیال سے۔

- (۷) مولانا بریلان الدین غریبا (۸) مولانا یوسف چندیری
(۹) مولانا سراج الدین اخئی سراج (۱۰) مولانا شہاب الدین

مریدین باختصاص

- | | |
|---------------------------------|-------------------------------|
| (۱) خواجہ ابوبکر | (۲) مولانا محی الدین کاشانی |
| (۳) مولانا وجیہ الدین پاملی | (۴) مولانا فخر الدین مودری |
| (۵) مولانا فصیح الدین | (۶) امیر خسرو |
| (۷) مولانا جلال الدین | (۸) خواجہ کریم الدین سمرقندی |
| (۹) امیر حسن علائجری | (۱۰) قاضی شرف الدین |
| (۱۱) مولانا بہار الدین ادہمی | (۱۲) شیخ مبارک گوپاموی |
| (۱۳) خواجہ موید الدین کردی | (۱۴) خواجہ تاج الدین دادری |
| (۱۵) خواجہ ضیاء الدین برنی | (۱۶) خواجہ موید الدین انصاری |
| (۱۷) خواجہ شمس الدین خواہر زادہ | (۱۸) مولانا نظام الدین شیرازی |
| (۱۹) خواجہ سالار | (۲۰) مولانا فخر الدین میرٹھی |

ان میں حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کو آپ نے خلافت خاص عطا فرمائی اور اپنا
جانشین بنایا۔ وہ اپنے شیخ کے قدم بقدم تھے، انھوں نے نہایت نامساعد حالات اور سخت سیاسی
طوفانوں میں رشد و ہدایت کا یہ چراغ روشن رکھا۔ بقول شاعر:

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خزانہ

فرز تعلق کی تخت نشینی اور اس سے ہندوستان کو جو فیوض و برکات پہنچے اُس میں حضرت
سید نصیر الدین ہی کا ہاتھ تھا، پورے تیس سال تک انھوں نے سلسلہ چشتیہ کا مرکزی نظام دار الحکومت
دہلی میں بیٹھ کر کامیابی کیساتھ چلایا، پھر اس چراغ سے دوسرا چراغ روشن ہوا، جس نے جنوبی ہند
ہی نہیں سارے ہندوستان کو عشق و محبت کی حرارت سے گرم اور اس کی خوشبو سے موعظ
کر دیا، یعنی حضرت سید محمد گیسو دراز مدفون گلبرگہ (م ۸۲۵ھ) جن کے متعلق کسی صاحب
نظر نے کہا ہے ۵

ہر کو مرید سید گیسو دراز شد
واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد

حضرت سید نصیر الدین چراغ دہلی کے دوسرے خلیفہ علامہ کمال الدین (م ۷۵۶ھ) تھے،
جن کی اولاد اور خلفاء نے اس سلسلہ کو اس صدی تک آب و تاب کیساتھ قائم رکھا، اس سلسلہ
میں حضرت یحییٰ مدنی، شاہ کلیم اللہ جہان آبادی، مولانا شاہ فخر الدین دہلوی، خواجہ نور محمد ہاروی
شاہ نیاز احمد بریلوی اور خواجہ سلیمان تونسوی جیسے اکابر روزگار گزرے جنھوں نے عشق الہی
کا بازار گرم رکھا، اور لاکھوں بندگانِ خدا کے دلوں میں محبت الہی اور خدا طلبی کی آگ بھڑکی۔
حضرت چراغ دہلی کے خلفاء میں شیخ عبدالمقتدر کندی، شیخ احمد تھانیسری اور شیخ
جلال الدین حسین بخاری معروف بمخدوم جہانیاں جہاں گشت خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان میں
ہر ایک شیخ وقت اور مرتبہ خلافت تھا۔

۱۵ ملاحظہ ہو تاریخ فیروز شاہی، از سراج عقیف۔

۱۶ حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز کے حالات و کمالات کیلئے مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔

۱۷ ان بزرگوں کے مفصل حالات کیلئے ملاحظہ ہو ”تاریخ مشائخ چشت“ از پروفیسر خلیق احمد نظامی۔

دہلی کی مرکزی خانقاہ کے بعد جس کے مسند ارشاد پر یکے بعد دیگرے دو شیخ اجل حضرت خجہ
نظام الدین اور حضرت سید نصیر الدین چراغ دہلی ٹٹکن رہے۔ ہندوستان کے مختلف مقامات پر پٹو،
لکھنؤ، دولت آباد، گلبرگہ، برہان پور، زین آباد، مانڈو، احمد آباد، صفی پور، مانک پور، سلون میں چشتی
خانقاہیں قائم ہوئیں جنہوں نے صدیوں تک چراغ سے چراغ روشن رکھا اور عشق و محبت، صدق
و اخلاص، علو ہمت و عزیمت، خدمتِ خلق، ایثار و قربانی، بذل و عطا، فقر و زہد، علم و معرفت کی شمع
روشن رکھی اور ہندوستان کی فضا کو جس پر پے در پے مادیت اور غفلت کے حملے ہوتے رہے اور
کسی وقت ایسا محسوس ہوا کہ سارا ملک تنگ کی طرح غفلت و تعیش کے سیلاب میں بہ جائے گا اور
متاع دروہ جس کشتی میں ہے وہ بھی غرق ہو جائے گی، لیکن ان سوختہ سمانون اور سوختہ دلوں نے اس
متاع کی حفاظت کی اور یہ آگ کہیں نہ کہیں سگتی رہی ان میں ہر خانقاہ اور اسکے دینی و اصلاحی کارناموں
کیلئے ایک مستقل ضخیم کتاب درکار ہے، خاص طور پر بنگال میں شیخ علاء الحق پٹودی، حضرت نور قطب عالم پٹودی
۱۷ شیخ علاء الدین علاء الحق پٹودی اصل نام عمری، آپ کے والد اسعد لاہوری بنگال میں منصب وزارت پر فائز تھے۔ شیخ
علاء الحق حضرت محبوب الہی کے مشہور خلیفہ مولانا سراج الدین عثمانی اودی معروف باخی سراج (۷۵۸ء) کے خلیفہ اور پٹودہ
کی مشہور عالم چشتی خانقاہ کے بانی ہیں۔ سید اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھوی (۸۰۸ھ) آپ ہی کے خلیفہ ہیں۔ تیسرے میں وفات پائی۔
۱۸ نور الدین احمد نام، نور الحق اور قطب عالم لقب، اپنے والد شیخ علاء الحق پٹودی کے خلیفہ و جانشین تھے اللہ تعالیٰ نے
بڑی مقبولیت و مرجعیت عطا فرمائی، آپ کے زمانہ میں پٹودہ کی خانقاہ ہندوستان کی سب سے بڑی خانقاہ تھی۔ مجاہداتِ خدمتِ خلق
اور بے نفسی و خود شکنی اور علوم و حقائق میں مرتبہ عالی رکھتے تھے خلفاء میں حضرت شیخ حسام الدین حسام الحق، لکپوری
(۸۵۳ھ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جن کی ذات سے بہار اور اودھ میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی بڑی اشاعت ہوئی۔
۱۹ تیسرے میں وفات پائی، تصنیفات میں "مونس الفقراء"، "انیس الغریب"، اور "مکاتیب کا مجموعہ یادگار ہے۔
ماضی و کتبوبات میں غضب کی سادگی اور تاثیر ہے۔ (ملاحظہ ہونے پر ہوا نچو اطرچ ۳)

دکن میں شیخ برہان الدین غریب ان کے خلفاء ہیں شیخ زین الدین، شیخ یعقوب، شیخ کمال الدین ناگوری
نقشبندی، پھر ان کے خلیفہ قطب عالم عبداللہ بن محمود بن الحسن بن (م ۸۵۷) اور ان کے فرزند خلیفہ شاہ عالم گجراتی
نے بوریائے فقر پر بیٹھ کر اپنے اپنے زمانہ میں بادشاہی کی ہے۔

ابوہ میں شیخ وجیہ الدین یوسف، شیخ کمال الدین، مولانا مغیث الدین وغیرہ ادوہ میں
حضرت شیخ محمد بینا لکھنوی، شیخ سعد الدین قدوائی خیر آبادی، شیخ عبد الصمد عرف صفی الدین صفی پوری،
شیخ حسام الحق مانک پوری، شیخ عبدالکریم مانک پوری اور شاہ پیر محمد سلونی اور شاہ پیر محمد لکھنوی
خاص طور پر قابل ذکر ہیں یہ سب سلسلہ نظامیہ کے شیعہ کبار ہیں جنہوں نے اپنی اپنی جگہ ارشاد و ہدایت
اور تعلیم و تربیت کا سلسلہ سرگرمی کے ساتھ جاری رکھا۔ ان سے فیض پانے والوں کی تعداد کو خدا کے سوا
کوئی شمار نہیں کر سکتا۔

ان خالص چشتی خانقاہوں کے علاوہ ہندوستان میں بابا ایسی نامور خانقاہیں بھی قائم تھیں
جن کے مشائخ کبار اور بانیان سلسلہ کو سلسلہ نظامیہ کے مشائخ چشت سے نسبت خاص اور اجازت عام
حاصل تھی اور وہ چشتی ذوق اور نسبت کے حامل تھے ان میں سے جو نپور کی خانقاہ رشیدی اور پھلپوری
شریف کی خانقاہ مجیبی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ خانقاہ رشیدی کے بانی حضرت علامہ محمد رشید جونپوری
(م ۱۰۸۳ھ) کو اپنے شیخ طیب بنارسی اور سید احمد الحکیم حسینی مانکپوری سے سلسلہ حسینیہ نظامیہ میں
اجازت حاصل تھی، خانقاہ مجیبی کے بانی تاج العارفین حضرت شاہ محمد مجیب اللہ قادری پھلپوری
(م ۱۱۹۱ھ) کو سلسلہ چشتیہ نظامیہ اپنے پیر بیعت حضرت خواجہ عماد الدین قلندر اور حضرت شاہ
معین الدین کرچوی کے واسطے سے پہونچا ہے۔ شاہ معین الدین کرچوی حضرت شیخ پیر محمد سلونی کے
خلیفہ تھے۔

آخر میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی ذات سلسلہ نظامیہ و صابریہ اور ان کی خصوصیتوں

اور پرکتوں کی جامع تھی۔ حضرت حاجی صاحب کو سلسلہ نظامیہ سے نسبت حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے طریق سے حاصل تھی، جن کو حضرت درویش بن محمد قاسم اودھی سے سلسلہ نظامیہ میں اجازت تھی۔ حضرت درویش کو تین طریقوں سے سلسلہ نظامیہ پہنچا تھا۔

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تذکرۃ الرشید" ج ۲ (ص ۱۰۶)

بائیں

حضرت خواجہ کی تعلیم و تربیت کے اثرات آپ کے خلفاء کی دینی و اصلاحی خدمات

حضرت سلطان المشائخ نے اپنے خلفاء اور مریدین کی بڑے اہتمام اور توجہ سے تربیت فرمائی تھی۔ سلطان علاء الدین خلجی کے امر اور دربار اور ارکان سلطنت میں سے ایک بڑے عہدہ دار خواجہ موبد الدین تھے، ان کو حضرت خواجہ سے تعلق پیدا ہو گیا، اور یہ تعلق اتنا بڑھا کہ ان کی طبیعت سرکار دربار سے اچھا ہو گئی اور وہ حضرت خواجہ کی خدمت میں رہ پڑے۔ سلطان ان کا بڑا قدر دان تھا اور ان کی ضرورت محسوس کرتا تھا۔ اس نے ایک حاجب کے ذریعہ حضرت خواجہ سے شکایت کی اور کہا کہ: حضرت ہر ایک کو اپنا جیسا بنا چاہتے ہیں۔ حضرت خواجہ نے جواب میں فرمایا کہ ہاں اپنے جیسا کیا، اپنے سے بہتر ہے۔ حضرت خواجہ کی صحبت و تربیت سے صرف عبادت و ریاضت کا ذوق اور اپنی اصلاح ترقی ہی کی فکر نہیں پیدا ہوئی تھی بلکہ دعوتِ تبلیغ کا جذبہ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر کی ہمت اور حوصلہ

سلاطین وقت کے سامنے کلمہ حق کہنے کی جرات اور بے خوفی و شجاعت بھی یہ ایسی ہی تھی، اور یہ خدا کے نام اور مردان خدا کی صحبت کا لازمی نتیجہ ہے جس دل میں اللہ کا خوف سما جائے گا اُس دل سے غیر اللہ کا خوف قدرتی طور پر نکل جائیگا اور جو دل طمع دنیا سے آزاد ہو جائے گا اُس پر کسی کا رعب اور اس کو کسی سے ہراس نہیں ہو سکتا، جس پر خالق کی عظمت اور مخلوق کی صمیم حیثیت کا انکشاف ہو گیا، وہ سلاطین عالم کے کریم فرما، ان کے درباروں کے ترک احتشام ادا مان کے غلاموں اور افسروں کی صف بندیوں اور نگاہ روبرو اور دور باش کو بچوں کے کھیل اور گڑیوں کے گھروندوں سے زیادہ وقعت نہیں دے سکتا اور جاہ و جلال کی کسی نمائش پر کلمہ حق کہتے سے کبھی باز نہیں رہ سکتا، یہی توحید و تجرید کا طبعی نتیجہ حقیقی تصوف کا خاصہ اور مردان خدا اور درویشان کامل کا شیوہ ہے۔

دارا و سکندر سے وہ موقوف اولیٰ ہوجس کی فقیری میں بوئے اسد اللہی
 آئین جواں مڑاں حق گوئی دیبا کی اللہ کے شیریں کو آتی نہیں رویا ہی
 حضرت خواجہ کے تربیت یافتہ خدام و مریدین نے اس "اسد اللہی" اور اس حق گوئی و دیبا کی کے
 ایسے نمونے پیش کئے جن کی نظیر ملنی آسان نہیں۔

سلاطین وقت سے بے رسمی و حق گوئی کے نمونے | سلطان محمد تغلق کے شوکت و جرات
 سے تاریخ کا ہر طالب علم واقف

ہے۔ سلطان کا ایک مرتبہ ہانسی کے پاس سے گزر ہوا، وہاں سے چار کوس کے فاصلہ پر بنسی مقام میں
 نیمہ شاہی و خمر گاہ نصیب ہوا، سلطان نے مخلص الملک نظام الدین مذہباری کو جو اپنے ظلم و قساوت
 میں اس زمانہ میں مشہور تھا ہانسی کے حصار کے معائنہ کے لئے بھیجا، وہ جب حضرت شیخ قطب الدین
 منور علیہ حضرت شیخ جمال الدین ہانسی و خلیفہ حضرت سلطان المشائخ کے مکان کے پاس پہنچا تو دیکھا
 کیا کہ یہ مکان کس کا ہے؟ لوگوں نے کہا شیخ قطب الدین منور کا جو حضرت سلطان المشائخ کے خلیفہ ہیں

کہا کہ عجیب بات ہے کہ بادشاہ اس جوار میں آئے اور شیخ اس کے سلام کو حاضر نہ ہوں؛ مخلص الملائکے
 واپسی پر سب کیفیت عرض کی اور یہ بھی کہا کہ سلطان المشائخ کے ہانسی میں ایک خلیفہ ہیں جو جہاں پناہ کے
 سلام کیلئے حاضر نہیں ہوئے۔ بادشاہ کو یہ سن کر غصہ آیا، اسی وقت حسن سربرہ منہ کو جو ایک بڑا مغرور
 وجاہ پسند شخص تھا شیخ قطب الدین کو لانے کے لئے بھیجا، حسن سربرہ منہ جب مکان کے قریب
 پہنچا تو تہا پیادہ یا شیخ کی دہلیز میں آکر عاجزانہ طریقے پر بیٹھ گیا۔ شیخ نے بلایا حسن نے جا کر عرض کیا کہ آپ
 کی بادشاہ کے یہاں طلبی ہے۔ فرمایا کہ اس میں مجھے کچھ اختیار ہے یا نہیں؛ اُس نے کہا مجھے فرمانِ سلطانی
 ہے کہ میں آپ کو بہر حال لے آؤں۔ شیخ نے فرمایا الحمد للہ کہ میں اپنے اختیار سے نہیں جا رہا ہوں۔ پھر
 گھردلوں کی طرف رخ کیا اور فرمایا کہ تم کو خدا کے سپرد کیا، یہ کہا اور مصلیٰ کا منہ پر لٹا لٹھی ہاتھ میں
 لی اور پیادہ پاروانہ ہو گئے، حسن نے سواری کے لئے عرض کیا؛ فرمایا:۔ نہیں مجھ میں قوت ہے میں
 پیدل چل سکتا ہوں۔ جب منسی پہنچے تو سلطان کو خبر ہوئی، سلطان نے حکم دیا کہ دہلی چلیں۔ دہلی پہنچ کر
 دربارِ شاہی میں طلب کیا۔ شیخ نے فیروز شاہ سے جو اُس زمانہ میں نائب بارک تھے کہا کہ ہم فقیر لوگ ہیں
 بادشاہوں کی مجلس کے آداب سے واقف نہیں، جیسا آپ کا مشورہ ہو ویسا کیا جائے۔ فیروز نے
 جو فقیر دست اور صمیم الاعتقاد شخص تھا کہا کہ لوگوں نے آپ کے متعلق بادشاہ کے کان بہت بھرے ہیں؛
 اگر آپ کچھ تعظیم اور تواضع سے کام لیں تو بہتر ہے۔ ایوانِ شاہی کی دہلیز میں قدم رکھا تو امراء و ملوک اور نقیب چاروش
 مدد دینے کھڑے تھے۔ صاحبزادہ نور الدین جو ہانسی سے ہرکاب آئے تھے، کم عمر تھے اور انھوں نے کبھی بادشاہوں
 کی بارگاہ نہیں دیکھی تھی، ان پر ایک ہمیت سی طاری ہوئی۔ شیخ قطب الدین منور نے ان سے پکار کر کہا کہ؛
 یا انور الدین! العظمتہ والکبریاء للہ "صاحبزادہ کا بیان ہے کہ یہ سنتے ہی میرے اندر ایک قوت
 پیدا ہوئی، سارا رعب جاتا رہا اور ہوا امراء و ملوک وہاں کھڑے تھے وہ مجھے بالکل بکریوں کی طرح معلوم
 ہونے لگے۔ جب سلطان کو یہ اندازہ ہوا کہ شیخ آ رہے ہیں تو وہ کھڑا ہو گیا اور کمان ہاتھ میں لیکر تیر اندازی

میں مشغول ہو گیا۔ شیخ قریب آئے تو اس نے خلاف معمول تعظیم کی اور مصافحہ کیا۔ شیخ نے بہت مضبوطی سے بادشاہ کا ہاتھ پکڑا۔ بادشاہ نے کہا کہ میں آپ کے جوار میں پہنچا، آپ نے میری کوئی تربیت نہ فرمائی اور اپنی ملاقات سے عزت نہ بخشی، شیخ نے فرمایا کہ یہ درویش اپنے کو اس کا اہل نہیں سمجھتا کہ بادشاہوں سے ملاقات کرے، ایک کوئی ملحق ہوا بادشاہ اور اہل اسلام کی دعا گوئی میں مصروف ہو۔ اسکو معذرت سمجھا جائے۔ بادشاہ بہت متاثر ہوا اور اپنے بھائی فیروز شاہ سے کہا کہ شیخ کی جیسی مرضی ہو ویسا کرو۔ شیخ منور نے فرمایا کہ مجھ فقیر کا مقصود و مطلوب یہی ہے کہ اپنے دادا اور باپ کے گوشہ عاقبت میں واپس جائے۔ فیروز شاہ نے اس کی تعمیل کی۔ شیخ کی واپسی کے بعد بادشاہ نے ایک امیر سے کہا کہ مجھے جن بزرگوں سے مصافحہ کرنے کا اتفاق ہوا ہے جس نے مجھ سے ہاتھ ملایا اس کے ہاتھ میں کپکپی تھی لیکن شیخ منور نے اتنی مضبوطی سے مصافحہ کیا کہ ان پر ذرا اثر نہیں معلوم ہوتا تھا۔

بادشاہ نے فیروز شاہ اور مولانا ضیاء الدین برنی کو ایک لاکھ تنکے کے ساتھ شیخ منور کی خدمت میں بھیجا۔ شیخ نے فرمایا انکو بلائیں کہ یہ درویش ایک لاکھ تنکے قبول کرے۔ انھوں نے واپس آکر سلطان سے عرض کیا۔ سلطان نے کہا کہ اگر ایک لاکھ قبول نہیں کرتے تو پچاس ہزار پیش کر دو۔ شیخ نے اسکو بھی قبول نہ کیا۔ سلطان نے فرمایا اگر شیخ یہ بھی قبول نہ کریں گے تو خلعت مجھے کیا کہے گی۔ یہاں تک کہ بات و ہزار تک پہنچی۔ فیروز شاہ اور مولانا ضیاء الدین نے عرض کیا کہ اس سے کم کہا ہم بادشاہ کے سامنے تذکرہ نہیں کر سکتے، شیخ نے فرمایا کہ سبحان اللہ! درویش کو تو دوسیر چاول دال ایک انگ کا گھی کافی ہے وہ ان ہزاروں دپیوں کو کیا کرے گا، بڑی کوششوں اور جیلوں سے یہ کہہ کر بادشاہ درپے آزار ہو جائے گا، آپ نے دہزار تنکے قبول کئے اور وہ بھی اپنے برادران طریقت اور اہل حاجت میں تقسیم کر کے ہانسی واپس آ گئے۔

جس زمانہ میں سلطان محمد غزنوی نے دہلی کی آبادی کو دیوگیر منتقل ہو جانے کا حکم دیا، اس زمانہ میں اس نے عزم کیا کہ ترکستان اور خراسان کو بھی اپنے قبضہ میں لائے اور جنگیہ خان کی اولاد کا قلع قمع کئے، اسی زمانہ میں ہوا کہ دہلی اور تھک باتنگا اس عہد میں ہندوستان کا روپیہ تھا، اس میں ایک تو لچاری ہوتی تھی، یہ ترکی زبان کا لفظ ہے اسکے معنی سفید ہیں یعنی نقری سکے۔ ۲۵۳ھ تا ۲۵۵ھ

اٹرات دہلی کے تمام صدور و اکابر حاضر ہوں بڑے بڑے خیمے نصب کریں ان خیموں میں منبر رکھے جائیں اور ان منبروں پر چڑھ کر حضرات علماء و تقریر کریں اور جہاد کی ترغیب دیں۔ اس روز حضرت خواجہ نظام الدین کے خلفاء خاں مولانا فخر الدین رادی، مولانا شمس الدین بھٹی اور شیخ نصیر الدین محمود کی بھی طلبی ہوئی۔ شیخ قطب الدین دیر جو حضرت سلطان الشارح کے ایک اسیخ الاعتقاد مرید اور مولانا فخر الدین رادی کے شاگرد تھے مولانا فخر الدین کو سب سے

پہلے بارگاہ سلطانی میں لائے۔ مولانا کو سلطان کی ملاقات سے بہت اجتناب تھا۔ کسی بار فرمایا کہ میں اپنے سر کو اس شخص کے برابر میں گناہوا اور پڑا ہوا دیکھتا ہوں، یعنی میں کلمہ حق کہنے سے باز نہیں رہوں گا اور یہ شخص مجھے معاف نہیں کرے گا جب مولانا سرپردہ سلطانی میں داخل ہوئے تو شیخ قطب الدین دیر نے مولانا کی جوتیاں اٹھالیں اور خدمتگاروں کی طرح بغل میں لیکر کھڑے ہو گئے، سلطان نے ان سے کچھ نہیں کہا اور مولانا فخر الدین سے بات چیت میں مشغول ہو گیا۔ سلطان نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ میں چنگیز خاں کی اولاد کا قلع قمع کروں آپ اس کام میں ہمارا ساتھ دیں گے، مولانا نے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ۔ سلطان نے کہا کہ یہ شک کا کلمہ ہے مولانا نے فرمایا کہ مستقبل کے متعلق ایسا ہی کہا جاتا ہے، سلطان نے یہ سن کر بیچ و تاب کھایا اور کہا کہ ہمیں کچھ نصیحت کیجئے، مولانا نے فرمایا کہ غصہ باؤ۔ سلطان نے کہا کون سا غصہ۔ مولانا نے فرمایا غصہ مسیحی (درندوں والا غصہ)

اس پر سلطان کو ایسا غصہ آیا کہ چہرہ پر ظاہر ہو گیا مگر کچھ کہا نہیں۔ کہا کہ کھانا لاؤ، خاصہ شاہی لگا، سلطان اور مولانا دونوں ایک ہی پلیٹ میں کھا رہے تھے، مولانا ایسی ناگواری کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ سلطان کے ساتھ ہم پیالہ ہونا پسند نہیں کرتے، سلطان اور زیادہ اظہار تعلق کیلئے ہڈی سے گوشت نکال نکال کر مولانا کے سامنے رکھتا تھا، مولانا ہڈی ناگواری کے ساتھ تھوڑا تھوڑا کھاتے تھے پھر دسترخوان بڑھایا گیا، اور سلطان نے مولانا کو رخصت کیا۔ رخصت کے وقت ایک ادنیٰ پوشاک اور ایک روپیہ کی تفیلی پیش کی، لیکن اس سے پہلے کہ خلعت اور کیسہ مولانا کے ہاتھ میں آئے شیخ قطب الدین دیر نے

ہاتھ بڑھا کر ان کو لے لیا، ان کے رخصت ہونے کے بعد سلطان نے شیخ قطب الدین دیر سے کہا کہ اے فریبی آدمی تو نے یہ کیا حرکت کی، پہلے فخر الدین کی جوتیاں اپنے نعل میں لیں، پھر ان کی خلعت اور کببہ سنبھال لیا اور اُس کو میری تلوار سے بچا لیا۔ اور بلا اپنے سر لے لی۔ شیخ قطب الدین دیر نے کہا کہ مولانا فخر الدین میرے استاد اور میرے مرشد کے خلیفہ ہیں، اور میرے لئے مناسب تھا کہ میں ان کی جوتیاں تعظیماً سر پر رکھتا، نعل میں لینا تو کوئی بڑی بات نہیں اور یہ خلعت و کببہ کیا بڑی چیز ہے؟ سلطان نے کہا کہ ان کفر آمیز عقیدوں کو چھوڑ دو ورنہ میں قتل کر دوں گا۔ اخیر وقت جب مولانا فخر الدین زرا دی کا ذکر سلطان کی مجلس میں آتا تو سلطان ہاتھ مل کر کہتا کہ افسوس فخر الدین میری خون آشام تلوار سے بچ گئے۔

مشائخ چشت نے اگرچہ سلاطین وقت سے بے تعلق اور سرکارِ دربار سے دور رہنے کا فیصلہ کیا تھا اور

اسلامی سلطنت کی رہنمائی و نگرانی

اس کو اپنے اور اپنے پورے سلسلہ کے لئے دائمی اصول بنا دیا تھا، لیکن یہ سلاطین وقت کی رہنمائی و نگرانی سے غافل نہیں تھے اور جب کبھی ان کو صحیح مشورہ یا کسی بہتر انتخاب یا اپنا روحانی اثر استعمال کرنے کا موقع ملتا تو وہ اس رز میں موقع کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ ہندوستان کی مرکزی سلطنت کے متعدد فرمانروا اور صوبوں کی خود مختار سلطنتوں کے متعدد حکمران ان مشائخ چشت سے عقیدت و محبت کا تعلق رکھتے تھے اور اس تعلق سے بہت سے مفاسد کا ازالہ بہت سے منکرات کا سد باب اور بہت سے احکام شریعت اور عدل گامی و خلق پروری کا رواج ہوا۔ ہندوستان کے سلاطین میں سلطان فیروز تغلق کو اپنی حسن سیرت، نیک نفسی، رعیت پروری، رحم دلی اس پسندی، رفاہ عامہ، ازالہ مظالم اور تبلیغ اسلام کے ذوق، مدارس کے قیام وغیرہ میں جماعتی خصوصیت حاصل تھی اس میں مشکل ہی سے ہندوستان کا کوئی دوسرا فرمانروا اس کا ہمیم و شریک ہوگا۔ سراج عقیف کا تاریخ فیروز شاہی سے اس بادشاہ کے تعمیری کارناموں اور اسکے زمانہ کی خبر و برکت، ان امان اور سرسبز کی کچھ اندازہ

تاریخ فرشتہ کا مصنف، لکھتا ہے: —

ادب و شہادت ہے بود فاضل و عادل و کریم و
وہ ایک فاضل، منصف مزاج، شریف و
حکیم و رعیت پسندی از در راضی بودند و
پہرہاں رحم دل و بردبار بادشاہ تھا، رعیت
ہیچ کس در عہد ادیارائے ظلم نہ داشت^۱
اور فوج سب اس سے راضی تھی کسی کے
عہد حکومت میں ظلم کرنے کی مجال نہ تھی۔

مصنف نے اُس کے آئین حکومت کی تین بڑی خصوصیتیں لکھی ہیں، اُس نے کسی مسلمان یا مذہب کی سیاست و تعزیر نہیں کی، انعامات، عطیوں اور تالیف قلب کی وجہ سے لوگوں کو سیاست کی ضرورت نہیں تھی۔
۲۔ خراج و محاصل کو رعایا کی استطاعت کے مطابق وصول کیا، اضافہ و توفیر کو جو سلاطین ماضی کا دستور تھا، موقوف کیا، رعایا کے بارے میں کسی مفسد کی شکایت کی سماعت نہیں کی، اس کی بدولت ملک آباد اور رعایا مرزہ الحال رہی۔

۳۔ حکومت کے عہدوں اور علاقوں کی سوپرداری پر دیندار و خدا ترس لوگوں کو مامور کیا، کسی فساد انگیز و بد نفس کو عہدہ نہیں دیا۔ "الناس علیٰ دین ملوکہم" کے اصول کے مطابق حکام و امراء اور کارپردازان حکومت نے بھی اسکی پیروی کی۔

لیکن بہت سے لوگوں کو یہ معلوم ہوگا کہ فیروز شاہ کی تخت نشینی اور اس کے انتخاب میں خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کا خاص ہاتھ اور اسکی فیروز مندی اور کامیابیوں میں ان کی دعاؤں اور توجہات کا بہت بڑا حصہ تھا۔

۱۔ تاریخ فرشتہ (جلد اول) ص ۲۷۸

۲۔ تعزیر و تعذیب کے وہ نئے طریقے جو سلاطین سابق نے ایجاد کئے تھے۔

۳۔ تاریخ فرشتہ (جلد اول) ص ۲۷۸

۴۔ تاریخ فرشتہ ص ۲۵۹ (ج ۱)

سراجِ عقیف لکھتے ہیں:-

جوں سلطان محمد دنیال طغی در ٹھٹھ رفت
 جب سلطان محمد تغلق ٹھٹھ ملک طغی کی بغاوت
 خدمت شیخ نصیر الدین برابر خود برد چوں
 فرد کرنے گیا ہوا تھا، حضرت شیخ نصیر الدین کو
 سلطان محمد در ٹھٹھ نقل کرد و سلطان فیروز شاہ
 اپنے ساتھ لے گیا تھا، سلطان کا جب انتقال
 در بادشاہی نشست خدمت شیخ نصیر الدین
 ہو اور سلطان فیروز شاہ در بادشاہی میں بیٹھا
 بر سلطان فیروز شاہ پیغام کردہ کہ بایں خلق عدل
 حضرت شیخ نصیر الدین نے فیروز شاہ کو پیغام
 انصاف خج اہی کرد یا برائے اس مشئے مسکینا
 بھیجا کہ خدا کی اس مخلوق کیساتھ عدل انصاف
 والی دیگر از اللہ تبارک و تعالیٰ التماس کردہ
 آید سلطان فیروز جواب فرستاد کہ بابتگان
 خدائے تعالیٰ اہلم و درزم و اتفاق کنم چوں
 خدمت شیخ این لفظ شنید بر سلطان فیروز
 جواب فرستاد اگر با خلق این چنین خسلق
 خواہی کرد ما ہم برائے تو از اللہ تبارک و تعالیٰ
 یہ جہل سال ملک خواستہ ایم عاقبت ہم چنپا
 شد سلطان فیروز تا چہل سال ملک رائد
 کرو گے تو میں نے اللہ سے تمہارے لئے
 چالیس سال مانگ لئے ہیں اور واقعہ بھی
 یہی ہے کہ سلطان فیروز نے چالیس سال حکومت کی

سلطان محمد شاہ بہمنی (۵۹۱، ۵۹۲) کو تمام مشائخِ دکن نے بادشاہ تسلیم کر لیا تھا اور اسکے ہاتھ پر

حاضرانہ اور غائبانہ بیعت کر لی لیکن حضرت شیخ برہان الدین غریب کے خلیفہ و جانشین حضرت شیخ زین الدین (م ۵۸۱)

نے اس پہلے انکار کر دیا کہ بادشاہ منہ زب نوشی اور منہیات شرعی کا مرتکب ہے اور فرمایا:۔

سزاوار بادشاہی خلق کسے بہت کم حفظ	خلق خدا پر حکومت کرنے کا اہل وہ شخص
شعار ملت محمدی کو شیدہ سزا و علانیہ	ہے جو شعار اسلام کی حفاظت میں کوشش کئے
پیروں منہ ہی نہ کر دو	اور خلوت مہجرت کی حالت میں بھی مومن شرعی کے قریب جائے

۶۶ء میں جب سلطان دولت آباد میں فاتحانہ داخل ہوا تو حضرت شیخ کو پیغام بھیجا کہ یا تو آپ میرے دربار میں حاضر ہوں یا میری خلافت کی تحویلوں پر دستِ خاص کی میرے پاس بھیجیں۔ شیخ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ایک مرتبہ کسی تقریب کے ایک عالم، ایک سید اور ایک سچڑا کافروں کے ہاتھ پڑ گئے، انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ تینوں بٹ خانہ میں جائیں، جو بت کو سجدہ کرے گا اس کی جان بخشی ہوگی اور جو انکار کرے گا وہ قتل کر دیا جائیگا، پہلے عالم کو لے گئے، انھوں نے قرآن کی رخصت پر عمل کیا اور بت کا سجدہ کر کے اپنی جان بچا لی، سید نے عالم کی تقلید کی، جب سچڑے کی باری آئی اس نے کہا میری تمام زندگی ناشائستہ کاموں میں گزری، میں نہ عالم ہوں نہ سید کہ ان میں سے کسی فضیلت کی پناہ میں ایسا کام کروں، اس نے قتل ہو جانا منظور کر لیا اور بت کا سجدہ نہیں کیا، میرا قصہ بھی اسی سچڑے کے قصے سے مشابہت رکھتا ہے، میں تمھارے ہر قسم کے ظلم کو برداشت کروں گا، لیکن نہ دربار میں حاضر ہوں گا اور نہ تمھارے ہاتھ پر بیعت کروں گا۔ بادشاہ کو سخت غصہ آیا اور شہر سے نکل جانے کا حکم دیا، شیخ نے بلا توفیق اپنی جائے نماز کا ندھے پر ڈالی اور شیخ بہان الدین کے مقبرے میں جا کر ان کی قبر کی پائنتی اپنی لاش کا ڈری اور چائے نماز بھیجا کر بیٹھ گئے اور کہا کہ اب کوئی مرد ہو تو مجھے اپنی جگہ سے ہلائے۔ بادشاہ نے شیخ کی مضبوطی اور استقامت دیکھی تو پشیمان ہوا اور اپنے ہاتھ سے یہ مہرے کاغذ لکھ کر صدر شہر اپنے کے ہاتھ بھیجا

لے الا ان تمقوا منہم رقاة (سورہ آل عمران، رکوع ۳) مگر ایسی صورت میں کہ تم ان سے کسی قسم کا

(قوی) اندیشہ رکھتے ہو۔

شیخ نے فرمایا کہ اگر سلطان محمد شاہ غازی شریعت کے طور و طریق کی حفاظت و ترویج کی کوشش کرے اور ممالکِ محمدیہ سے شراب خانے یک قلم اٹھا دے، اپنے باپ کی سنت پر عمل کرے اور لوگوں کے سامنے شراب نہ پیے اور قضاۃ و علماء و صدر کو حکم دے کہ امر بالمعروف نہی عن المنکر میں سعی بلیغ سے کام لیں تو فقیر زین الدین بڑھ کر بادشاہ کا کوئی دوسرا دوست و خیر خواہ نہ ہوگا۔ نیچے یہ شعر اپنے قلم مبارک سے تحریر فرمایا ۵

تا من بزم بجز نکوئی نہ کنم جز نیک دلی و نیک خوئی نہ کنم

آہنا کہ بجائے مبدیہا کرند آدست بسد بجز نکوئی نہ کنم

(ترجمہ) جب تک جان میں جان ہو سوائے اچھائی، نیک دلی اور نیک خوئی کے مجھ سے

کچھ سرزد نہ ہوگا۔ جن لوگوں نے ہمارے ساتھ رائی کی، جب موقع ملے گا ہم ان کے ساتھ بھلائی کے کچھ کریں گے

سلطان محمد شاہ اپنے نام کے ساتھ غازی کا خطاب دیکھ کر بہت خوش ہوا اور فرمان جاری کیا کہ اللہ شہابی کیسا تھا اس کا بھی اضافہ کیا جائے، قبل اسکے کہ سلطان کی حضرت شیخ سے ملاقات ہو سلطان نے مرہٹہ دارلہ کی حکومت

مسند عالی خان محمد کے حوالہ کی اور خود بدست گلبرگہ پینچا اور شراب کی دکانوں کو اپنی پوری حکومت ختم کر کے

شریعت کی ترویج و اشاعت میں اپنی کوششیں مبذول کی، دکن کے پوروں و مسالوں کو جو در در مشہور تھے

اور جنھوں نے رہزنی کو اپنا شیوہ بنالیا، تمام ختم کر کے کاغذ اٹھایا، چھ سارے مہینے کے اندر اندر ملک ان

سے پاک ہو گیا۔ ایک روایت کے مطابق چھ مہینے کی مدت میں چوروں، رہزنیوں کے بیس ہزار سر کاٹ کر

اطراف و جوانب گلبرگہ میں لائے گئے۔ سلطان اس عرصہ میں حضرت شیخ زین الدین سے برابر خط و کتابت

کرتا رہا اور اخلاص و عقیدت کی راہ و رسم بڑھا آ رہا۔ شیخ نے بھی اسکی ہمت افزائی، قدروانی

اور ہدایات اور مشوروں سے دینے نہیں کیا۔ ۵

پشتیوں کی بڑی بڑی خانقاہیں ہندوستان کے جن حصوں اور صوبوں میں قائم ہوئیں انھوں نے وہاں کی اسلامی حکومتوں اور سلاطین وقت کی رہنمائی اور اسلامی حکومت کی حفاظت و تقویت سے غفلت نہیں کی۔ بنگال کی مشہور عالم خانقاہ جو پندرہویں صدی میں تھی وہاں کی اسلامی حکومت کے لئے قوت اور پشت پناہی کا ذریعہ تھی جب وہاں سے اسلامی اقتدار ختم ہونے لگا تو ان درویشوں نے اسکی فکر کی اور اس کو دوبارہ بحال کرنے کی امکاتی کوشش کی۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی تاریخ مشائخ چشت میں لکھتے ہیں :-

”حضرت نور قطب عالم شیخ علاء الحق کے فرزند رشید تھے جس زمانہ میں وہ مسند اترتے پر جلوہ افروز تھے بنگال کی سیاست بڑے نازک دور سے گذر رہی تھی، راجہ کنس (جو بھوریہ ضلع راج شاہی کا جاگیردار تھا) بنگال کے تخت پر قابض ہو گیا تھا اور مسلمانوں کی قوت کا خاتمہ کرنے پر تلا ہوا تھا، حضرت نور قطب عالم نے بلاہ راست اور سید اشرف جہانگیر ہمنانی کی وساطت سے سلطان ابراہیم شرقی کو بنگال پر حملہ کرنے کی دعوت دی سید اشرف جہانگیر کے مجموعے میں وہ دیکھ بچھ خطوط خاص طور سے مطالعہ کے قابل ہیں جن میں اس سیاسی کشمکش کی تفصیل درج ہے۔ سید اشرف جہانگیر نے جو خط حضرت نور قطب عالم کے مکتوب کے جواب میں لکھا وہ بنگال میں صوفیائے کرام کے کارناموں پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔“

ان چند واقعات سے جو تاریخ کے وسیع انبار میں سے ”مشتی نمونہ از خردارے“ کے طور پر بغیر کسی تاریخی ترتیب کے جمع کر دیے گئے، اندازہ ہوگا کہ مشائخ چشت کا تصوف، محض عزت و خلوت، نفس کشی اور ترک دنیا

۱۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ریاض السلاطین تاریخ بنگالہ تصنیف غلام حسین سلیم ص ۱۱ عنوان مسلط شدن راجہ کانس زمیندار تا ص ۱۱۶ ۲۔ تاریخ مشائخ چشت ص ۲۶

اور اقبال کے الفاظ میں ”سر بزیری اور گو سفندی ویشی“ نہیں تھا، انھوں نے اپنے اپنے دور میں زمانہ کے دھار کو بدلنے اور حالات زمانہ سے پیچھے آزمانے کی بھی کوشش کی۔ جابر سلاطین کے روبرو کلمہ حق کہنے، اُن کے غلط رجحانات کا مقابلہ کرنے اور ان کو صلاح و مشورہ دینے سے بھی پس و پیش نہیں کیا، اور جب کبھی اُن کے اولوالعزم مشائخ کو موقع ملا انھوں نے اصلاح و انقلاب کی کوششوں سے بھی دریغ نہیں کیا۔

سلسلہ چشتیہ کی بنیاد ہندوستان میں پہلے ہی دن سے اشاعت و تبلیغ اسلام پر پڑی

اشاعت اسلام

تھی اور اس کے عالی مرتبت بانی حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے ہاتھ پر اس کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے کہ تاریخ کے اس اندھیرے میں ان کا اندازہ لگانا مشکل ہے عام طور پر تسلیم

کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد کی یکثرت بہت کچھ حضرت خواجہ کی کوششوں اور روحانیت

کی رہنمائی سے، ان میں سے ایک بڑی تعداد حضرت خواجہ کی روحانی قوت اشراقی کمال اور عند اللہ مقبولیت کے

واقعات مسلمان ہوئی، اس وقت تک ہندوستان جو کہ اشراقیت کا ایک بڑا مرکز تھا یہاں کے بہت سے فقیر و سنیا

اشراقی اور قلبی قوت میں بڑا کمال رکھتے تھے، ریاضیات شاذہ اور مختلف مشقوں، انھوں نے کشف و عرف کی بڑی

قوت بڑھا رکھی تھی، ان میں سے لوگ اس نودار مسلمان فقیر کے امتحان اور اسکو ترک دینے کے لئے اُس کے

پاس آئے، لیکن ان کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ یہ غریب الوطن درویش اُن اپنی قلبی قوت اور اشراقیت میں بڑھا

ہوا ہے اور ساحرین فرعون کی طرح ان کو یہ اندازہ ہو گیا کہ اُس کے کمالات اور قوتوں کا منبع اور سرچشمہ کچھ اور

ہے، اسی کے ساتھ اُن کے اخلاق کی پاکیزگی، صاف ستھری زاہدانہ اور بے طمع زندگی، ایمان و یقین کی قوت،

خلق خدا کے ساتھ ہمدردی، اور بلا تفریق مذہب و ملت انسان سے محبت اور انسانیت کا احترام دیکھ کر

مخالفین بھی منتقد اور دشمن بھی دوست ہو گئے۔ تذکرہ و تصوف کی کتابوں میں اس سلسلہ میں جو گویا

سنیا سیوک کے ساتھ مقابلہ اور حضرت خواجہ کی اشراقی قوت اور کشف و تصرفات کے جو واقعات کثرت کیساتھ نقل

کئے گئے ہیں، اگرچہ ان کو تاریخی سند سے اور قدیم تر معاصر آخذ کے ذریعہ ثابت کرنا مشکل ہے لیکن ہندوستان کے

اُس وقت کے ذوق و رجحان اور اجمیر کی دینی و روحانی مرکزیت کو دیکھتے ہوئے یہ واقعات خلاف قیاس نہیں، دراصل جس چیز نے حضرت خواجہ کا گردیدہ اور اسلام کا حلقہ بگوش بنایا وہ سہنا ان کی قلبی قوت تھی، بلکہ ان کی روحانیت، اخلاص، اخلاق اور ان کا وہ طرز زندگی تھا جس کا ہندوستان کے اہل فن اور عوام نے اس سے پہلے کبھی تجربہ نہیں کیا تھا۔

خواجہ بزرگ کے اہل سلسلہ میں حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر کی کوششوں اور توجہات کو اشاعت اسلام کے سلسلہ میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ ان کی مجالس اور خانقاہ میں ہر مذہب و ملت کے آدمی اور ہر طبقہ کے لوگ آتے تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدین ادلیا فرماتے ہیں:-

بخدمت شیخ الاسلام فرید الدین انہر | حضرت خواجہ فرید الدین کی خدمت میں
جنس درویش و غیر آں برسد | ہر صنف نفع کے لوگ درویش و غیر درویش پہنچتے۔

حضرت خواجہ کو اللہ تعالیٰ نے جو عالی استعداد قلبی قوت عطا فرمائی تھی اس کے پیش نظر بعید نہیں کہ اشاعت اسلام میں وہ بھی معین ہوئی ہو اور تو مسلموں کی بہت بڑی تعداد ان کی روحانیت اور کشف و کرامات دیکھ کر مسلمان ہوئی ہو۔ پنجاب اور پاک پٹن کے اطراف میں بہت سی مسلمان برادریاں اور خاندان اپنے اسلاف کے قبول اسلام کو حضرت خواجہ کی توجہ اور تبلیغ کا نتیجہ سمجھتے ہیں اور اپنی نسبت ان کی طرف کرتے ہیں۔ پروفیسر آرنلڈ اپنی کتاب (PREACHING OF ISLAM) میں لکھتا ہے:-

”پنجاب کے مغربی صوبوں کے باشندوں نے خواجہ بہارالحی ملتانی اور بابا فرید پاک پٹنی

کی تعلیم سے اسلام قبول کیا۔ یہ دونوں بزرگ تیرھویں صدی عیسوی کے قریب خاتمہ اور چودھویں

صدی عیسوی کے شروع میں گزرے ہیں۔ بابا فرید عکبر گنج کا تذکرہ جس مصنف نے

لکھا ہے، اس نے تحریر کیا ہے کہ سولہ قوموں کو انھوں نے تعلیم و تلقین سے مشرف
باسلام کیا۔ لیکن افسوس ہے اس مصنف نے ان قوموں کے مسلمان ہونے کا مفصل حال نہیں لکھا

حضرت خواجہ نظام الدین کو اہل ہند میں اشاعت اسلام سے بڑی دلچسپی تھی، لیکن وہ یہ سمجھتے تھے
کہ محض تقریر اور کہنے سننے کے کسی شخص کا اپنے قدیم عقیدے سے ہٹنا اور نئے دین کو قبول کر لینا، بالخصوص ہندو قوم کا جو
اپنی خستگی، قدامت پرستی اور ذات پات اور چھوت چھات کی پابندی میں خاص امتیاز رکھتی ہو، محض حسن تقریر اور
وعظ و نصیحت سے مسلمان کر لینا آسان نہیں، اس کے لئے اُن کے لئے موثر و طویل صحبت کی ضرورت تھی۔

قوائد الفواد میں ہے کہ ایک غلام جو مسلمان تھا حضرت کی مجلس مبارک میں حاضر ہوا اور اپنے ایک
ہندو دوست کو اپنے ساتھ لایا اور کہا کہ یہ میرا بھائی ہے۔ حضرت خواجہ نے اس غلام سے فرمایا کہ: تمہارا
یہ بھائی کچھ اسلام کی طرف بھی میلان رکھتا ہے، غلام نے عرض کیا کہ: اس کو حضرت کے قدموں میں اسکا
لایا ہوں کہ آپ کی نظر کیمیا اثر کی برکت سے یہ مسلمان ہو جائے۔ یہ سن کر حضرت خواجہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے،
فرمایا کہ کسی کہنے سننے سے اس قوم کا دل نہیں پھرتا، ہاں اگر اسکو کسی نیک بندے کی صحبت مستر آ جائے
تو امید ہوتی ہے کہ اس کی صحبت کی برکت سے وہ مسلمان ہو جائے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس پچاس برس کے عرصہ میں جس میں حضرت خواجہ نظام الدین دہلی جیسے
مرکزی مقام میں مسند ہدایت و ارشاد پر متمکن رہے اور ان کی خانقاہ کا دروازہ ہر انسان کیلئے کھلا رہا، یہ
زمانہ تھا جب ہندوستان کے دور دراز گوشوں سے مختلف ضرورتوں اور تقویوں سے لاکھوں کی تعداد میں
غیر مسلم آتے تھے اور اپنی خوش اعتقادی کی بنا پر حضرت خواجہ کی زیارت کو بھی حاضر ہوتے تھے، بڑی تعداد
میں لوگ مسلمان ہوئے۔ بیوات کا علاقہ جو حضرت خواجہ کے مرکز غیاث پور سے جانب جنوب متصل واقع ہے اور

جہاں کے رہنے والوں کی رہزنی اور شورہ پستی کی وجہ سے کچھ عرصہ پہلے سلطان ناصر الدین محمود کے زمانہ میں شہزادہ دہلی کے دروازے سرشام ہی سے بند ہو جاتے تھے اور جن کی کئی بار غیاث الدین بلبن کو تادیب کرنی پڑی حضرت خواجہ کے فیوض و برکات اور ان کی تعلیم و تربیت سے ضرور مستفید ہوا ہوگا اور عجب نہیں کہ اتنی بڑی تعداد میں میواتی انھیں کے زمانہ میں مسلمان ہوئے ہوں۔

چشتی خانقاہوں نے اپنے اپنے حلقہ اثر میں بالواسطہ اور بلاواسطہ گرد و پیش کی غیر مسلم آبادیوں کو اپنے اخلاق و روحانیت اور مساوات و اخوت سے جس کی فضا ان خانقاہوں میں قائم تھی ضرور متاثر کیا اور ان قوموں کو جو کشف و کرامت اور روحانیت کے خاص طور پر متاثر ہوتی ہیں اسلام میں داخل کرنے کا ذریعہ بنے۔ پندوہ کی چشتی خانقاہ اور احمد آباد اور گلبرگہ کے چشتی مشائخ کے اثر سے غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد کا مسلمان ہونا بالکل قوی قیاس ہے، گیارہویں صدی میں سلسلہ چشتیہ کے مجدد حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کو اشاعت اسلام کا بڑا اہتمام کیا، انھوں نے اپنے خلیفہ و جانشین شیخ نظام الدین اور ان کے بچے کو جو خطوط لکھے ہیں ان میں جا بجا اس کی تاکید و ہدایت ہے، ان کے مطالعہ سے ان کی اس مسئلہ میں بے چینی اور فکر کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:-

در آن کوشید کہ صورت اسلام وسیع گردد اسکی کوشش کرو کہ اسلام کا دائرہ وسیع
وذاکرا میں کثیر۔ اور اسکے حلقہ بگوش کثیر ہوں۔

دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں:-

بہر حال کلمہ الحق کوشید و از مشرق تا
مغرب ہمہ حقیقی برکنید

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں :-

”شیخ نظام الدین صاحب کی تبلیغی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے ہندو گرو دیو کی اسلام
ہو گئے۔ بعض اپنے رشتہ داروں کے در سے مسلمان ہونے کا اظہار نہیں کرتے تھے لیکن
دل سے مسلمان ہو چکے تھے۔“

شاہ کلیم اللہ صاحب ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

”و دیگر مرقوم بود بھیہ دیارام و ہندو ہائے دیگر بسیار در ربقہ اسلام آمدہ اند اما بامر
قبیلہ پوشیدہ می مانند“

ساتھ ہی ساتھ اس چیز کو بھی پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی شخص مسلمان ہونے کے بعد اپنے مسلمان ہونے
کو مخفی رکھے، مبادا بعد موت اُسکے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو غیر مسلموں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔
”برادر من اہتمام نمایند کہ آہستہ آہستہ این امر جلیل از بطون بطور انجاء کہ موت در
عقب است مبادا احکام اسلام بعد از رحلت بجا نیارند و مسلمان حقیقت البتہ نمانند
دیارام اگر خط می نویسند خطے نوشتہ خواہد شد۔“

افسوس ہے کہ کسی نے مشائخ ہندوستان اور بالخصوص سلسلہ چشتیہ کے مشائخ کی تبلیغی کوششوں
کی تاریخ در و نامہ مرتب کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی، لیکن تمام مورخین کے نزدیک ہندوستان میں
اشاعت اسلام کا سب سے بڑا ذریعہ صوفیائے کرام و فقرائے اسلام ہیں اور ظاہر ہے کہ ان سلسلہ تصوف
میں سلسلہ چشتیہ اور اُس کے مشائخ کو اولیت اور اہمیت حاصل ہے اور اس کام میں اُن کا حصہ تناسب سے زیادہ ہے۔
حضرت خواجہ نظام الدین اویسا اور اُن کے خلفاء اور اہل سلسلہ

خدمت و اشاعتِ علم

علم کی تحصیل و تکمیل کا جتنا اہتمام تھا اُسکا اندازہ حضرت خواجہ فرید الدین

کے مولد اور خود حضرت خواجہ نظام الدین کے شیخ سراج الدین عثمان اودی (اخئی سراج) بانی خالقاہ پندرہ کے ساتھ دیر سے جو سکتا ہے کہ انھوں نے انکو اس وقت تک اجازت نہیں دی جب تک کہ انھوں نے علم کی تحصیل و تکمیل نہیں کر لی، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ رشد و ارشاد اور درس و تدریس اور علم کی اشاعت و ترویج دونوں اس سلسلہ کی تاریخ میں ساتھ ساتھ چلتے رہے اور یہ فاقہ و دریا غلطی تک قائم رہی حضرت خواجہ کے ایک خلیفہ اہل مولانا شمس الدین بھٹی تھے جو اس عصر کے بہت سے علماء اور اساتذہ کے استاد تھے۔
شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کا مشہور شعر ہے: ۷

سَأَلْتُ الْعِلْمَ مِنْ أَحْيَاكَ حَقًّا

فَقَالَ الْعِلْمُ شَمْسُ الدِّينِ بَحِي

میں نے علم سے پوچھا کہ تمھیں حقیقی حیات کس نے بخشی اُس نے مولانا شمس الدین بھٹی کا نام لیا۔
شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے مخصوص ارادہ مندوں و مسترشدین میں قاضی عبدالمقتدر کندی (م ۹۷۰ھ) اُن کے شاگرد رشید شیخ احمد تھانیسری (م ۸۲۰ھ) اور مولانا خواجگی دہلوی (م ۸۹۹ھ) ہندوستان کے نامور ترین علماء استاد الاساتذہ و مجددین علم میں سے ہیں۔ قاضی عبدالمقتدر اور مولانا خواجگی کے شاگرد رشید شیخ شہاب الدین احمد بن عمر دولت آبادی (م ۸۴۹ھ) فخر ہندوستان اور نادرہ روزگار تھے اور ملک العلماء قاضی شہاب الدین کے نام سے ہندوستان کی علمی تاریخ میں زندہ جاوید ہیں، اُن کی شرح کافیہ (جو شرح ہندی کے نام سے عرب و عجم میں مشہور ہوئی) کے محشیوں میں علامہ گزنی اور میر غیاث الدین منصور شیرازی جیسی بلند شخصیتیں ہیں، یہ وہی ہیں جنکی علالت کے موقع پر سلطان ابراہیم شرقی نے پانی کا پیالہ بھر کر اُن پر سے تصدق کیا اور دعا کی کہ ملک العلماء میری سلطنت کی آبرو میں اگر اُن کی موت مقدر رہی ہے تو اُن کے بچے مجھے قبول کر لیا جائے۔

اسی سلسلہ کے ایک عالم جلیل مولانا جمال الادلیا، شبلی پوری (م ۸۳۰ھ)

جن کے نامور شاگردوں میں مولانا لطف اللہ کوردی، سید محمد ترمذی کاپوری، شیخ محمد رشید جوہوری اور شیخ یسین بنارسہ جیسے علماء کبار و شیوخ عصر تھے مولانا لطف اللہ کوردی کے شاگرد ہندستان کے مشہور عالم مولانا احمد ایٹھوی عرف حمید احمد اور قاضی علیم اللہ کچندری اور مولانا علی اصغر قزہجی تھے جنہوں نے درس و تدریس کا ہنگامہ گرم رکھا اور بڑے بڑے نامور عالم و مدرس ان کے حلقہ درس سے تیار ہو کر نکلے۔ ٹیلے والی مسجد کا شہرہ آفاق دارالعلوم جس کے مسند نشین حضرت شاہ پیر محمد لکھنوی (م سن۱۳۸۷ھ) تھے اسی سلسلہ سے تعلیمی روحانی نسبت رکھتا تھا نور درس نظامی جس کی جہانگیری مسلم ہے کے بانی ملا نظام الدین (م سن۱۱۱۷ھ) اور ان کے نامور جانشین اور اہل خاندان اس سلسلہ سے نسبت روحانی رکھتے تھے، اس کے علاوہ عام طور پر بھی مشائخ پشت کا علمی ادبی ذوق، تجربہ اور علمی شغف ایک تاریخی حقیقت ہے جو حضرت نور قطب عالم حضرت جہانگیر اشرف سمنانی، حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کے مکتوبات اور پنڈوہ، گلبرگ، مانک پور، سلون وغیرہ کی خانقاہوں کی علمی سرگرمیوں اور دیکھ بھول گئیاں، قبل اسکے کہ سلسلہ چشتیہ کی تاریخ کا یہ صفحہ زریں ختم کیا جائے، ایک تلخ حقیقت

خاتمہ و کلام | کی طرح اس کا اظہار ضروری ہے کہ زمانہ کے مرد و انقلاب کے ساتھ اس سلسلہ اور اسکے بانیان کرام اور اسلاف عظام کی خصوصیتوں میں انحطاط و زوال رہا ہوا تصوف و روحانیت کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہر سلسلہ کا آغاز جذب قوی سے ہوا پھر اس نے سلوک اور آخر میں رسوم کی شکل اختیار کر لی، یہاں بھی جس سلسلہ کا آغاز عشق، درد و محبت، زہد و ایثار، فقر و استغناء، ریاضات و مجاہدت اور دعوت و تبلیغ سے ہوا تھا اس میں بتدریج ایسی تبدیلی ہوئی کہ آخر میں اس کے نظام کے تین نمایاں عناصر ترکیبی رہ گئے۔

(۱) وحدت الوجود کے عقیدہ میں غلو اس کی اشاعت کا انہماک اور اس کے باریک و دقیق مضامین

(۲) محافلِ سماع کی کثرت، وجد و رقص کا زور۔

(۳) اعراس کا اہتمام اور ان کی رونق و گرم بازاری جو شرعی حدود و قیود سے بے نیاز ہے۔

وہ اعمال و رسوم اور عقائد جن کی اصلاح کیلئے دینِ خالص کے یہ اولوالعزم داعیِ ایمان و ترکستان کے دور دراز مقامات سے گئے تھے، خانقاہوں کا ایسا دستور العمل بن گئے کہ غیر مسلم آبادی کے لئے یہ ایک معمہ اور سوال بن گیا کہ اسلام اور دوسرے مذاہب میں (جن کی اصلاح کے لئے یہ مبلغین اسلام بحر و بر طے کر کے تشریف لائے تھے) عملاً کیا فرق ہے، توحید کے لفظ کا استعمال اور دعوتِ توحید جو خدا کے معنی میں محدود ہو کر رہ گئی، سنت اور اتباعِ شریعت جس پر ان مشائخ نے اتنا زور دیا تھا، اہل ظاہر کا شمار اور حقیقت ناشناسوں کی علامت بن کر رہ گیا، شریعت و طریقت دو الگ الگ کوچے تسلیم کئے گئے جن میں نہ صرف مغایرت تھی بلکہ تضاد و مزامیر آلاتِ سماع جن کی مشائخ متقدمین نے اتنی شہادت سے ممانعت کی تھی، داخل طریق بن گئے، درد و عشق کی جنس جو طریقہٴ چشتیہ کا سرمایہ تھا اس بازار میں ایسی نایاب ہولی کہ طالبِ صادق کو حسرت سے کہتے ہوئے سنا گیا کہ۔

وہ جو بیچتے تھے درائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

فقیر جو اس طریق کا فخر تھا شانِ امیری اور شکوہٴ خسروی سے تبدیل ہو گیا۔

اس سے بڑھ کر انقلابِ ادب تاریخ کا سانچہ یہ ہے کہ بینِ بندگانِ خدا کا مقصدِ حیات ہی خدا کے سب بندوں کا سر دُنیا کے تمام آستانوں سے اٹھا کر خدائے واحد کے آستین پر جھکاؤ اور "ماسویٰ" میں اٹکے ہوئے اور بھنسے ہوئے دلوں کو نکال کر ایک خدا سے اُنکا ناتھا اور جن کی دعوتِ از زندگی انبیاء علیہم السلام کی زندگی کی تصویر اور ان آیات کی تفسیر تھی:-

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُوتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ كَسِيَ بَشَرٌ مِنْهُ يَدَاهُ مَبْلُوطَتَيْنِ أَلَّا يَنْتَهِیَ عَنْ مَا كَانُوا عَمَلُونَ

والحکم والنبوۃ ثم یقول کتاب اور دین کی فہم اور نبوت عطا فرمائے اور پھر
لناس کو ذوا عیباداً الی وہ لوگوں کے کہنے لگے کہ میرے بند بن جاؤ خدا تم
من دون اللہ ولكن کو ذوا کی توحید کو چھوڑ کر لیکن وہ یہ کہے گا کہ تم اللہ والے
رمانیہیں ہما کنتم تعلمون بن جاؤ بوجہ اس کے تم کتاب الہی اوروں کو بھی
الکتاب وبعما کنتم تدرسون سکھاتے ہو اور بوجہ اس کے کہ خود بھی اسکو پڑھتے ہو
ولا یامرکم ان تتخذوا الملائکۃ اور یہ وہ یہ بات بتلاوے گا کہ تم فرشتوں کو اور
والتبیین ارباباً ایا مہمکم نبیوں کو رب قرار دے لو۔ بھلا وہ تم کو کفر کی
بالکفر بعد اذ انتم مسلمون بات بتلاوے گا بعد اس کے کہ تم
(ال عمران - ۸۶) مسلمان ہو۔

الغلاب زمانہ سے خود ان کی ذات مطلوب و مقصود اور خود ان کا استثناء مسجود و معبود بن گیا۔



مخدوم الملك

شیخ شرف الدین حکیم مینری

رحمۃ اللہ علیہ

(۵۶۶) ————— (۵۷۸۶)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

باب اول

حالاتِ زندگی

ولادت سے بیعت و اجازت تک

احمد نام، شرف الدین لقب، مخدوم الملک بہاری خطاب، والد کا نام شیخ کبیری تھا جو **خاندان** زبیر بن عبد المطلب کی اولاد میں تھے، اس طرح آپ کا خاندان ہاشمی قریشی ہے۔ آپ کے پردادا مولانا محمد تلج فقیہ اپنے زمانہ کے بڑے علماء و مشائخ میں سے تھے۔ اخیل (شام) سے نقل سکونت کر کے بہار کے قصبہ سیر میں قیام پذیر ہوئے، بعض مصنفین نے آپ کو شہاب الدین غوری کا ہم عصر بتایا ہے۔

۱۔ اب یہ شہر مملکت ہاشمید اردنیہ کا ایک شہر ہے جو بیت المقدس سے تقریباً ۱۵۶ میل پر واقع ہے، اس کو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے مدفون ہونے کا شرف حاصل ہے، شرقاً و اور صلحاء کی یہ قدیم بستی ہے، اپنی آب و ہوا کی لطافت اور اپنے ساکنین کی نرم خوئی، میزبانی اور حسن اخلاق میں مشہور رہا ہے۔

۲۔ اس وقت عام طور پر قصبہ منیر کے نام سے مشہور ہے، لیکن قدیم کاغذ و روایات سے معلوم ہوتا ہے (تفسیر) (پیر)

مولانا محمد تاج فقیہ کی ذات سے منیر اور اسکے مضافات میں اسلام کی بہت اشاعت ہوئی، کچھ عرصہ آپ نے منیر میں قیام کر کے وطن کو مراجعت فرمائی اور زندگی کا بقیہ حصہ خلیل ہی میں بسر کیا۔ آپ کا خاندان بدستور منیر میں رہا۔

شیخ احمد شرف الدین کے نانا شیخ شہاب الدین جگ جوت سہروردی سلسلہ کے مشائخ میں تھے۔ آبائی وطن کا شغرتھا، ہندوستان تشریف لائے اور موضع جھٹلی میں قیام فرمایا جو پٹنہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کے مریدین میں سے تھے۔ زہد و ورع اور استقامت میں پایہ بلند رکھتے تھے، اور اسی وجہ سے جگ جوت (دنیا کی روشنی) کے لقب سے مشہور تھے، ان کی ایک صاحبزادی کے بطن سے شیخ احمد شرف الدین اور دوسری صاحبزادی سے شیخ احمد جرم پوش جیسے نامور مشائخ پیدا ہوئے۔ آپ حسینی سادات میں تھے، اس طرح شیخ احمد شرف الدین کا سلسلہ ادبی سادات میں ہے۔

دست کا بقیہ حاشیہ اسکا اصل تعلق منیر تھا فرہنگ ابراہیمی جس کے دوسرے نام شرف نامہ ابراہیمی اور شرف نامہ احمد نیری بھی ہیں اور جو ۸۶۲ھ اور ۸۹۹ھ کے درمیان کی تصنیف ہے، کے مقدمہ میں اسکے مصنف ابراہیم قوام فاروقی نے اپنے ایک

مصرع میں کتاب کا نام اس طرح منقول کیا ہے۔ "شرف نامہ احمد نیری" یہ مصرع جب ہی موزوں ہوتا ہے جب منیری پڑھا جائے۔ اس کتاب کے تذکرہ کے ذیل میں انڈیا آفیس لائبریری کی فہرست میں اس کو انگریزی میں بھی اسی

طرح ضبط کیا گیا ہے یعنی منیری (MUNYARI)۔ ۱۲۔

لے سیرۃ الشرف میں ہے کہ یہ قصہ ۸۹۶ھ میں مسلمانوں کے ہاتھ فتح ہوا۔ مصنف نے ایک قطعہ تاریخی نقل کیا

ہے جو حسب ذیل ہے:

یافت چوں بر راجہ منیر طفر دادام از دین جہانے را ندی

ہست منقول از بزرگان سلف سال آن دین محمد شد قوی

(بقیہ ۱۷۹ پر)

ولادت شعبان کے آخری جمعہ ۱۱۶۱ھ میں قصبہ منیر میں آپ کی پیدائش ہوئی "شرف آگین" تاریخ ولادت ہے۔ آپ کے تین بھائی اور تھے: شیخ خلیل الدین، شیخ جلیل الدین اور شیخ حمید الدین۔

تعلیم جب آپ کی عمر پڑھنے کے قابل ہوئی تو آپ کو مکتب میں بٹھایا گیا۔ اس زمانہ میں بہت سے ممالک اسلامیہ میں عام طور پر دستور تھا کہ درسی کتابوں کے متون لفظ بلفظ یاد کرائے جاتے تھے اور کچھ لغت کی مختصر کتابیں بھی تاکہ الفاظ کا ذخیرہ بچپن سے محفوظ ہو جائے۔ شیخ نے اس طرز تعلیم پر اپنی بعض بعض تحریروں میں تنقید فرمائی ہے اور قوتِ حافظہ اور وقت کے اس غلط استعمال پر افسوس ظاہر کیا، کہ بجائے قرآن مجید کے ایسی کتابیں رٹائی جاتی ہیں جو دین کے لئے کچھ زیادہ مفید نہیں معدن المعانی کے باب ششم میں فرماتے ہیں :-

درایم خوردگی چندین کتابها مارا یاد گوانید	بچپن میں استادوں نے بہت سی کتابیں یاد
چنانکہ مصادر و مفتاح اللغات جزاں در	کرائیں، مثلاً مصادر، مفتاح اللغات وغیرہ
کتابها۔ و مفتاح اللغات جزو سے میتے	مفتاح اللغات میں جزو کی کتاب ہوگی بقدر
خواہد بود مقدار یک جلد یاد کرانید نہ ہر بار	ایک جلد کے یاد کرائی، ہر مرتبہ زبانی سنتے
یاد تمام می شنیدند بانیست بجائے آں	تھے، اس کے بجائے قرآن مجید یاد
قرآن یاد می کرانیدند۔	کرانا چاہئے تھا۔

افسوس ہو کہ تذکروں میں آپ نے ابتدائی اساتذہ کے نام اور ان کتابوں اور علوم کی تفصیل نہیں ہے

(صفحہ ۱۷۱ کا بقیہ حاشیہ) اس طرح یہ ماننا پڑتا ہے کہ فتح منیر شہاب الدین غوری کی فتح ہندوستان ۱۱۷۱ھ سے قبل کا واقعہ ہے کیا مسلمان غزنیوں کے عہد ہی میں ببارنگال کی حد میں پہنچ گئے تھے، اور انھوں نے جا بجا اسلامی عملداری اور قبضہ کی بنیاد ڈال دی تھی؟ تاریخی حیثیت سے یہ مسئلہ تحقیق طلب ہے۔ ۱۷۱۱ھ معدن المعانی طبع شرف الاخبار

جن کی آپ نے وطن میں رہ کر تحصیل کی۔ اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے غیر میں رہ کر متوسطات تک تعلیم حاصل کی اور وقت کے بڑے اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنے کے قابل ہو گئے۔

مولانا شرف الدین البتوامة سے ملنا اور سنار گاؤں کا سفر | وطن میں رہ کر علم کی تحصیل کے جو مواقع حاصل تھے، جب آپ نے

اُن سے فراغت حاصل کر لی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی علمی تکمیل و ترقی کے لئے ایک دوسرا انتظام فرمایا۔ دہلی کے اساتذہ میں سے مولانا شرف الدین البتوامة جو شمس الدین التمش کے عہدِ دولت ہی سے علم و تدریس کے نظامِ شمسی کے ایک روشن ستارہ تھے۔ غالباً غیاث الدین بلبن کے عہد میں رجوعِ عام اور بعض حاسدوں کی ریشہ وانیوں کی بناء پر اشارہ سلطانی سے ترکِ وطن پر مجبور ہوئے اور اس وقت ہندوستان کی اسلامی مملکت کے آخری سرحدی شہر سنار گاؤں کا قصد فرمایا۔ راستہ میں بہار سے گذرتے ہوئے آپ نے چند روز غیر میں قیام فرمایا، جو غالباً اس وقت دہلی سے سنار گاؤں جاتے ہوئے ایک کارواں میں آئے اور آباد بستی تھی، اہلِ قصبر

لے آ کر تسلیم کر لیا جاتا کہ مولانا شرف الدین البتوامة کے غیر تشریف آوری کے وقت شیخ شرف الدین احمد کم سے کم ۲۰ سال کے تھے تو یہ ۳۰۰ھ ہوگا، اس طرح یہ زمانہ غیاث الدین بلبن کا ہے جس نے ۳۲۰ھ سے لیکر ۳۸۰ھ تک سلطنت کی اس معلوم ہوتا ہے کہ مولانا البتوامة نے سلطان غیاث الدین بلبن کے اشارہ سے ہجرت اختیار کی تھی۔ ع

”رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند“

یہ سنار گاؤں مسلمانوں کے عہد میں شرقی بنگال کا دار الحکومت تھا، اب یہ ایک غیر معروف مقام ہے جو کس پرسی میں پڑا ہوا ہے اور پینام (PAINAM) کے نام سے ضلع ڈھاکہ میں شامل ہے، دریا برہم پتر اس سے دو کوس کے فاصلہ پر بہتا ہے۔ سنار گاؤں کے اطراف میں کثیر تعداد میں ویران مسجدوں کے نشانات پائے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کسٹھی ماہ میں یہ ایک بڑا اسلامی شہر تھا، یہ اس شاہی شکر کا منہی تھا جس کو شیر شاہ نے بنایا تھا۔ ۱۲

کو علم ہو گیا کہ دہلی کا ایک مجید عالم میرا آقا ہے۔ صاحب مناقب الاصفیاء کا بیان ہے کہ شیخ مولانا شرف الدین کے تبحر علمی اور صلاح و تقویٰ سے بہت متاثر ہوئے اور فرمایا کہ:۔ علوم دین کی تعلیم ایسے ہی جامع علم و عمل شخص سے حاصل کرنی چاہئے اپنے اپنے والدین کے سنار گاؤں جانے کی اجازت مانگی اور ان کی اجازت سے مولانا شرف الدین کی ہجر کا بی اختیار کیا اور سنار گاؤں تشریف لے آئے۔ شیخ خود اپنی کتاب ”خوان پر نعمت“ کی مجلس ششم میں استاد کے متعلق اپنے سناٹا اور عقیدت کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں:-

مولانا شرف الدین ابوتوامہؒ اس جنس
دانشمند کے کہ در تمام ہندوستان مشاالیہ
مولانا شرف الدین ابوتوامہؒ ایسے عالم تھے
کہ تمام ہندوستان میں ان کی طرف انگلیاں
بودند و بیچ کس را در علم ایشان شبیہ نہ بود۔
اٹھتی تھیں اور علم میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔

سنار گاؤں پہنچ کر آپ حصول علم میں ہمہ تن مہمک ہو گئے۔

صاحب مناقب الاصفیاء کا بیان ہے کہ آپ کو مطالعہ اور اسباق میں اتنا انہماک تھا اور وقت کی اتنی قدر تھی کہ طلبہ اور حاضرین کے ساتھ عام دسترخوان پر حاضر ہونا اور سب کے ساتھ کھانے میں شریک ہونا گوارا نہ تھا کلاس میں کچھ زیادہ وقت صرف ہوتا ہے، مولانا شرف الدین ابوتوامہؒ نے آپ کا انہماک اور طبیعت کا تقاضا دیکھ کر اس کا انتظام کر دیا کہ آپ کا کھانا آپ کی خلوت گاہ میں پہنچ جایا کرے۔

۱۔ ”مناقب الاصفیاء“ مخدوم شاہ شعیب فردوسی کی تصنیف ہے جو شیخ شرف الدین احمد میری کجی انعام میں سے تھے۔ آپ شیخ عبدالعزیز بن مولانا محمد تاج نقہ کے پوتے ہیں۔ اس طرح یہ کتاب شیخ شرف الدین کے

حالات کا قدیم ترین اور خاندانی ماخذ ہے۔ ۱۲

۲۔ خوان پر نعمت ص ۱۵ (مطبع احمدی)

۳۔ مناقب الاصفیاء ۱۳۱ و ص ۱۳۲

شیخ کا یہ زمانہ شدید انہماک اور یکسوئی میں گزرا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سنار گاؤں کے زمانہ قیام میں طن سے خطوط پہنچتے تھے اُن کو آپ کسی خریطہ میں ڈالتے جاتے تھے، اور اس خیال سے پڑھتے نہیں تھے کہ طبیعت میں انتشار اور تشویش پیدا ہوگی اور حصول مقصد میں خلل واقع ہوگا۔

شیخ نے سنار گاؤں میں ہولانا کی خدمت میں تمام مروجہ علوم کی تکمیل کی، علوم دینیہ اور علوم نافذ کی تکمیل کے بعد فاضل استاد کی خواہش ہوئی کہ وہ اُن بعض علوم کی بھی تحصیل کر لیں جنکے اس زمانہ کے نوجوان اور حوصلہ مند طالب ہا کرتے تھے، مثلاً علمِ کیمیا وغیرہ۔ شیخ نے سعادت کی اور عرض کیا کہ: مجھے علوم دینیہ ہی کفایت کریں گے۔ مولانا شرف الدین ابوتوادمہ نے اس جوہر قابل کی پوری قدر دانی اور سرپرستی فرمائی اور اپنی صاحبزادی سے شیخ شرف الدین کا نکاح کر کے اُن کو اپنی دامادی میں لے لیا۔ سنار گاؤں ہی کے زمانہ قیام میں شیخ کے بڑے صاحبزادے شیخ ذکی الدین پیدا ہوئے۔

بعض سوانح نگاروں کا بیان ہے کہ فراغت کے بعد جب آپ نے خطوط کا خریطہ مراجعتِ وطن کھولا، تو جو پہلا خط آپ کے ہاتھ آیا، اُس میں آپ کے والد ماجد شیخ سحبی کی وفات کی اطلاع تھی۔ اس اطلاع سے ماں کا خیال آیا اور محبتِ فرزند نے جوش کیا اور آپ نے اپنے استاد سے وطن کو واپسی کی اجازت طلب کی اور صاحبزادہ شیخ ذکی الدین کے ساتھ غیر تشریف لائے۔

شیخ سحبی فریگی کا انتقال باتفاق مورخین ۱۱ شعبان ۱۰۹۹ھ میں ہوا، اسلئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ آپ کی واپسی ۱۰۹۹ھ کے کسی مہینہ میں ہوئی، اس سے زیادہ کی تاخیر کی گنجائش اس لئے نہیں ہے کہ شیخ نجیب الدین فردوسی نے (جن کے ہاتھ پر آپ نے دہلی جا کر بیعت کی) ۱۰۹۹ھ میں انتقال فرمایا،

اس لئے فیروا پس اور دہلی پہنچنا، یہ سب زیادہ زیادہ ۱۶۹۹ء کے آخر یا ۱۷۰۱ء کے اوائل میں تسلیم کرنا پڑے گا۔ اس زمانہ میں سفر کی صعوبت اور سنار گاؤں سے دہلی تک کی مسافت کو دیکھ کر اس بیان کے تسلیم کرنے میں تردد شوری محسوس ہوتی ہے اور یہ واقعہ بھی غرابت سے خالی نہیں کہ آپ نے ۱۶۹۹ء تک خطوط ملاحظہ فرمائے ہوں، اور والد کے انتقال کے بعد ہی خریدا کھولنے کی نوبت آئی ہو اور اتفاق سے پہلا خط ان کے انتقال کی اطلاع ہی کا ہاتھ لگا ہو لیکن خواہ مراجعتِ دطن کا محرک محض ایک خط کے اتفاقی مطالعہ کو نہ قرار دیا جائے، لیکن اس قدر ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی ۱۶۹۹ء سے پہلے فیروا پس نہیں ہوئی، کیونکہ اس واپسی کے موقع پر کسی تذکرہ نگار نے بھی والد سے ملاقات کا ذکر نہیں کیا۔ ”مناقب الاصفیا“ (جو ایک خاندانی ماخذ ہے) میں ہے:-

ازاں جا قصد فیروا کرد بخند مست مادر آمد	وہاں سے فیروا قصد کیا، ماں کی خدمت میں
... .. پس را تسلیم مادر کرد	حاضر ہوئے بچے کو اس کی دادی کے سپرد کیا
گفت این را بجائے من دانید	اور کہا کہ اسکو میری جگہ پر سمجھیے اور
مرا بگزارید ہر جا کہ خواہم بروم	مجھے اجازت دیجئے کہ جہاں چاہوں جاؤں
پندارید کہ شرف الدین مرد بعدہ	یہ سمجھ لیجئے کہ شرف الدین مرچکا ہے،
طرف دہلی رفت و مشائخ دہلی را	اس کے بعد دہلی تشریف لے گئے اور مشائخ
در یافت۔	دہلی کی خدمت حاضر ہوئے۔

بہر حال آپ کی بلند ہمتی، صدق طلب اور عشقِ الہی کی دہلی ہوئی چنگاری نے اس کی اجازت نہ دی کہ آپ ظاہری علم کی تکمیل پر قناعت کر کے فیروا میں قیام کر لیں اور علماء ظاہری کی طرح محض درس و تدریس میں مشغول ہو جائیں۔ آپ نے کس صاحبزادے کی والدین کو اپنی والدہ صاحبہ کے حوالہ کیا اور عرض کیا کہ اسکو میری یادگار دے

خاندان کا چشم و چراغ ہاں کر اپنے پاس رکھئے اور دل بہلائے اور مجھے دہلی جانے کی اجازت دیجئے کہ مقصود حقیقی حاصل کروں۔

بہر حال سلسلہ کے آخر یا سلسلہ کے آغاز میں آپ نے دہلی کو کوچ کیا، سفر دہلی و انتخاب شیخ

بڑے بھائی شیخ جلیل الدین ہمراہ تھے، اندازہ ہوتا ہے کہ تیسرا استاد کے فیض تعلیم اور اپنی جودتِ طبع سے آپ میں معاصر علماء و مشائخ کو ناقدانہ اور محققانہ نظر سے دیکھنے کی عادت اور علوم ظاہری کے معیار پر جانچنے کا مذاق پیدا ہو گیا تھا، دہلی پہنچ کر آپ نے مشائخ وقت کے یہاں حاضری دی انہوں نے اس نظر سے دیکھا کہ کس کو اپنا خضر طریق بنایا جائے، لیکن جیسا کہ سوانح نگاروں کا بیان ہر بزرگانِ دہلی میں سے کوئی آپ کی نظر میں نہیں جینچا۔ مناقب الاصفیاء کے بیان کے مطابق آپ نے سب کے ہاں حاضری دینے کے بعد فرمایا: ”اگر شیخی ایشیت ماہم شیخیم“ (اگر یہی پیری مریدی ہے تو ہم بھی شیخ ہیں)، صرف سلطان المشائخ شیخ نظام الدین کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ متاثر ہوئے، حضرت کی اور آپ کی کچھ علمی گفتگو بھی ہوئی، آپ نے سوالات کے معقول جواب دیئے، حضرت خواجہ نے اعزاز و اکرام فرمایا اور پانوں کی ایک تھال عنایت فرمائی اور فرمایا:-

سیر غیبت نصیب دارم مانیت ایک شاہین بلند پرواز ہو لیکن ہمارے
.....
جال کی قسمت میں نہیں ہے۔

دہلی سے پانی پت آئے اور شیخ جو علی (شرف الدین) قلندر پانی پتی کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہاں بھی اپنا مقصد نہیں پایا، فرمایا:-

شیخ است اما مغلوب حال است شیخ ہیں لیکن مغلوب الحال، دوسروں
یہ تربیت دیگر ہے نہی پر دازد کی تربیت نہیں کر سکتے۔

شیخ نجیب الدین فردوسی

دہلی اور پانی پت سے مایوس ہو کر واپس آنے پر بڑے بھائی شیخ جلیل الدین نے خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ کا تذکرہ کیا اور ان کے طریق اور مناقب بیان کئے، شیخ نے کہا کہ جو دہلی کا قطب تھا (خواجہ نظام الدین اولیاءؒ) اُس نے ہم کو پتے دیکر واپس کر دیا، اب دوسرے کے پاس جا کر کیا کریں گے؟ بھائی نے کہا کہ ملاقات کر لینے میں کیا حرج ہے۔ بھائی نے جب زیادہ ہرار کیا تو ان کی ملاقات کا ارادہ کر لیا اور دہلی روانہ ہوئے۔ دہلی اس شان سے پہنچے کہ منہ میں پان دبا ہوا تھا، کچھ پان رومال میں بندھے ہوئے تھے۔ جب خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ کے دولت خانہ پر پہنچے تو ایک دہشت سی طاری ہوئی۔ اور بدن اسپینہ سپینہ ہو گیا۔ تعجب ہوا اور کہا کہ میں اس سے پہلے دوسرے مشائخ کے ہاں حاضر ہوا، لیکن یہ کیفیت کہیں نہیں ملی۔ جب حضرت شیخ کے ہاں پہنچے اور شیخ کی اُن پر نظر پڑی تو فرمایا کہ منہ میں پان اور رومال میں بھی پان کے پتے اور دعویٰ یہ کہ ہم بھی شیخ ہیں، یہ سنتے ہی آپ نے پان کو منہ سے نکال دیا، اور ایک رعب کی حالت میں مودب بیٹھ گئے۔ کچھ وقت گزر جانے کے بعد بیعت کی درخواست کی۔ خواجہ نے قبول فرمایا، اور داخل سلسلہ کر لیا اور اجازت دے کر رخصت فرمایا۔

باب دوم

ہندوستان میں سلسلہ فردوسیہ

اور اس کے مشائخ کبار

خواجہ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ | شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی صاحب عوارف المعارف
و امام طریقہ سہروردیہ کے عم معظم اور شیخ طریقت خواجہ ضیاء الدین
ابوالنجیب عبدالقادر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۱۳ھ) کے خلفاء کبار میں سے ایک بزرگ
ابوالجناب احمد بن عمر مشہور خواجہ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ خوارزم وطن تھا۔ تصوف طریقیں
آپ مرتبہ عالی رکھتے تھے۔ شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی بھی روحانی رشتہ سے اپنا بڑا بھائی سمجھ کر
اور اپنے مرشد کا جانشین قائم مقام جان کر آپ کا بڑا ادب و احترام کرتے تھے۔ عوارف المعارف اپنے

سے آپ کا لقب کبریٰ اس بنا پر ہے کہ اپنی طالب علمی کے زمانہ میں بحث و مناظرہ میں مد مقابل کو شکست
دیدیتے تھے، ان کا لقب الطامۃ الکبریٰ (بڑی آفت) ہو گیا۔ کثرت استعمال سے الطامۃ مخدوف
ہو گیا، اور الکبریٰ رہ گیا۔
(خزینۃ الاصفیاء ص ۲۵۹)

مصنف کے زمانہ کے بعد سے لیکر اس وقت تک طابعین طریقت کا دستور العمل اور حرز جان ہی تصنیف فرمائی تو شیخ نجم الدین کی خدمت میں پیش کی، آپ نے ملاحظہ فرمایا اور قبولِ عام اور بقائے دوام کی دعا فرمائی۔
حضرت شیخ نجم الدین پر توحید و فنا اور عشق و محبت الہی کی کیفیت کا غلبہ تھا۔ معارف و حقائق کے بیان میں پائے بلند رکھتے تھے۔ مناقب الاصفیاء میں ہے:-

سمن در توحید و معرفت و در قواعد	توحید و معرفت اور طریقت و حقیقت کے
طریقت و حقیقت بیان بدیع گفتے،	اصول و قواعد کے پائے میں مہر بنیادیں اور
تصنیفات ادب عربی و فارسی و نظم و نثر	لطیف نکتے ارشاد فرماتے۔ عربی، فارسی اور
بسیار است از جملہ تصنیفات او تبصرہ	نظم و نثر میں انکی تصنیفات بہت ہیں انھیں
رسالہ در بیان طریق سلوک درین بین	تصنیفات میں ایک کتاب تبصرہ اور ایک رسالہ
ہند مشہور است۔	طریق سلوک کی بیان میں ہندوستان میں مشہور ہے۔

صاحب مناقب الاصفیاء نے آپ کے کچھ اشعار نقل کئے ہیں جن میں عشق و سرشاری کی عجیب کیفیت اور سوز و گداز اور محویت و استغراق کا عجیب عالم نظر آتا ہے، یہاں صرف چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں، ایک غزل میں فرماتے ہیں:-

در چنین حیرت کہ من درم چو گویم و صفحہ خیش

آتشم خاکم نسیم آب دریا چسبم؟

عاقلم دیوانہ ام اندر فراقم یا وصال

نسیسم ہستم نہ بر جایم نہ بے جا چسبم؟

دریکے شبیم ہزاراں کوہ و صحرا میں عجیب

شبیم یا سا علم یا کوہ و دریا چسپیم؟

بے نشانی شد نشان و بے زبانی شد زباں

بے نشان و بے زباں گویاں و مینا چسپیم؟

دوستانم تجھ خوارزمی ہمیں خوانند من

والہ و مدہوش و حیراں ناچیم چسپیم؟

دوسری غزل میں فرماتے ہیں - ۵

نہ از علوی خبر دارم نہ از سفلی اثر دارم وطن جائے دگر دارم کہ این طایفہ آغاجانہ

نہ در گنج مناجاتم نہ در کوئے خراباتم خلاف عقل طاعت کشیدہ رطلستانہ

بیار آں جام جاں افزا بہ برد انظارم برون شوازم از مادر آں یار فرزندانہ

چوں آتش گر چہ چالاکم نہ از بام نہ از خاک چوں آب از این آں پاکم بگفتم سر مستانہ

الائے نجم گر خواہی مسلم ماہ تاماہی

بسوئے حضرت شاہی قدم بردار مرا

۱۰ ارجمادی الاول ۱۰۶۱ھ کو خوارزم میں تاتاریوں سے مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہوئے

خلفاء میں شیخ مجدد الدین بغدادی (مصنف مرصاد العباد کے شیخ) شیخ سعد الدین جمویا، بابا کمال جنبی،

شیخ رضی الدین علی لائے شیخ سیف الدین باختری، شیخ نجم الدین ازہری، شیخ جمال الدین مکی اور مولانا

بہاء الدین خاص طور پر قابل ذکر ہیں مناقب الاصفیاء میں یہ کہ خواجہ فرید الدین عطار کو بھی آپ کے ارادت تھی۔

آپ کا طریقہ طریقہ کبرویہ کہلاتا ہے، یہ تین طریقوں سے
ہندوستان میں اس سلسلہ کی آمد | ہندوستان پہنچا۔ ایک امیر سید علی بن الشہاب ہمدانی

کشمیری (متوفی ۷۸۵ھ) کے ذریعہ جو شیخ شرف الدین محمود بن عبد اللہ المروقاتی کے خلیفہ تھے، ان کو شیخ علاء الدین
 سمنانی سے اجازت تھی اور وہ تین واسطوں کے خواجہ نجم الدین کبروی سے اجازت رکھتے ہیں۔ سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ
 ۳۰۰ سالہ سلسلہ میں کشمیر تشریف لائے اور ان کی تبلیغ اور مساعی جمیلہ سے کشمیر کی بیشتر آبادی مسلمان ہوئی۔
 یہ سلسلہ کبرویہ ہمدانیہ کشمیر میں گیارہویں صدی تک سرسبز رہا، اس سلسلہ کے ایک بڑے شیخ مولانا یعقوب
 صوفی کشمیری (متوفی ۸۳۵ھ) تھے جو اپنے زمانہ میں حدیث تفسیر کے ایک بڑے عالم علامہ ابن حجر، عینی مکی
 کے تلامذہ اور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی کے اساتذہ میں سے ہیں۔ یہ سلسلہ کشمیر میں ابھی تک
 زندہ اور موجود رہا ہے۔

طریقہ کبرویہ کے ہندوستان پہنچنے کا دوسرا ذریعہ امیر کبیر شیخ الاسلام سید قطب الدین محمد مدنی (متوفی ۷۶۷ھ)
 تھے جو خواجہ نجم الدین کبروی کے خلفاء میں تھے، آپ سلطان قطب الدین ایک یا سلطان شمس الدین التمش کے
 زمانہ میں ہندوستان آئے، اور عرصہ تک دہلی میں شیخ الاسلامی کے منصب پر فائز رہے، پھر کرا (بائیکٹ)
 فتح کر کے وہیں قیام پذیر ہو گئے۔ آپ بیک واسطہ خلیفہ شیخ علاء الدین جیوری (متوفی ۸۳۴ھ) تھے،
 ان کے سلسلہ میں بڑے بڑے مشائخ پیدا ہوئے۔ یہ سلسلہ سلسلہ جلیبیہ کے نام سے دکن کے بعض
 مقامات میں اب بھی موجود ہے۔

۱۔ آپ کی نسل میں ہندوستان میں بڑے بڑے علماء و مشائخ و مجاہد پیدا ہوئے جن میں حضرت شاہ علم اللہ نقشبندی راہبری
 خلیفہ حضرت سید آدم نبوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت سید احمد شہید حضرت مولانا خواجہ احمد نصیر آبادی مشہور ہیں مولانا
 سید عبد الحمی مصنف "زبۃ الخواطر" کا اسی خاندان سے تعلق ہے۔ ۱۲۔

اسی سلسلہ کی ایک شاخ "فردوسی" کہلائی۔ حضرت خواجہ
سلسلہ فردوسیہ ہندوستان میں | نجم الدین کبریٰ کے ایک جلیل القدر خلیفہ خواجہ سیف الدین
 باخزئی تھے، اُن کے خلیفہ خواجہ بدر الدین سمرقندی مشائخ فردوسیہ میں سب سے پہلے ہندوستان آئے اور
 یہاں قیام اختیار فرمایا اور طریقہ فردوسیہ کی بنیاد رکھی۔

خواجہ بدر الدین کے طریقہ کی خصوصیت فنا اور انحال ترک ادا و
خواجہ بدر الدین سمرقندی | اختیار و اخلاص و خوارق و کرامات تھیں۔ اس وقت سلسلہ چشتیہ کو ہندو
 میں قبول عام حاصل ہو رہا تھا، اور اس طریقے کی بنیاد پڑی تھی جس کی قیمت میں ہندوستان کا صاحبِ ولایت بنا تھا۔

اس وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں ایک روایت یہ ہے کہ حضرت نجم الدین کبریٰ کو خلافت دینے وقت حضرت خواجہ فیض الدین
 ابوالنجیب نے فرمایا تھا کہ: "شما مشائخ فردوس بتیید" لیکن حضرت شیخ رکن الدین فردوسی سے پہلے فردوسی کی نسبت نظر
 نہیں آتی، عام طور پر اس سلسلہ کے مشائخ اور ان کا سلسلہ کبریہ کہلاتا ہے، اس لقب کی شہرت دراصل حضرت شیخ رکن الدین
 فردوسی کے زمانہ سے ہوئی، اس وقت اس سلسلہ کے مشائخ فردوسی کہلائے۔ صاحب مناقب الاصفیاء کے بیان میں معلوم ہوتا ہے،

وہ لکھتے ہیں:۔ خواجہ رکن الدین ہندوستان میں اس شان سے آئے کہ

کہ عرب و عجم رسید شجرہ معظمہ پیران اسکی بنام آورد

پیران فردوس گفتند پیوستگان اس شجرہ را در ہند

بنام اوی خوانند فردوسی می گویند را لا لقب

تنزل من السماء ذلک فضل اللہ

یوتیہ من یشاء۔

(مناقب الاصفیاء ص ۱۲۵)

اس نام سے مشہور ہوئے۔ اس شجرہ کے وابستگان ہندوستان
 میں اپنے سلسلہ کو اسی نام سے پکارتے ہیں اور
 فردوسی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ پرانا مقولہ ہے کہ لقب
 آسمان سے اترتے ہیں، یہ اللہ کا فضل خاص ہے جس کو چاہے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا آفتاب ارشاد نصف النہار پر تھا۔ خواجہ بدر الدین سمرقندی کو ایسے ہی زمانہ اور ایسے ہی ماحول میں ایک ایسے طریقے کی بنیاد رکھنے کا کام کرنا پڑا جس کے اندر عام کشش و جوع عام کا سامان کم تھا، اور جس کے مشائخ اخفاءِ حال کو اظہارِ حال پر ذوقاً ترجیح دیتے تھے۔ صاحبِ مناقب الاصفیاء جو خود فردوسی ہیں، لکھتے ہیں:-

طریقہ شطار و مہمان حق داشت بزبانِ حال	ان کا طریقہ شطاریہ عشقیہ تھا، ہمیشہ بانِ حال سے
ہمیشہ گفتے طلبِ علوم دین لازم گیر بدو بدای	فرماتے رہے، طلبِ علوم دینیہ کو لازم سمجھو اور
عمل کنید و عمل را خالص برائے خدا اگر دانید	ان پر عمل کرو اور عمل کو خالصہً وجہ اللہ رکھو کہ
کہ علم بے عمل سود نہ دارد و عمل بے خلاص	علم بے عمل غیر مفید اور عمل بے اخلاص بے ثمر ہے
مژہ ندارد و طالب کرامت مبادی استقامت	اور کرامت کے طالب نہ رہو، بندگی میں استقامت
در عبادت کرم بجویید کہ الاستقامۃ کل	اصل کرامت ہے، تاکہ تم صاحبِ مکاشفات
الکرامۃ تمام کشف یقین شوید و بنیاد	یقینی ہو جاوے ہندوستان میں طریقہ فردوسیہ
بنار قواعد طریقت رہند استوار از دواز	کی بنیاد خواجہ بدر الدین سمرقندی اور ان
مقابلان او شد پیش از ان عوام و خواص،	کے پیروؤں کے ہاتھوں سے پڑی، اس سے
الا من شاء اللہ شامی مرا بنا بر اظہار خوارق	پہلے عوام و خواص الا من شاء اللہ اظہار
عادت و کرامت کردہ بودند معلوم است در	خوارق و کرامت کی بنیاد پر پیری مریدی
محمد خواجہ قطب الدین بختیار رحمۃ اللہ علیہ	کرتے تھے۔ معلوم ہے کہ خواجہ قطب الدین
در ہند بسیار محققان اہل طریقت بودند چنانچہ	بختیار کے زمانہ میں ہندوستان میں بہت سے
شیخ الاسلام شیخ بہاد الدین زکریا شیخ الاسلام	محققین اہل طریقت تھے جیسے شیخ الاسلام
شیخ نجم الدین صغریٰ شیخ الاسلام دہلی	شیخ بہاد الدین زکریا، شیخ الاسلام شیخ

و شیخ الاسلام خواجہ بدرالدین سمرقندی
 صاحب این ذکر و شیخ الاسلام شیخ
 معین الدین سجری پیر خواجہ قطب الدین
 تذکرہ رحمتہ اللہ علیہم اجمعین
 ان سب بزرگوں پر ہوں لیکن علوم و خواص
 کا جو رجوع عام خواجہ قطب الدین بخیار کا
 کی طرف تھا وہ ان بزرگوں میں کسی کی طرف نہیں
 تھا، اسکا سبب یہی تھا کہ خوارق عادات اور
 کرامات کھدہ حضرت خواجہ قطب الدین سے بہت تھا۔

صاحب مناقب الاصفیاء مزید ان کا مذاق و مزاج اور ان کے طریق کی خصوصیت بیان کرتے ہوئے
 لکھتے ہیں: —

خواجہ بدرالدین سمرقندی از روش مشائخ
 ہند ممتاز بود، مشائخ ہند اکثر ارباب معاملہ
 بودند و بعضے اصحاب ریاضت و مجاہدات
 بودند و خواجہ بدرالدین سمرقندی طریق
 شطارہ مجاہدانہ داشت ...

 شطاریہ عشقیہ تھا

اس طریق کا دار و مدار اختیاری فنا پر اور
 اس طریق کے سالکین کا عمل و توقیل

قبل ان تموتوا اندسائے ان الی اللہ طارک
 ان تموتوا پر یہ راہ خدا دہی کے لئے نور
 الی اللہ اول قدم برجانہند خوانماں در
 اور فضلے روحانی کے شہباز اور طائران
 نظر نیارند جان در بازند و شیر مردے
 نیز پرواز ہیں پہلے ہی قدم پر علائق سے گذر
 باید کہ درین راہ قدم نہد و خود را بعدم در بند
 جلتے ہیں اور جان پر کھیل جاتے ہیں بڑا
 شیر مرد چاہئے جو اس راہ میں قدم رکھے اور اپنے کو فانی بناد۔

خواجہ بدرالدین سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ صاحب سماع اور صاحب وجد و حال تھے، اپنے غالباً ساتویں صدی کے
 آخر میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے عہد میں وفات پائی۔ سنہ وفات کسی تذکرہ میں نہیں مل سکا۔

خواجہ بدرالدین سمرقندی کے خلیفہ خاص خواجہ رکن الدین
خواجہ رکن الدین فردوسی | فردوسی تھے۔ صاحب مناقب الاصفیاء کے بیان کے
 مطابق انھوں نے بچپن سے اپنے شیخ کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی، انھیں سے علم ظاہر و باطنیت
 کی تعلیم حاصل کی اور انھیں سے خلافت حاصل کر کے ان کے جانشین ہوئے، انھیں کے زمانہ سے یہ
 سلسلہ فردوسیہ کہلایا۔ صاحب گل فردوس لکھتے ہیں:-

گشت از فضل خداوند چو او فردوسی
 گشتم ازین طفیلش من و تو فردوسی

شیخ رکن الدین فردوسی بھی صاحب وجد و حال تھے۔ ان کا بھی انتقال ساتویں صدی کے اخیر میں

۱۰ مناقب الاصفیاء ص ۱۲۳

۱۱ خزینۃ الاصفیاء میں سنہ وفات ۷۱۶ھ دیا گیا ہے۔ مصنف نزہۃ الخواطر کی تحقیق کے مطابق یہ
 لائق اعتماد نہیں، ان کی وفات اس سے پیشتر ساتویں صدی میں ہو گئی تھی۔ (نزہۃ الخواطر ج ۱۰)

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے عہد میں ہوا۔

خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ اور خواجہ رکن الدین فردوسی کے برادر زادہ اور خلیفہ

ہیں، زندگی بھر اپنے شیخ اور علم ہمار کی خدمت میں رہے، پھر ان کی وفات کے بعد ان کے سجادہ کو آباد رکھا اور سلسلہ فردوسیہ کی اشاعت اور استحکام اور توحید و عشق الہی کی تبلیغ و اشاعت عام کیلئے ایک ایسے محقق مجتہد الفاضل و بانی طریقہ کی تربیت کی جس نے نہ صرف ان کے پیران عظام کے نام کو زندہ اور تابندہ رکھا بلکہ نصف صدی سے زائد تک مشرقی ہندوستان کو اپنے روحانی فیض اور حرارت عشق سے گرم و معمور رکھا، اور اپنی تحقیقات عالیہ، مقامات عالیہ اور علوم نادرہ کی بنا پر عین القضاۃ ہدائی خواجہ فرید الدین عطاء اور مولانا جلال الدین رومیؒ کی یاد تازہ کر دی۔ صاحب مناقب الاصفیاء ان کے متعلق لکھتے ہیں:-

اختیار گم نامی داشت از شہرت اسباب	گننامی کو اپنے لئے پسند فرمایا تھا۔ شہرت
شہرت بری بود، اولیائی تحت قبائی	اور اسباب شہرت بری تھے، اولیائی تحت
در شان او مسلم بود	قبائی اولیاء اللہ خلق کی نگاہوں سے ایسے ستار
مریدان اہل معنی داشت، مولانا	ہوئے ہیں کہ سوائے خدا کے کسی ان کی خیر

لے خزینۃ الاصفیاء کی تاریخ ۸۲۳ھ صحیح نہیں ہے، اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ ان کے خلیفہ شیخ نجیب الدین فردوسیؒ کا سنہ وفات بالاتفاق ۶۹۱ھ ہے، اور یہ بات خلاف قیاس ہے کہ وہ اپنے خلیفہ و جانشین کے بعد ۳۳ سال تک زندہ رہے ہوں، اور حضرت شیخ شرف الدین احمد نے ان کو چھوڑ کر ان کے خلیفہ سے بیعت کی ہو، اسلئے صاحب نزمہ المحو کا یہ بیان صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ان کا انتقال ساتویں صدی کے اخیر میں ہوا۔

عالم اندھی جامع فتاویٰ تارخانی کے نہیں ہوتی، ان کی شان تھی، ان کے مریدین
 از مریدان دے بود نظم ہائے بامعنی ارد۔ میں بڑے بڑے عارف اور محقق تھے مولانا
 مناقب خواجہ نجیب الدین فردوسی ہمہ عالم اندھی فتادی تارخانی کے مولف
 مستور بود رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کے مرید تھے، بڑی عارفانہ فطین ان کے
 قلم سے نکلی ہیں، خواجہ نجیب الدین فردوسی کے تمام کمالات پردہ خفایں تھے۔
 رحمۃ اللہ علیہ

۱۹ اس سے مراد مولانا فرید الدین عالم ابن العلامی اندر پتی ہیں، فتادی تارخانیہ رحمۃ اللہ علیہ میں تصنیف کر کے اپنے
 دوست امیر کبیر تارخان کے نام سے موسوم کیا، فیروز شاہ کی خواہش تھی کہ اس کے نام سے موسوم ہو، مگر
 اس کو قبول نہیں کیا۔ و نات غالباً ۸۶ھ میں ہوئی۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو نزہۃ السواطر (جلد ثانی)
 ۲۰ مناقب الاصفیاء ص ۱۳۶

باب سوم

مجاہد و خلوت، قیام و سکونت اور

ارشاد و تربیت

دہلی سے والیسی | مناقب الاصفیاء میں ہے کہ: خواجہ نجیب الدین فردوسی نے بیعت کرنے کے بعد تحریری اجازت نامہ بھی حوالہ کیا۔ شیخ شرف الدین نے عرض کیا کہ: مجھے تو ابھی خدمتِ الامین کچھ روز رہنے کا بھی اتفاق نہیں ہوا، اور میں نے سلوک کی تعلیم بھی ابھی جناب سے حاصل نہیں کی، میں اس اہم ذمہ داری اور نازک کام سے کیسے عہدہ برآ ہو سکوں گا؟ خواجہ نجیب الدینؒ نے ان کو اطمینان دلایا کہ یہ معاملہ اشارہ غیبی سے ہوا ہے، اور ان کی تربیت نبوت کی طرف سے ہوگی، اس کے بعد ان کو رخصت فرمایا اور کہا کہ:۔

”جب راستہ میں کوئی خبر سننے میں آئے تو واپس نہ ہوں۔“

چنانچہ ایک ہی دو منزل طے کی تھی کہ حضرت خواجہ صاحبؒ کی وفات کی اطلاع ملی، آپ نے حسبِ وصیت

سفر جاری رکھا اور منیر کی طرف روانہ ہوئے۔

شورشِ عشق | آپ خواجہ نجیب الدین سے رخصت ہوئے تو دل پر ایک چوٹ سی تھی، عشقِ الہی کی حرارت رگ و پے میں سرایت کر چکی تھی، فرماتے ہیں:-

من چوں خواجہ نجیب الدین فردوسی بستم میں جب خواجہ نجیب الدین فردوسی سے

حزن نے در دل من نہادہ شد کہ ہر روز ملا ایک حزن اور در میرے دل میں بیٹھ گیا

آن حزن زیادہ می شد جو دن بدن بڑھتا ہی جاتا رہا۔

جب آپ بہنیا پہنچے اور مورد کی چنگھاڑ سنی تو دل میں ایک ہلک اٹھئی اور مہر و ضبط یارہ نہ رہا،

گریبان چاک جنگل کی راہ لی اور روپوش ہو گئے۔ بھائیوں اور سفر کے ساتھیوں نے بہت تلاش کیا کچھ

سراغ نہ ملا، آخر اجازت نامہ اور خواجہ نجیب الدین کے تبرکات لے کر واپس آ گئے، اور یہ سب خبریں

والدہ کے حوالہ کیں۔

راجگیر کے جنگل میں | منقول ہے کہ آپ بارہ برس تک بہنیا کے جنگل میں رہے کسی کو خبر نہ ہوئی، اسکے بعد آپ اور راجگیر کے جنگل میں بھی دیکھا گیا لیکن کسی ملاقات

۱۱ مناقب الاصفیاء ص ۱۳۳

۱۲ " " ص ۱۳۳

۱۳ بہنیا منیر سے تقریباً بیس میل مغرب ضلع شاہ آباد (آرہ) میں ہے۔ اس وقت ای۔ آئی۔ ریلوے

کا اسٹیشن ہے۔ ۱۴ مناقب الاصفیاء ص ۱۳۳

۱۵ ڈاکٹر ہند گنیشیر میں لکھتا ہے:- راجگیر کے پہاڑ دو قلم متوازی الخط کی صورت میں جنوبی و غربی سمت کو چلے گئے ہیں

جن کے درمیان ایک تنگ مادی ہے جس کو جگہ جگہ لے اور درے قطع کرتے ہیں۔ یہ پہاڑ جو کسی جگہ سہارنٹ سے زیادہ

(بقیہ ص ۱۹ پر)

کی نوبت نہ آئی، یہ پہاڑ اور جنگل ہر فرقہ اور ملت کے متناض لوگوں کا گوشہٴ عزلت رہا ہے گو تم بدھ نے بھی رسول
یہاں بیٹھ کر دھیان جمایا، جس وقت مخدوم صاحب یہاں مجاہدہ اور ریاضت میں مشغول تھے اُس وقت ہند
جوگی بھی جا بجا خلوت نشین تھے۔ کتابوں میں ان ہندو جوگیوں کے ساتھ آپ کے متعدد مکالمے منقول ہیں۔
دامنِ کوہ میں ایک گرم جھرنے سے متصل آپ کا حجرہ اب بھی موجود ہے اور مخدوم کند کے نام سے
بھی ایک جھرنہ مشہور ہے۔

یہ بارہ برس کا عرصہ ریاضات، مجاہدات، خلوت و مراقبہ، تحیر و سرگشتگی اور بے خودی اور
سرستی میں گذرا، جنگل کی پتیاں غذا کا کام دیتی تھیں، اس زمانہ کی ریاضتوں کے متعلق ذکر کرتے
ہوئے آپ نے ایک مرتبہ اپنے مرید قاضی زاہد سے فرمایا کہ: ”میں نے جو ریاضتیں کی ہیں اگر ہمارا کرتا
تو پانی ہو جاتا۔ لیکن شرف الدین کو کچھ نہ ہوا۔ آپ کے بیان کئے ہوئے ایک واقعہ اور اندازِ بیاں سے
معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان ریاضتوں اور محنتِ شاقہ پر زیادہ مطمئن نہیں تھے۔ غسل کا ایک واقعہ بیان کرتے
ہیں جس میں آپ نے عزیمت کے خلاف سمجھتے ہوئے شریعت کی اجازت پر عمل نہیں کیا تھا۔ سخت سردی میں
ٹھنڈے پانی میں غسل کرنے کی وجہ سے یہوش ہو گئے۔ فرمایا کہ: (اس بلا ضرورت مشقت کا خلعت یہ ملا

(ص ۱۹) کا لقیہ حاشیہ) بلند نہیر میں عظیم الشان چٹانوں سے مرکب اور گھنی جھاڑیوں سے مزین ہیں اور ایک خاص قدیمی دلچسپی
رکھتے ہیں، کیونکہ ان پر اکثر مذہب بودھ کے آثار قدیمہ ملتے ہیں۔
جنرل کننگھم کہتے ہیں کہ:۔ چینی سیاح ہیویں سیانگ (HIVEN TSIANG) نے جو کپوٹیکا (KAPOTICA)
پہاڑی کا ذکر کیا ہے وہ یہی ہے۔ گرم جھرنے یہاں بہت ہیں۔
ڈاکٹر ہین ہملٹن (BUCHANEN HAMILTON) کہتے ہیں کہ:۔ یہ راجگیر وہی راج گریہا ہے جو بودھ
گوتمہا کا مسکن تھا اور قدیمی گدھ کا پایہ تخت تھا۔ نیا راجگیر دو ٹلٹ میل پر پڑنے شہر سے واقع ہے۔
(سیرۃ الشرف باختصار ص ۶۵ و ۶۶)

بہار کی سکونت اور خانقاہ کی تعمیر

اسی زمانہ میں حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء کے ایک خلیفہ اور انہی کے

ہمنام مولانا نظام بہار میں رہتے تھے جو مولانا نظام مولیٰ کے نام سے مشہور تھے، اُن کو جب یہ معلوم ہوا کہ بعض لوگ راجگیر کے جنگل میں گئے اور مخدوم صاحب سے اُن کی ملاقات ہوئی تو اُن کو بھی ملاقات کا شوق ہوا انہوں نے اور اُن کے بعض معتقدین نے جا کر ملاقات کی اور وقتاً فوقتاً جنگل میں جا کر مخدوم صاحب سے ملنے لگے۔ مخدوم صاحب نے ان کی طلب صادق اور اخلاص کو دیکھا تو فرمایا کہ: یہ جنگل خطرناک ہے، مجھے تمہارے آنے سے فکر پیدا ہوتی ہے، تم لوگ شہر میں رہو میں جمعہ کے دن شہر آ جا یا کروں گا اور جامع مسجد میں ملاقات ہو جا یا کرے گی۔ لوگوں نے یہ تجویز منظور کر لی۔ مخدوم صاحب جمعہ کے دن تشریف لاتے اور ایک گھڑی مولانا نظام الدین اور اُن کے دوسرے دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر جنگل کو واپس چلے جاتے تھے، ایک مدت اس طرح گزر گئی تو اُن معتقدین نے آپس میں مشورہ کیا کہ کوئی ایسی جگہ بنانی چاہئے جہاں آپ جمعہ کی نماز پڑھ کر کچھ دیر استراحت فرمالیا کریں، چنانچہ بیرون شہر جہاں آپ کی خانقاہ واقع ہے، انہوں نے دو چھپر ڈال دیئے۔ جب آپ جمعہ کی نماز سے فارغ ہوتے، اس جگہ دوستوں کے ساتھ نشست فرماتے، اور کبھی ایک دور وزہ ٹھہر بھی جاتے۔ اس کے بعد مولانا نظام الدین مجد الملک صوبہ اریہار سے اجازت لیکر اپنے مال مزرکی میں سے ایک پختہ عمارت بنوا دی۔ جب وہ عمارت تیار ہوئی تو وہاں آپ نے ایک دعوت کی جس میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے متوسلین شریک ہوئے اور انہوں نے مخدوم صاحب سے سجادہ پر بیٹھنے کی درخواست کی، آپ نے سجادہ کو زینت بخشی اور مولانا نظام الدین اور حضرت خواجہ

کے مریدین کی طرف منھ کر کے فرمایا کہ:-

دوستو! تمہاری نشست و برخاست مجھے اس بُت خانہ میں بٹھایا^{۵۱}

یہ واقعہ ۱۲۱۵ھ اور ۱۲۱۶ھ کے درمیان پیش آیا۔ یہ سلطان غیاث الدین تغلق کا عہدِ حکومت ہے۔

۱۲۱۵ھ میں سلطان محمد تغلق اپنے والد کا جانشین اور سربراہ اُسے سلطنت ہوا، سلطان کو

مشائخ صوفیاء اور اہل قلوب کو گوشہٴ عزلت سے باہر لانے اور نمایاں طریقے پر خلقِ خدا کی خدمتِ ربانہ

پر آمادہ کرنے کا بڑا شوق تھا، اور اس میں وہ بڑا سعی رہا کرتا تھا۔ اسی نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ

کے خلیفہ ارشد حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کو لشکرِ شاہی کی معیت پر مجبور کیا۔ حضرت خواجہؒ نے دوسرے

خلفاء مولانا فخر الدین زرادئیؒ و مولانا شمس الدین یحییٰؒ وغیرہ کو منبروں پر چڑھ کر تقریر کرنے اور جہاد کی غیب

دینے پر مجبور کیا۔ شیخ قطب الدین منور ہانسویؒ کو اُن کے گوشہٴ خلوت سے نکال کر دہلی طلب کیا، جب

اُس کو پہنچے تو بیسویں کے درجہٴ اطلاع ملی کہ مخدوم صاحب ساہا سال جنگل میں رہنے اور خلایق سے قطع

رکھنے کے بعد شہر میں تشریف لے آئے ہیں اور لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے لگے ہیں تو اُس نے مجد الملک

صوبہ دار بہار کے نام فرمان لکھا کہ شیخ کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کی جائے اور پرگنہ واجلیہ فقرا خانقاہ

کے خرچ کیلئے اُن کے حوالے کیا جائے، اور اگر وہ قبول نہ کریں تو زبردستی قبول کرایا جائے، اسی کے ساتھ ایک

۱۰ مناقب الاصفیاء ص ۱۳۲

۱۰ مولوی سید ضمیر الدین احمد مصنف سیرۃ الشرف نے بہت قرائن اور دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ

مخدوم صاحب کی سکونت پذیرگی کا زمانہ ما بین سنیں ۱۲۱۵ھ اور ۱۲۱۶ھ کے تھا۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سیرۃ الشرف ص ۱۱)

۱۱ تفصیل ہی کتاب میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے باب ششم میں گذر چکی ہے۔ ۱۲

مصلّائے بلغاری خدمت میں بھیجا۔

جب یہ فرمان شاہی مجد الملک کو پہنچا تو وہ حضرت مخدّم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ بادشاہ نے جو کچھ لکھا ہے میری کیا مجال کہ میں اسکی تعمیل کروں، لیکن اگر آپ اس کو قبول نہ فرمائیں گے تو اس کو میری حکم عدولی اور کوتاہی پر محمول کیا جائے گا اور بادشاہ کا طرز عمل سب کو معلوم ہے، خدا جانے میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ مخدّم صاحب نے جب مجد الملک کی مجبوری کو ملاحظہ فرمایا اور اس کا اصرار دیکھا تو بادل ناخواستہ اس کو قبول فرمایا، لیکن سلطان کی ذنابت بعد جب سلطان فیروز شاہ تغلق تخت نشین ہوا تو اپنے جاگیر سے قطع تعلق فرمایا۔ خانقاہ کی تعمیر شروع ہو گئی اور تھوڑے دنوں میں بن کر تیار ہو گئی۔ سیرۃ الشرف میں ہے :-

”خانقاہ کی تعمیر شروع ہوئی اور تھوڑے دنوں میں بن کر تیار ہو گئی۔ مجد الملک تمام لنگرواں اور ارباب تصوف اور مریدیانی شیخ نظام الدین کی دعوت کی۔ شروع مجلس سے آخر تک جماعتاً مکے صحن میں سماع ہوتا رہا، ایک مقام علیحدہ جس میں ایک حجرہ اور ایک رواق تھا، مخدّم کیلئے درست کیا گیا تھا اور وہی مصلّائے بلغاری جو بادشاہ نے بھیجا تھا وہاں بچھایا گیا۔ مخدّم اس پر متکّن ہوئے، ایک مسافر درویش جو مجلس میں حاضر تھا اپنی جگہ سے اٹھ کر مخدّم کے حجرہ میں آیا۔ مخدّم اس کی جانب مخاطب ہوئے اور اپنے فرمایا کہ یہ منزل اور مقام تمہارا ہے، میں تو مجد الملک کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں کہ اطاعتِ ادلی الامر سے چارہ نہیں ہے اور یہاں جو کچھ ہے فقیروں پر صدقہ ہے، میں تو اسلام ہی کے لائق نہیں، چہ جائیکہ مصلّی کے لائق ہوتا۔“

اس فقیر نے کہا:-

”مخدوم! تم کو خانقاہ اور مصلیٰ کی وجہ سے کون پہچانتا ہے، تم کو جو پہچانتا ہے حق کی وجہ سے پہچانتا ہے۔ ہم لوگ یہاں صرف آپ کی قوتِ باطن اور آپ کے طفیل سے آئے ہیں، یہاں آپ کی ہرکت سے اسلام ظاہر ہوگا اور قوت پکڑے گا۔“

مخدوم نے فرمایا، کہ:-

”جو فقرا کی زبان سے نکلتا ہے وہی ہوتا ہے۔“ اور یہ مصرع پڑھا۔ ع

”آں را کہ خود سلطان بود اور ہرچہ گوید آں بود۔“

افادہ و ارشاد | کم سے کم ۲۴۷ھ سے لیکر ۱۲۷۷ھ (جس میں آپ کی وفات ہوئی) تک نصف صدی سے زائد کا زمانہ خلقِ خدا کی ہدایت و ارشاد اور طالبین کی تعلیم و تربیت میں گذرا، شیخ حسین معزز شمس بلخی کے بقول اس عرصہ میں ایک لاکھ سے زائد انسان آپ کے حلقہٴ ارشاد میں داخل ہوئے، جن میں سے بعض اقوال کے مطابق کم سے کم تین سو آدمی عارفِ کامل اور مصلحِ حق ہوئے۔ متعدد ہندو فقروں اور متناض جوگیوں کے قبولِ اسلام اور آپ کے ہاتھوں تکمیل و تحقیق تک پہنچنے کے واقعات بھی نقل کئے گئے ہیں۔

ارشاد و تربیت کا بہت بڑا ذریعہ اور مرکز آپ کی وہ مجلسیں تھیں جن میں مشائخ کے دستور کے مطابق ہر طبقہ کے آدمی کو حاضر ہونے اور استفادہ کرنے کی اجازت تھی، اہل عقیدت اور اہل طلب ان مجالس میں شریک ہوتے، جن لوگوں کو کوئی بات دریافت کرنی ہوتی وہ دریافت کرتے اور جواب شانی پاتے۔ ان مجالس کا کوئی مستقل متعین موضوع اور زمان کی گفتگو کوئی مسلسل درس کی حیثیت نہیں رکھتی تھی، جو کچھ اللہ تعالیٰ آپ کے دل میں ڈالتا، ارشاد فرماتے، یا کسی بات کے فرمانے کی کوئی مناسب تقریب یا تحریک پیدا ہوتی تو حسبِ حال کچھ فرماتے۔ یہ مجالس بڑے گہرے معارف و حقائق اور تصوف کے

دقیق نکات و لطائف پر مشتمل ہوتی تھیں۔ زین بدر عربی جو آپ کے ملفوظات کے جامع ہیں "معدن المعانی" کے خطبہ میں لکھتے ہیں کہ:-

"در ہر مجلس و محلے البتہ از طالبانِ صادق
 و مریدانِ واثق و بندگانِ موافق کہ حاضر
 بودند ہر کسے در خورِ حال و کار خود ایراد
 سوالے از طریقت و التماسِ بیان از
 شریعت در خواستے اشارتے از حقیقت
 و طلبِ اظہارِ رموزِ معرفت عرض می داشتند
 بندگیِ مخدوم نامور و شیخِ دین پرور در
 مقابلہ سوال سائل جواباتی و بیان کافی
 بعباراتِ لطیفہ و اشاراتِ بے نظیر
 از زانی می داشت از ہر عبارتے صد
 معانی غیبی مستفاد و از ہر اشارتے ہزار
 لطیفہ لایبی مراد، از ہر معنی مفہومات
 بے نہایت از ہر لطیفہ و از کلمات بے غایت
 از ہر مفہومے حالات بے شمار و از ہر اور کے
 مقامات بسیار از ہر حالت ذوقے کہ
 آن را میزانِ بیان نہ سنجید و از ہر مقلے
 خبرے کہ در جہاں نشان نکلید۔

ہر مجلس اور ہر موقع پر طالبِ صادق اور
 مریدینِ راسخ الاعتقاد در حاضرینِ مجلس
 جو مناسبت لکھتے تھے وہ طریقت کے
 بارے میں کوئی سوال یا شریعت کی کسی
 تعلیم کی وضاحت کی درخواست کرتے اور
 معرفت کے اسرار و رموز سننا چاہتے تھے
 حضرت مخدوم ہر سائل کو جواب شافی
 مرحمت فرماتے اور بڑے دلپذیر طریقے پر
 اُس کی تشفی کرتے، آپ کے ارشادات
 بڑے بڑے لطیف نکات اور بڑے
 قیمتی فوائد و لطائف پر مشتمل ہوتے اور ہر
 سائل اور سوال کے حسبِ حال ایسی تقریر
 فرماتے کہ اس سے ایسا ذوق پیدا ہوتا
 جو الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتا اور
 ایسے مقامات کا پتہ چلتا جن کی
 اس محدود عالمِ محسوسات میں
 گنجائش نہیں۔

قطعہ

نشان این نتوان دید جز بدیدہ پاک کہ آفتاب شناسی بے بصر نہ رسد
بہ بین دگر نہ ملاست بدیدگان نہ ازل کہ زبان تپ زردہ را طعنہ بر شکر نہ رسد

بعض مرتبہ دینیات یا تصوف کی کتاب بھی مجلس میں پڑھی جاتی، مخدوم ایک ایک مسئلہ کی تشریح فرماتے، فقہ، اصول حدیث، تفسیر، تصوف، سب پر گفتگو ہوتی، اہل مجلس بالخصوص اہل علم استفادہ کرتے۔ ارشاد و تربیت کا دوسرا ذریعہ (خصوصاً ان لوگوں کیلئے جو کسی اور مقام پر ہوتے) آپ کے مکتوبات تھے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے علاوہ (جن کے مکتوبات ایک زندہ جاوید کا زامہ اور علوم و معارف کا بیش بہا خزانہ ہیں) شاید کسی نے اپنے قلم اور زورِ تحریر سے اور خطوط و مکتوبات کے ذریعہ اتنا عظیم الشان انقلاب انگیز اور دیرپا وسیع اصلاح و تربیت کا کام نہیں کیا، جیسا کہ آپ نے، نہ صرف تصوف کے ذخیرہ میں بلکہ علوم و معارف، نکات و لطائف کے عالمگیر ذخیرے میں مکتوبات کا یہ مجموعہ خاص اقتیاد رکھتا ہے، اور اپنی تاثیر ادب و انشاکی قوت، برجستگی اور زندگی کے لحاظ سے پورے فارسی ادبیات میں کم کتابیں اس پایہ کی ہونگی۔ ان مکتوبات نے حضرت مخدومؒ کے زمانہ میں بھی اصلاح و تربیت کی بہت بڑی خدمت انجام دی اور ان خوش قسمت افراد کے علاوہ بھی جن کے نام اصالتاً یہ خطوط لکھے گئے تھے، صد ہا اشخاص نے ان سے شیخ کامل و محقق نفاسِ توجہات کا فائدہ اٹھایا۔ حضرت مخدومؒ کی وفات کے بعد ہر صدی میں ہزاروں انسانوں نے ان سے فائدہ اٹھایا۔ خانقاہوں میں ان کا درس دیا گیا اور شیوخ کبار نے ان کی تشریح و تقریر کی اور صدیاں گزر جانے کے بعد بھی ان میں ایسی تاثیر و زندگی موجود ہے کہ معلوم ہوتا ہے لکھنے والے نے ابھی لکھا ہے اور ان کے الفاظ تیر و تشر کی طرح دل کے پایہ ہو جاتے ہیں۔



باب چہارم

صفات و خصوصیات

آپ کی سب سے نمایاں صفت جو آپ کا مزاج و مذاق بن گئی تھی اور جس کے بارے میں **فنائیت** آپ بالکل بے اختیار تھے وہ صفت نیستی اور فنایت ہی جو مجاہدہ و ریاضت کے اعلیٰ ترین ثمرات اور سالک طریق کے بلند ترین کمالات میں سے ہے۔ آپ کے مکتوبات کے لفظ لفظ اور آپ کے ارشاد کے حرف حرف سے اس کا اظہار ہوتا ہے، حضرت خواجہ نقشبندؒ نے فرمایا تھا:-

”آخر ما جیب تمنا تھی“

سلسلہ کبرویہ کے مشائخ کا یہ شعارِ خاص اور امامِ طریقہ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ کی یہ میراث تھی جس کے آپ پورے طور پر وارث ہوئے۔

مناقب الاصفیاء میں ہے کہ ایک موقع پر مشائخِ عمر جمع تھے ہر ایک نے اپنی اپنی تمنا کا اظہار کیا جب آپ کی باری آئی تو فرمایا، کہ:-

”آرزوئے من آنست کہ نام من
میری آمد زو یہ ہے کہ نہ اس دنیا
نہ دہریں جہاں باشد و نہ
میں میرا نام و نشان رہے“

دراں جہاں | اُس دنیا میں

اس فنائیت دے نفسی کا اظہار آپ کے اس جملہ سے ہوتا ہے :-

”ہمہ تمییس شیطان ماندہ ام نہ از خود خبرے نہ از اسلام اثرے“

ایک مکتوب میں اپنے حالی زار پر نوحہ و ماتم کی ضرورت و تفصیلت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ

سراسر اپنا حال اور اپنی کیفیت کا اظہار ہے۔ فرماتے ہیں :-

”گفتہ عارفانست کہ حقا تم حقا کہ پہنچ	عارفین کا قول ہے کہ خدا کی قسم، پھر خدا کی قسم!
آواز سے نزدیک خدائے تعالیٰ محبوب تہ	خداوند تعالیٰ کو اپنے آپ پر رونے کی آواز سے
از آواز نوحہ کردن برخویشتن نیست پس	زیادہ کوئی آواز پیار ہی نہیں ہو پس چاہیے
امروز شاید کہ صدیقان این راہ خداوند	کہ آج اس راہ کے صدیق اور دین کے پیشوا
دین نوحہ گری از خواجہ اویس قسرنی	ماتم خوانی خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے
رضی اللہ عنہ بیا موزند، اے برادر ہر کہ	سیکھیں۔ اے بھائی! جو کوئی ہر لحظہ اپنے
اور اہر لحظتی برخویشتن ماتم و نوحہ گری	آپ پر ماتم اور آہ و نغان نہیں کرتا وہ ایک
نیست۔ بطاً لے است پر از غفلت	مدعی ہے جو قیامت سے غافل ہو اور ایک مزار
بقیامت مردار است پر از طہرت، ایں جہ	جس کا دل حسرتوں سے بھرا ہوا ہو، یہ کیا جھوٹی
طعمہ و ناسد است کہ امروز ہر کہے	خواہشتا ہیں کہ آج ہر سر میں ان کا سودا ہو،
افتادہ است آجہ و حشمت و نفاذ امر و	ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ دنیاوی جاہ و جلال
نہی می باید و عز و ناز دنیا می باید و عزت	ہونا چاہیے اور ہمارے احکام کے امر و نہی کا

دما شائے علی الدوام می باید و بایں ہمہ نفاذ ہونا چاہئے اور دنیا کی ناز و نعمت
 آشنائی با حضرت خداوند می باید ہونی چاہئے اور عزت اور اس کا اظہار ہونا چاہئے
 اور پھر اس سب کے ساتھ خداوند کیساتھ آشنائی بھی ہونی چاہئے، خدا کی قسم یہ ممکن ہے۔

رُبَاعِی

جاں باز کہ وصل او بمستان نہ بند شیراز قدح شرع بمستان نہ بند
 آں جا کہ ہم می ہمہ مرداں نوشند یک جرعه ازاں بخود پرستان نہ بند
 ایک دوسرے مکتوب میں جس نیستی خود شکنی اور نفس دشمنی کی نصیحت فرمائی ہے وہ سراسر
 اپنا حال اور اپنی تصویر ہے اور یقیناً یہ مکتوب اس مرتبہ کمال پر پہنچنے کے بعد لکھا گیا ہے کہ مردانِ خدا
 اور کاملین طریق خود کسی مقام پر پہنچے بغیر اس مقام کی دعوت کو نفاق اور لہ تَقُولُونَ مَا لَا تَعْمَلُونَ
 کا مصداق سمجھتے ہیں۔ ارشاد موتا ہے :-

چوں حلقہ برد رزنی و برد آئی خاکِ خاک جبکہ تو اپنے یا اپنے مولیٰ کے دروازہ پر حلقہ زن
 باید بود و از ہمہ دعویٰ پاک باید بود، اگر ہے اور اس دروازہ پر آگیا ہے تو مٹی گھٹی اور
 ہزار تاج ملکا نہ بر سر نہی چہرہ گدائی تمام دعاوی پاک و صاف ہو جانا چاہئے، اگر تو
 و رنگ بے نوائی کہ خاک را اصلی است ہزاروں تاج شاہانہ بھی اپنے سر پر رکھ لیوے
 چہ کنی گردی کہ بروئے نشیند بآب لیکن جو خاک کی اصلیت ہے، یعنی چہرہ گدائی
 برخیزد، اما رنگِ روئے بآب برخیزد اور ”رنگِ مینوائی“ اس کو تو کیا کرے گا، گرد جو
 اوپر ہی اوپر بیٹھ جایا کرتی ہے پانی دھل جایا کرتی ہو، لیکن اصلی رنگ روپ پانی سے دھل نہیں سکتا۔

ایک دوسرے مکتوب میں بغیر کسی اشارے و کنایہ کے صاف صاف اپنی ہی طرف منسوب کر کے اپنی

بد حالی کا شکوہ اور ماتم فرماتے ہیں:-

ہم شامت زدہ صاحبِ ارباب اور آلودہ جوکر	”مائدِ بران و ملوثان را کہ بندگانِ دنیا
دنیل کے بندے اور خواہشِ غایت کے قیدی اور	داسیرِ عادیتم و زنا و دارانِ راہِ غفلتیم
راہِ غفلت کے زنا و دار ہیں، ہمارا کام عادت	بجز عادت پرستی کا رہے نہ وجہ نہ
پرستی کے سوا کچھ نہیں اور غافلوں کے سوا کہیں	غفلت گری شامی نہ راہِ مردان
ہمارا شمار نہیں ہمارا مردانِ خدا کے راستہ	دینِ رفتن و دعویٰ توحیدِ کردن اند
پر چلنا اور توحید کا دعویٰ کرنا بیباکی اور	بے باکی و نابینائی است، چہود و ترصا
اندھیر پن کی وجہ سے ہے۔ یہودیوں اور	دکلیسا و تہجانہ را از مانگ است“

آتش پرستوں کو اور کلیسا اور تہجانے کو ہم سے شرم آتی ہے۔

آپ سے جو مناجات منقول ہے، وہ آپ کی دل کی کیفیت کی پوری ترجمانی اور آپ کے جذبات

اور احساسات کا سچا مرقع ہے۔ فرماتے ہیں:۔

مجموعہ بے لنگ و بے چاہم ترا	خالقا بیچارہ را ہم ترا
نے نوائے نئے قرار سے نئے دلے	نے تے نے دویتے نے حاصلے
صورتم دا ماندہ معنی گم شدہ	دیں زدستم رفت دنیا گم شدہ
درمیان ہر دو حیران ماندہ ام	من نہ کافر نے مسلمان زادہ ام
ماندہ سرگردان و مضطرب چوں گنم	نے مسلمان نہ کافر چوں گنم

یارب اشک آہ بسیاریم ہست گندارم میچایں باریم ہست
ہم تن زندانیم آلودہ شد ہم دل محنت کسٹم فرسودہ شد
ماندہ ام در چاہ زندان پائے بست در جہنم چاہم کہ گرد جز تو دست
پاک کن از راہ صحن جان من پس بشو از اشک من دیوان من
گرچہ بس آلودہ در راہ آدم عفو کن گر بس اند چاہ آدم
اس قنایت کا ترقی و لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مدح و ذم خلایق آپ کے حق میں کیساں تھے۔ ایک مکتوب میں
فرماتے ہیں اور در حقیقت اپنا ہی واقعہ سناتے ہیں :-

اہل معرفت را از مدح و ذم و قدح خلق اہل عرفان کو مخلوق کی تعریف ثنا اور بھجو
چہ زیاں کہ نزدیک ایشان مدح و قدح و تردید سے بھلا کیا نقصان کہ ان کے نزدیک
خلق ہر دو یکے است نہ ممدوح خلق تو مخلوق کی بھجو و ثنا برابر ہے اچھا وہ نہیں
ممدوح است نہ مذموم خلق مذموم است جو مخلوق کے نزدیک اچھا ہے اور برا وہ نہیں
ممدوح حق ممدوح است و مذموم حق جو مخلوق کے نزدیک برا ہے بلکہ ممدوح ہی ہے
مذموم است ۔ جو حق تعالیٰ کا ممدوح ہے اور مذموم

وہی ہے جو حق تعالیٰ کا مذموم ہے۔

کسی فارسی کے قدیم شاعر نے گویا آپ ہی کے متعلق کہا ہے :-
گرفتار کمند خبر دیاں
نہ از مدحت خیر دار نہ از ذم

اس نیستی و از خود رفتگی کا نتیجہ یہ تھا کہ اگرچہ مقبولین بارگاہ الہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا جو معاملہ ہو
اُسکی بناء پر آپ کے کرامات اور خوارق کثرت سے سرزد ہوتے تھے لیکن اپنے اس مزاج و حال کی وجہ سے

اظہارِ کرامت سے بڑا منفرد تھا اور کسی ایسی چیز کو پسند نہیں کرتے تھے جس سے آپ کے مرتبہ و مقبولیت غفلت کا اظہار ہو۔ صاحب مناقب الاصفیاء لکھتے ہیں:-

”اگرچہ اکثر کارہائے دے مبنی بر خرق
اگرچہ آپ کے کاموں کا دار و مدار خرق
عادت و کرامت بود اما از اظہار آں
عادت اور کرامت پر تھا، لیکن آپ کرامت
کرامت بیزار بود و شکستگی و بدینوی ظاہر
کے اظہار سے بیزار تھے اور شکستگی اور بدینوی
کرد اگر کسی استمداد کارے و حاجت
ظاہر کرتے تھے، اگر کوئی شخص کسی کام
نخواستے حوالہ میران جلال دیوانہ
یا کسی حاجت کیلئے مدد طلب کرتا تو
کردے تھے۔“
اسکو میران جلال دیوانہ کے سپرد کر دیتے۔

یہ وہ دور تھا جس میں بزرگوں کی کرامات و خوارق کا گھر گھر چرچا تھا اور عوام انہیں کو خدا رسیدگی اور برگزیدگی کی علامت سمجھتے تھے۔

مناقب الاصفیاء میں ہے کہ ایک مرتبہ چند آدمی کچھ مری ہوئی مکھیاں لیکر آپ کے پاس آئے اور کہا کہ مشہور مقولہ ہے کہ:- الشیخ یحییٰ و یحییٰ و یحییٰ، شیخ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، آپ حکم دیجئے کہ یہ مکھیاں زندہ ہو جائیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں خود در ماندہ ہوں دوسرے کو کیا زندہ کروں گا۔

صوقیائے کرام کے اخلاق مشکوٰۃ نبوت کے نور سے فیضیاب اور منور ہوتے
علو اخلاق | ہیں اسلئے ان حضرات کے اخلاق اسی ذات گرامی کے اخلاق کا پرتو ہیں
جس کے متعلق قرآنی شہادت ہے کہ:- اِنَّكَ لَعَلٰی خَلَقْتَ عَظِيْمًا، صاحب مناقب الاصفیاء

نے لکھا ہے کہ: اخلاق شیخ شرف الدین مانند اخلاق نبیؐ بود۔^۱

آپ کے نزدیک اخلاق نبویہ سے آراستہ ہونا اور سیرت نبویؐ کے سانچے میں ڈھلنا جنت ضروری تھا، اس کا اندازہ آپ کے مکتوبات کے ان اقتباسات سے ہوگا۔ درحقیقت یہ خود آپ کا حال تھا جس کو ایک اصول کے طور پر بیان فرمایا جا رہا ہے:-

و ایں اخلاق است کہ در طریقت	اور در اصل اخلاق یہ جو کہ طریقت
شعار ارباب علوم گشتہ کہ در علم اول	میں اہل علم کا شعار بن گیا ہے کہ وہ اپنے
اقتدار بشریت دارند و اخلاق خویش را	احوال میں شریعت کی پیروی کرتے ہیں اور
بر محک سنت امتحان کنند و ہر کہ	اخلاق کو سنت کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں اور
در شریعت محقق نباشد دے راز	جو کوئی شریعت کی تحقیق نہیں کر لیتا اسے
طریقت ہیچ فائدہ نبود ^۲	طریقت (تصوف) سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں:-

ہر کہ بتا بدست شرع راسخ تر نیکیو خوبی تر	جو کوئی شریعت کی پیروی میں جتنا زیادہ
... و ہر کہ نیکیو خوبی تر بردگاہ خداوند عزیز تر	راسخ ہو اتنا ہی خوش خلق زیادہ ہو اور جو جتنا
چوں خلق نیکیو میراث آدم است و تحفہ	خوش خلق زیادہ ہو بارگاہ خداوند تعالیٰ کا
خداوند عالم است کہ بدودادہ است	محبوب زیادہ ہو جبکہ اچھا اخلاق آدم
لا بد هیچ پیرایہ نیست تباشد مومن را	علیہ السلام کی میراث اور خداوند عالم کا عطا
نیکیو تر از خلق نیک و اصل خلق نیکیو امثال	کردہ تحفہ ہو پس لازماً مومن کیلئے اچھے اخلاق

فرمان خداوند است و متابعت شرع رسول
 بڑھ کر کوئی اور اچھا طریقہ اور زیب و زینت
 دے صلی اللہ علیہ وسلم کہ
 کی خبر نہیں ہو اور اچھے اخلاق کی حقیقت
 حرکات و افعال سیدہ کائنات علیہ
 خداوند تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری اور اچھے
 افضل الصلوات و السلام
 رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی پیروی
 کرنا ہے کیونکہ سیدہ کائنات علیہ افضل الصلوات
 ہمہ پسندیدہ بودہ است ہر کہ متابعت
 دے دار و باید کہ در معیشت چنان
 و السلام کے تمام افعال و حرکات ہمیشہ
 زندگی کنی کند کہ او کردہ است۔“
 رخلق و خالق کے نزدیک (پسندیدہ رہے)

ہیں۔ اور جو کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتا ہے اُسے

چاہیے کہ اپنی زندگی اس طرح گزارے جس طرح آپ نے گزارا ہے

آپ کے حالات اور آپ کی سیرت بتاتی ہے کہ آپ نے ان اخلاق میں بھی کامل اتباع نبوی کی
 پوری پوری کوشش کی، اور آپ کے اخلاق، خلق خدا کے ساتھ برتاؤ، اس کے حال پر رحمت و شفقت،
 مخلوق کے غیوب کی پردہ پوشی، اور بندگان خدا کی دلجوئی و دلداری میں آپ صاحب خلق عظیم
 کے ایک تتبع اور اخلاق نبوی کا ایک نمونہ تھے۔

آپ بڑے نرم دل، بندگان خدا کے حق میں بڑے کریم و شفیق دوست پروردگار اور
 رحمت و شفقت دشمن نواز تھے۔ عارف اور مرد خدا کا مقام و طریق زندگی بیان کرتے
 ہوئے آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ آپ کی سچی تصویر ہے۔ فرماتے ہیں:۔

رحمت و شفقت اور ہمہ تاب و نور بخورد اس کی رحمت و شفقت کا آفتاب ہر ایک پر

بخلق و بد خود نپوشند بخلق پوشاند برنجم
 مردمان تنگد و کج خلق ایشان نہ بپند
 شفیع ظالم خود بود جفا را بوقاییش آید
 دشنام را بدعا و ثنا مقابلہ کند، این دانی
 از چہیست از بہر آن کہ وہ محفوظ
 است از ساحت دل وے جز با دراحت
 بر خلق نوزد، اور شہقت چوں آفتاب
 بر دشمن پیمناں تابد کہ بر دوست در تواضع
 چوں زمین بود ہمہ خلق پائے برک نہند
 اورا با کس خصوصت نہ دست تصرف
 از خلق کوتاہ بود، ہمہ خلق عیال وے بود
 او عیال کس نہ بود در سخاوت چوں دیار
 بود دشمن اہمچنان بخشد کہ دوست را
 عین رحمت شدہ بر کافہ خلق شرق
 و غرب، زیرا کہ آنداد بود ہر چہ بپند
 از یکجا بیت دیدہ اش دیدہ جمع بود
 و ہر جزوے اذاجز آفے۔ فے را
 ہنچنین خلعتے پوشاند و ہر کہ بدیں
 صفت نبود اورا در طریقت ہیج

چمکتا ہی خود نہیں کھاتا، لوگوں کو کھلاتا
 ہے خود نہیں پہنتا لوگوں کو پہنتا ہی لوگوں سے
 اُسے جو تکلیف پہنچتی ہے اُس کی طرف گاہ
 نہیں کرتا اور اُن کے ظلم کو نہیں دیکھتا،
 اپنے ظلم کرنے والے کا شفیع ہوتا ہی جفا
 کا بدلہ وفا سے دیتا ہے، گالی کا جواب
 دعا و ثنا سے دیتا ہی، تو جانتا ہے کہ یہ سب
 کچھ کیوں کرتا ہی؟ اسلئے کہ وہ محفوظ ہے
 اُسکے دل کی فضا سے سوائے یادِ رحمت
 کے خلق پر کوئی ہوا نہیں چلتی، وہ شفقت
 میں آفتاب کی طرح ہوتا ہی کہ جس طرح دوست
 پر چمکتا ہے اُسی طرح دشمن پر چمکتا ہے۔
 تواضع میں زمین کی طرح ہوتا ہی کہ تمام
 مخلوق اُس پر پاؤں پر رکھتی ہی، وہ کسی
 کے ساتھ جھگڑا نہیں کرتی، مخلوق پر
 دستِ مہربانی کرنے سے اُس کا ہاتھ کوتاہ
 ہوتا ہی، تمام مخلوق اُسکی عیال ہوتی ہے
 لیکن وہ کسی کا عیال نہیں ہوتا، سخاوت میں دیا
 کی طرح ہوتا ہی، دشمن کو اُسی قدر نوازتا ہی

قد مے نبود“ جس قدر دوست کو، مشرق و مغرب کی

جملہ مخلوقات پر رحمت ہی رحمت بن کر بہتا ہے، کیونکہ وہ آزاد ہوتا ہے۔
جو کچھ دیکھتا ہے یعنی تمام مخلوق کو اسی ذات پاک سے منسوب سمجھتا
ہے) اُس کی آنکھ ”اہل جمع“ کی آنکھ ہوتی ہے، اس کے وجود کے اجزاء
میں سے ہر ایک جزو کو اسی طرح خلعت پہنایا جاتا ہے، اور جو ان
اوصاف سے موصوف ہو اُس کو طریقت میں کوئی مرتبہ و مقام
حاصل نہیں ہوتا۔

اس رحمت و شفقت کا نتیجہ تھا کہ کسی بندہ خدا کا دل توڑنا آپ کے مشرب میں گناہ تھا۔ صوفیہ صافیہ کا
قدیم زمانہ سے شیخ سعدیؒ کے اس مقولہ پر عمل رہا ہے کہ: ”آزردن دل درستان جہل است کفارہ“
یعنی سہل ہے۔“

ایک مرتبہ آپ نفل کا روزہ رکھے ہوئے تھے، ایک شخص بڑے اہتمام آپ کی خدمت میں ایک
تحفہ لایا اور کہا کہ میں بڑے شوق سے یہ آپ کی خدمت میں لایا ہوں کہ آپ تناول فرمائیں۔ آپ نے
اسی وقت تناول فرمایا اور فرمایا:

”روزہ توڑنے کی قضا ہے، لیکن دل توڑنے کی قضا نہیں۔“

اس کا یہی نتیجہ تھا کہ حتی الامکان پردہ پوشی سے کام لیتے اور اگر کسی کے متعلق کسی گناہ یا کوتاہی
کی اطلاع ملتی تو اس کی تاویل فرماتے۔

مناقب الاصفیاء میں ہے کہ ایک دن ایک شخص نے آگے بڑھ کر امامت کی اور آپ نے

اسکے پیچھے ناز پڑھی۔ نماز کے بعد کسی نے آپ سے عرض کیا کہ: ”یہ شخص شراب خوار ہے؟“ آپ نے فرمایا کہ ”ہر وقت نہیں پیتا۔“ لوگوں نے کہا کہ ہر وقت پیتا ہے۔ فرمایا: ”رمضان میں نہیں پیتا ہوگا۔“

معرفتِ حقیقی اور عشقِ کامل کا نتیجہ قدرتی طور پر دنیا و دلوں

دنیا سے بے لوثی اور بے تعلقی سے بے رغبتی اور خشک دامنیت ہے۔ آپ نے اپنے ایک

مکتوب میں دو شعر لکھے ہیں وہ بالکل اپنا ہی حال ہے۔

من پاکباز عشقم تخم غرض نہ کارم پشت و پناہ فقرم پشت طمع ندارم

نہ بند خلق باشم نہ از کسے ہر اسم مرغ کشادہ بالم برگِ قفس ندارم

آپ نے مجدد الملوک پاسِ خاطر سے اور اُس کو محمد تغلق کے عتاب سے بچانے کے لئے خانقاہ کیلئے

جو جاگیر بادل نا خواستہ قبول فرمائی تھی وہ فقیر دوست اور کریم النفس بادشاہ فیروز تغلق کے عہد میں

واپس کر دی، اور اگر سیرۃ الشرف کی وہ روایت صحیح ہے جو ”مونس القلوب“ کے حوالہ سے لکھی گئی ہے

تو دہلی تشریف لیجا کر پر وائے جاگیر بادشاہ کے حوالہ کر دیا، اسکے بعد خانقاہ کی تعمیر و توسیع سے کوئی تعلق اور

دلچسپی نہیں رکھی۔ اگر کوئی اس کا مشورہ دیتا تو طبعِ عالی پر گراں گذرتا، صاحبِ گنج لا یحقی لکھتے ہیں کہ:-

”شیخ حمید الدین محمد دم کے دوست تھے، خلوتوں میں آپ کے ساتھ رہتے تھے

ایک بار آدھی رات گزرے محمد دم کی خدمت میں حاضر ہوئے، شبِ ماہ تھی

محمد دم باہر نکل آئے اور صحن میں دیوار کے قریب بیٹھ گئے، شیخ حمید الدین بھی

ایک ساعت بیٹھے رہے، تھوڑی دیر بعد بولے کہ اگر یہ چبوترہ کچھ بڑھ جائے

تو صحن مصفا نظر آئے، محمد دم اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمانے لگے کہ میں نے

جا۱۲ تھا کہ اس نیم شب میں امور دینی میں کچھ مشکل پیش آئی ہوگی، اس کے حل کے لئے آپ تشریف لائے ہیں، لیکن اب میں دیکھتا ہوں کہ میں برسر غلط تھا، آپ فرماتے ہیں کہ چوترا بڑھاؤ، یہ کہتے کہ اس ستخانہ کو چن کر ویران کر دو۔

عامۃ ہمت | آپ کا ایک بڑا امتیاز اور ترقیات و کمالات کا راز آپ کی جبلی بلند ہمتی اور علو حوصلہ ہے جو آپ کے حالات زندگی اور مکتوبات کی سطر سطر سے ظاہر ہوتا ہے، آپ نے اپنے اہل تعلق اور احباب و خدام کو ہمیشہ علو حوصلہ اور وسعت قلب کی تاکید کی ہے، یقیناً اس پر سب سے زیادہ عمل آپ ہی کا ہوگا، ایک خط میں بڑے ولولہ انگیز طریقہ پر علو ہمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں:-

”ہر چند تو پستی ہمت بلند داراے
تو کتنا ہی پست ہستی ہمت کو بلند رکھ،
برادر ہست مرداں بھی چیزے فرد
بھائی! مزدوں کی ہمت کسی چیز کے
نیاید، آسمان و زمین، عرش و کرسی
ساتھ بھی پست نہیں ہوتی، ان کی
بہشت و دوزخ بار ہمت ایشاں
ہمت کے بوجھ کو آسمان و زمین،
نکشد این است کہ گفت: ”
عرش و کرسی اور بہشت و دوزخ نہیں اٹھا
اسی واسطے کہا گیا ہے — غنوی

نے در غم دوزخ و بہشت اند
این طائفہ را چنیں سرشت بد
چو نگ در حضرت خدائے زود
ہر چہ آن نیست کہ پشت پائے زود
تا بجا روبرو لا نزدیکی را
کے رسی در سرائے الا اللہ

”ہمت! میں مردانِ فضا کے پاک و صحرائے
 ان مردانِ خدا کی ہمت ایسی پاک فضا اور
 با وسعت ہے جس و خاشاکِ حق اہلِ تادریے
 ایسے وسیع صحران کی طالب ہو جس میں خوش خاشاک
 پرواز کنند و بیچِ فضا کے پاک تر از فضا
 کا نام و نشان نہیں تاکہ یہ لوگ اس میں پرواز
 پاک ربوبیت نیست و بیچِ صحرائے با وسعت
 کریں اور کوئی فضا ”فضائے ربوبیت“
 تر از صحرائے وحدانیت نیست ہمتِ شایا
 سے زیادہ پاک اور کوئی ”صحرا“ صحرائے
 گرد و کعبہ و بیت المقدس نگر و دو با آسمان
 وحدانیت“ سے زیادہ وسیع نہیں ہے
 و زمین طواف نکند سبحان اللہ عزوجل
 مردوں کی ہمت کعبہ اور بیت المقدس کے
 عجب کار ہے است مردے در جائے خود
 گر و نہیں گھومتی اور آسمان و زمین کا طواف
 نشستہ و پائے در و ہن کشیدہ و سر بر
 نہیں کرتی، سبحان اللہ! کیا ہی عجیب کام
 زانو نہادہ و سر او از کون مکان در گزشتہ
 ہے ایک مرد اپنی جگہ پر بیٹھا ہوا ہی،
 وز ہے ہمت کہ آن راجز در آبِ خاک
 پاؤں کو دامن میں سمیٹے ہوئے اور سر کو
 نیابی ازیں جاگفتہ است“
 زانو پر رکھے ہوئے در انحالیکہ اس کا

”سر“ (ہمت) کون دمسکان سے بھی آگے گزر گیا ہے کیا
 ہی مبارک ہمت ہے کہ تو اس کو سولے پانی اور مٹی (بتی آدم)
 کے اور کہیں نہ پائے گا، اسی لئے کسی نے کہا ہے

حقا کہ ہذا نیادر دی کرد
 چرخِ فلک اے پسرِ کائنات

صاحب سیرۃ الشرف نے صحیح لکھا ہے: —

۱۔ مکتوب چہارم۔

”آپ کی آنکھ ہمیشہ نایافتہ پر لگی رہتی تھی، کیونکہ یافتہ آپ کو ادنیٰ شے دکھائی
دیتی تھی اور وسعت حوصلہ اور بلند ہمت کی وجہ سے ہر دم و ہر آن اعلیٰ ترین
پیش نظر رہتا تھا۔“

دوسروں پر بھی اسی وسعت حوصلہ اور بلندی ہمت کی فرمائش کی:-

”فی المثل اگر ہر وہ عالم را بردہ تر تو آئندہ اگر بالفرض دونوں جہانوں کو تیرے روضہ
ذکوۃ نرسد بر تصرف کہ خواہی بہن ہو شیار پر لے آئیں اور کہہ دیں کہ ”یہ سب تیری ملکیت ہے
باش از آسچہ فوق الدنیا و الاخرہ ہست جس طرح چاہے اس میں تصرف کر“ پھر بھی
محبوب نگر قطع طرقتی شود ہم گولہ عارفان ہو شیار رہے ایسا نہ ہو کہ جو کچھ دنیا و آخرت
گفتہ اند۔“ سے مافوق پر وہ پردہ میں ہو جائے اور اُس

تک پہنچنے کا راستہ قطع ہو جائے تو بھی وہی کہہ جو عارفوں نے کہا ہے:-

دنیا ست بلا خانہ و عقبی ہو س آباد
حاصل ایر ہر وہ بیک جو نستانیم

پھر دوسری جگہ فرماتے ہیں:-

”ہر آئینہ چوں حوصلہ وسیع ہو در وہمہ بگشجد و اگر تنگ ہو نہ گنجد بوں

افتد اس نکتہ دریں باب (اے طلب) اصلی تویست“

اہل تفرید و تجرید انقطاع عن الخلق اور انس مع الحق کے اُس مقام

تجرید و تفرید | تک پہنچ جاتے ہیں جہاں کسی نامحرم کا پہنچنا یا اُس کی بلندیوں کا ادراک کرنا

عامیوں کے لئے مشکل ہے، اسلئے سب تک وہ خود ہی اپنا حال نہ بتائیں یا اس منزل کا نشان نہ دیں

اس کا سراغ لگنا مشکل ہے، پھر چونکہ ان مردانِ خدا کو خلوت و راجح اور سفر و وطن کی دولت حاصل

ہوتی ہے اور ”دست بکارِ دولِ بیار“ کی تصویر ہوتے ہیں۔ منصبِ ارشاد و تربیت کی ذمہ داریاں اور اتباعِ نبویؐ کی شان ان کو ہمیشہ خلافت کے درمیان رکھتی ہے اسلئے اور بھی ان کے اصل مقام سے ناآشنائی پیدا ہوتی ہے۔ تجرید و تفرید کون سا مقام ہے اور جو لوگ اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں ان کی کیا کیفیت ہوتی ہے اس کو خود ان ہی کی زبان سے سنئے، کس جوشِ بلاغت کے ساتھ اور کس سرشاری و سرستی کی کیفیت میں بیان کرتے ہیں:۔

”تجرید از علائن و خلائن بود و تفرید از خود	”تجرید“ تمام تعلقات اور مخلوقات سے
در دل غبارِ نہ بر پشت بارے نہ با کس	الگ ہونا ہے اور ”تفرید“ اپنے آپ کو
شمارے نہ در سینه بازارے نہ با بیع	چھوڑنے کا نام ہے کہ نہ دل میں کوئی ”غبار“
مخلوق کارے نہ ہمیش از در در عرش	ہو اور نہ پیچھے پر کوئی بوجھ ہو نہ کسی کے ساتھ
بر گذشتہ و از کونین رمیدہ و بامراد	کوئی حساب کتاب ہو اور نہ سیدہ میں
آرمیدہ و بآورد کونین بے دوست خوشی	(و نیادی تفکرات) کا کوئی بازار ہو نہ کسی
و بے وجود عالمین با دوست ناخوشی نہ	مخلوق سے کسی قسم کا کوئی کام ہو اسکی
عزیزے گفتم است لا وحشة	ہمت کا (شاہیناز) عرش کے گزر گیا ہو
مع الله ولا سراحة مع غیر الله	اور دونوں جہانوں سے گزر کر اپنے مطلوب سے
چنانکہ گفتم اندر کہ از خداوند محبوب است	ہمکنار ہو دونوں جہانوں کے موتے ہوئے
در عین بلا و رنج است اگر چه کلید	بغیر دوست کے کوئی ناخوشی نہ ہو اور دونوں
خزائن ممالک و در دست دارد و ہر زندہ	جہانوں کی عدم موجودگی میں دوست کیساتھ
پوشے و گدائے کہ اورا با خداوند خود	موتے ہوئے کوئی ناخوشی نہ ہو ایک عزیز
کار نیست بادشاہ دو جہان است	نے خوب کہا ہے: ”اللہ کے ساتھ ہوتے ہوئے

ہر چند نال شب ندر ہے
کوئی وحشت نہیں ہے اور غیر اللہ کے

ساتھ ہوتے ہوئے کوئی راحت نہیں ہے، چنانچہ کہا گیا ہے کہ جو کوئی
خدا یتعالیٰ سے محبوب (دور) ہے وہ عین مصیبت و رنج میں پڑا ہوا ہے
اگرچہ کئی ملکوں کے خزانوں کی کنجیوں کا مالک ہو اور ہر دلق پوش اور
گدا کہ اُس کا خدا سے تعلق ہو وہ دونوں جہانوں کا بادشاہ ہے اگرچہ
رات کا کھانا بھی اُسے میسر نہ ہو۔

ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں :-

”دوستان بے وجود باوجود نہ بریکانگان
دوست بغیر وجود کے بھی موجود ہیں اور دنیا
باوجود بے وجود اند و لیکن شرط آنست
موجود ہوتے ہوئے بھی غیر موجود ہیں لیکن
کہ از ہمہ عالم بگریزی در بر خود برائی و
دل از خود برداری و دست از خود شنی
چنانکہ اصحاب کہف کردہ اند و از دل خود
کہف سازی و در دل برائی و چہار کبیر
بر خود بگوئی و سگ نفس از دل خود بری
کنی تا ترابر خلق جلوہ کنند چنانکہ اصحاب
کہف اگر دند کو اطلعت علیہم لو کنت
منہم قرار دلمنت منہم دعیا“
نے کیا ہے اپنے ہی دل کی کہف (غار) بنا اور
اپنے ہی دل میں اگر اپنے پرچار کبیر کہہ دیوے
اور اپنے نفس کے کتے کو اپنے دل سے باہر
نکال دے تاکہ تجھے مخلوق کا پر ظاہر کریں جیسا کہ
اصحاب کہف کو ظاہر کیا گیا (قرآن شریف میں آیت ہے)

اگر تو اُن کے حال سے مطلع ہو جائے تو تو پیچھے کو بھاگ آئے اور تیرا

دل اُن کے رعب سے بھر جائے، اگر تو اُن کو جھانک کر دیکھے !

لیکن تجرید و تفرید کے اس بلند مقام کے باوجود جس میں
دل میں غبار اور کسی مخلوق سے سروکار کی بھی گنجائش نہیں
آپ کو خلقِ خد کے حال پر حرکت و شفقت اور مسلمانوں کے

امر بالمعروف اور مسلمانوں کے حالات و معاملات کی فکر

حالات و معاملات کی فکر اور اس سے تعلق خاطر رہتا تھا، اور صرف اسی لئے آپ شاہانِ وقت سے کبھی کبھی
خط و کتابت فرماتے، اور ان کو عدل گستری اور داد گری اور مظلوموں کی حفاظت و حمایت کی طرف متوجہ
کرتے، ایک مرتبہ خواجہ عابد ظفر آبادی کا مال تلف ہو گیا تو آپ نے سلطان الشرق فیروز شاہ کو ایک خط تحریر
فرمایا، اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحابِ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی چند حکایتوں اور
احادیث نقل کرنے کے بعد جو ظالموں اور مظلوموں کے متعلق ہیں تحریر فرمایا :-

بھم اللہ کہ امروز آں ذات معظم و مکرم
اللہ کا شکر ہے کہ آج وہ معظم و مکرم ذات
است کہ پناہ مظلومان و دراندگان است
جو کہ مظلوموں اور بیچاروں کا آسرا ہے اور

و عدل و انصاف ازاں درگاہ در عالم
عدل و انصاف اُسکی بارگاہ سے دنیا میں
پدید آمدہ است بدیں سعادت سیدہ
ظاہر ہو رہا ہے اس سعادت تک پہنچ گئی ہو
کہ پیغمبر علیہ السلام فرمودہ است عدل
جسکے متعلق پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا،
یک ساعت بہتر از شصت سال عبادت
کہ "ایک گھنٹہ کا عدل ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے"

آپ نے علوم و دینیہ کی تحصیل اور تعلیم کی تکمیل سنا کاؤں میں کی تھی اسلئے قدرتِ تعالیٰ آپ کو بنگالہ اور وہاں کے

حالات سے خاص دلچسپی تھی، اور وہاں کے مسلمانوں کے حالات کی فکر و اہتمام رہا کرتا تھا۔ مولانا مظفر بلخی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک کتاب میں جو سلطان غیاث الدین شاہ بنگالہ کے نام پر تحریر فرماتے ہیں:-

”شیخ شرف الحق الدین اقدس سر العزیز شیخ شرف الحق الدین قدس سر العزیز کو
بندہ ہمہ وقت می دید کہ در باب این ملک بندہ ہر وقت اس ملک کے بارے میں بیحد
عین عنایت داشت خداے تعالیٰ را عنایت و نوازش فرماتے ہوئے دیکھتا تھا اور
میں عنایت بڑیں زمین و بریں ملک بود در اصل، خداوند تعالیٰ کی اس سر زمین پر
دہست کہ شیخ شرف الدین را کہ لشکر اور اس ملک پر نوازش تھی کہ شیخ شرف الدین
اکہی بود بر سر این زمین داشت“ کو جو کہ لشکر الہی تھو، اس زمین پر آباد رکھا۔

اس راہ کے سالکین اپنے کرامات مقامات میں جس قدر ترقی کرتے ہیں ان پر آنحضرت
اتباع سنت صلی اللہ علیہ وسلم کی محسوسیت اور آپ کے اتباع کامل کی اہمیت و ضرورت کا
انکشاف اور زیادہ ہو جاتا ہے اور ان کے لئے یہ بات بدیہی بن جاتی ہے کہ اصول اور مقبولیت آپ کے
اتباع کامل اور سنت و شریعت میں فنایت کے بغیر ممکن نہیں۔ اس بارے میں آپ کا جو عقیدہ اور یقین تھا
اسکی توضیح کے لئے یہ مکتوب کافی ہے:-

”قال اللہ تعالیٰ قل ان كنتم
تحبون اللہ فاتبعونی يحبکم اللہ“ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ کہہ دیجئے (اے رسول
صلی اللہ علیہ وسلم) کہ اگر تم اللہ کو دوست
رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو، اللہ بھی تم کو
دوست رکھے گا، اس معنی کی تائید کر رہا
میں گوید“

ہے، اس بارے میں ایک عزیز کہتا ہے

او دلیل تو بس، تو راہ مجھوں
 اور بان تو بس، تو یا وہ گوئی
 ہر چہ او گفت گفت مطلق دان
 ہر چہ او کرد کردہ حق دان
 خاک او باش بادشاہی کن
 آن او باش ہر چہ خواہی کن
 ہر کہ چون خاک نیست بردار
 گر فرشتہ است خاک بر سر
 "ازیں جا معلوم می شود کہ بعضے نا اہل و
 فضول گمان فاسد بہوا و جہل خود در
 محمدی و صلی اللہ علیہ وسلم نمی روند لاجرم
 کی وجہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 ازیں حدیث بے نصیب ایشاں نہ ہن
 کارستہ اختیار نہیں کرتے اس حدیث کے
 بے راہبر محال است کہ گفت است
 معنی کی بوسے بے نصیب ہتے ہیں راہبر
 کے بغیر سیدھا راستہ چلنا محال ہے، اسی لئے کہا گیا ہے

(رباعی)

کو رہرگز کے تو اندرفت راہ است
 بے عصا کش کو رہر رفت خطا است
 راہ دور است و پُر آفت ہے
 راہ روراجی بے باید راہ ہے
 اس اصول پر آپ کا جس شدت سے عمل اور اتباع سنت کا جس قدر اہتمام تھا اس کا اندازہ اس
 ہو سکتا ہے کہ عین وفات کے دن جبکہ آپ کی عمر ایک سو اکیس سال کی تھی اور ضعف و ناپاقتی اپنی
 آخری حد کو پہنچ گئی تھی، آپ نے جو آخری وصو کیا تو اس میں اتباع سنت اور عمل بالعزیمیت کا پورا

اہتمام کیا۔ شیخ زین بدر عربی "وفات نامہ" میں لکھتے ہیں :-

پیر ابن جسم مبارک سے اتار کر وضو کے لئے پانی طلب فرمایا اور آستین چڑھا کر
مسواک مانگی، اور بسم اللہ آواز بلند پڑھ کر وضو شروع کیا، آپ ہر محل اور
ہر فعل میں ادعیہ معمولہ پڑھتے جاتے تھے، دونوں ہاتھ کہنیوں تک دھوئے
مگر منہ دھونا سوہو گیا۔ شیخ خلیل نے یاد دلایا، آپ نے از سر نو وضو کیا، تسبیح
اور ادعیہ جس طور پر کہ آتے ہیں ہر محل میں با احتیاط تمام پڑھتے تھے اور
حاضرین تعجب کرتے تھے کہ اس حال میں بھی اس قدر احتیاط ہے فہنی
زاہد نے داہنا پاؤں دھونے میں ہاتھ بڑھا کر مدد کرنی چاہی آپ نے
روک کر فرمایا کہ ٹھہرو، اور اپنے سے وضو کیا، پھر کتنی طلب کی اور
ریش مبارک میں شانہ کیا اور جانا ز مانگی اور دو رکعت نماز پڑھی۔^{۱۵}

اتباع سنت کے اہتمام کے ساتھ قدرتا آپ بدعات سے مجتنب اور نفور تھے، بدعت سے احتیاط
اسی بڑھی ہوئی تھی کہ ایک موقع پر فرمایا کہ :-

”ایں و در ہمہ جائے کہ سنت بدعت	یہاں اور جہاں کہیں بھی سنت اور بدعت
پیش می آید ترک سنت اولی است	دونوں سامنے آجائیں اس وقت سنت کا
از ایان بدعت کہ بایان سنت	پھوڑ دینا اولی سے بدعت کے ارتکاب سے
ایان بدعت است۔“	کہ سنت پر عمل کرنے سے بدعت کا ارتکاب ہوتا ہے۔

۱۵ وفات نامہ از شیخ زین بدر عربی - ۱۶

۱۷ خوان پر نعمت مجلس سوم، اس باب (چہارم) کے فارسی اقتباسات کا ترجمہ محب عزیز صوفی محمد حسین صاحب
ایم۔ اے کے قلم سے ہے جس کے لئے مصنف ان کا ممنون ہے - ۱۲

باجبہ

وفات

حضرت مخدوم شیخ شرف الدین منیری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی اور ان کے کمالات و مقامات کے متعلق جو کچھ ان کے معاصر تذکرہ نویسوں نے آنے والی نسلوں کے لئے قلمبند کیا وہ اگرچہ خود بہت ناکافی اور تشنہ تفصیل ہے اور ان متفرق و منتشر حالات سے ان کی عظمت کا صحیح تصور نہیں ہو سکتا لیکن یہ حالات بھی اگر خدا نخواستہ مفقود ہو جاتے اور صرف ان کی وفات کا حال جو ان کے خلیفہ خاص اور واقعہ کے شاہد علی بن شیخ زین بدر عربی نے تفصیل کے ساتھ قلمبند کیا ہے محفوظ رہ جاتا تو ان کی عظمت و مرتبت کا اندازہ کرنے کے لئے کافی تھا۔ تاریخ اسلام میں متعدد اکابر و ائمہ کی وفات کا واقعہ اور دنیا سے رخصت ہونے اور موت کے استقبال کی کیفیت کا حال اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اس سے نہ صرف ان حضرات کی عظمت و تعلق مع اللہ اور ایمان و یقین کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ اس سے اسلام کی صداقت بھی عیاں ہوتی ہے، کسی امت کے اکابر اور کسی مذہب کے پیشواؤں کی آخری زندگی کے واقعات اور ان کے دمِ واپس کے حالات اس قدر موثر، یقین افروز اور ولولہ انگیز تاریخ میں نظر سے نہیں گذرے جیسے مستند تاریخ نے ان اکابر اسلام کے محفوظ کئے ہیں۔

حضرت مخدوم مینری کی وفات کے جو حالات یہاں نقل کئے جاتے ہیں اُن سے اُن کی زیرِ نظر امت جذبہ اتباع شریعت امت محمدیہ کی فکر اس کے لئے دلسوزی، اہل اسلام سے محبت اور انکی خیر خواہی اور زندگی کی نازک ترین ساعت میں بھی ان کا خیال اور ان کے لئے دعا اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید اور یقین و اعتماد کے ساتھ ہی اسکی بے نیازی اور کبریائی کا ڈر، سلامتی، ایمان حسن عاقبت کی فکر اور اہتمام بھی ظاہر ہوتا ہے۔

ابن یمن نے جس طرح دنیا سے جانے اور جس صغریٰ و مشاہدہ، مسرت و تبسم کیسا تھا محبوب حقیقی کے پیامِ اقدس کا استقبال کرنے کا نقشہ کھینچا تھا۔ وہ حضرت مخدوم کے وقت وفات کی سچی تصویر ہے۔

منگر کہ دل ابن یمن پر خوں شد بگر کہ ازیں سرائے فانی چوں شد
مصحف بکف و یارہ و دیدہ بدست بایک اجل خندہ زنان ہر و شد
شیخ ذین بدر عربی فرماتے ہیں :-

پہچار شنبہ کا دن تھا اور ۵ شوال ۹۸۲ھ کی تاریخ میں خانہ خدمت ہوا، نماز فجر کے بعد اس نئے حجرہ میں جس کو ملک الشرق نظام الدین خواجہ ملک تعمیر کیا تھا، سجادہ پر ٹیکہ سے سہارا لگائے بیٹھے تھے۔ شیخ جلیل الدین حقیقی بھائی اور خادم خاص اور بعض دوسرے احباب اور خادم جو مسوا تر کسی راتوں آپ کی خدمت کیلئے جاگتے رہے تھے جن میں سے قاضی شمس الدین، مولانا شہاب الدین (جو خواجہ مینا کے بھانجے تھے) مولانا ابراہیم، مولانا امروں قاضی میاں، ہلال عقیق اور دوسرے عزیز حاضر تھے، آپ نے زبان مبارک فرمایا :- لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم پھر حاضرین کی طرف رخ کر کے فرمایا :- تم بھی کہو۔

لوگوں نے تعمیل ارشاد کی، اور سب لاحول ولاقوۃ الا باللہ العظیم پڑھا اور پھر آپ مسکراتے ہوئے تعجب کے طور پر فرمایا: سبحان اللہ! وہ ملعون اس وقت بھی مسئلہ توحید میں لغزش دینا چاہتا ہے، خدا کا فضل و کرم ہے، اس کی طرف کیا توجہ ہو سکتی ہے؟ پھر آپ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العظیم پڑھنا شروع کیا اور حاضرین بھی فرمایا تم بھی پڑھو۔ اس کے بعد آپ اپنے ادعیہ وظائف میں مشغول ہو گئے۔ چاشت وقت ان فارغ ہوئے۔ کچھ دیر کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا میں مشغول ہوئے باذان بلند الحمد للہ الحمد للہ کہنے لگے۔ فرماتے تھے خدا نے کرم فرمایا المنة للہ المنة للہ کئی بار دل کی خوشی اور اندرونی فرحت کے ساتھ اسی کو بار بار دہراتے رہے فرماتے تھے: الحمد للہ الحمد للہ - المنة للہ المنة للہ - بعد ازاں مخدوم حجرہ سے صحن حجرہ میں تشریف لائے اور تکیہ کا سہارا لیا، تھوڑی دیر کے بعد دست مبارک پھیلائے جیسے مصافحہ فرمانا چاہتے ہوں آپ قاضی شمس الدین کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور دیر تک لے رہے، پھر ان کا ہاتھ چھوڑ دیا، خدام کو رخصت کرنے کا آغا اٹھیں سے ہوا، پھر قاضی زاہد کا ہاتھ پکڑ کر سینہ مبارک پر رکھا اور فرمایا ہم ہی ہیں، ہم وہی ہیں۔ پھر فرمایا: ہم وہی دیوانے ہیں، ہم وہی دیوانے ہیں، پھر تواضع اور خاکساری کی خاص کیفیت طاری ہوئی اور فرمایا: نہیں! بلکہ ہم ان دیوانوں کی جوتیوں کی خاک ہیں، پھر حاضرین میں سے ہر ایک کی طرف اشارہ فرمایا اور ہر ایک کے ہاتھ داڑھی کو بوسہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کے اُمیدوار رہنے کی تاکید فرمائی اور بلند آواز سے پڑھا: لا تقنطوا من رحمة اللہ ان اللہ

یغفر الذنوب جمیعاً۔ پھر یہ شعر پڑھا

خدا یا رحمت دریا مے عام است

ازاں جا قطرے برما تمام است

اس کے بعد حاضرین کی طرف رخ کر کے فرمایا، کل تم سے سوال کریں تو کہنا
لا تقنطوا من رحمة الله لائے ہیں، اگر مجھ سے بھی پوچھیں گے تو میں بھی
یہی کہوں گا، اس کے بعد کلمہ شہادت بلند آواز سے پڑھنا شروع کیا: اشہد
ان لا اله الا الله، اشہد ان محمدًا عبدہ ورسولہ، یہ الفاظ بھی
ادا کئے، رضیت باللہ رباً وبالاسلام دیناً ولمحمد صلی اللہ علیہ
وسلم نبیاً وبالقرآن اماماً وبالکعبۃ قبلۃ وبالقومین اخوانا
وبالجنة ذوابا وبالنار عذابا میں اللہ کو رب مانتا ہوں، اسلام کو دین
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی، قرآن کو پیشوا، کعبہ کو قبلہ، اہل ایمان کو اپنا بھائی جنیت
کو اللہ کا انعام اور دوزخ کو اللہ کا عذاب تسلیم کرتا ہوں، اور اس عقیدہ پر مطمئن ہوں۔
اس کے بعد اپنے مولانا تقی الدین اودھی کی طرف متوجہ ہو کر اپنا ہاتھ پھیلا

اور فرمایا: عاقبت بخیر ہو۔ اور ان کے حال پر بڑی عنایت و مہربانی فرمائی۔ پھر
زبان مبارک سے فرمایا: آموں!۔ مولانا آموں حجرہ کے اندر تھے، وہ سن کر
بیک کہتے ہوئے دوڑتے ہوئے آئے، اپنے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور چہرہ مبارک پر ہلنے
لگے، فرمایا: تم نے بڑی خدمت کی، تمہیں نہیں چھوڑوں گا، خاطر جمع رکھو، ایک ہی
جگہ رہینگے، اگر قیامت کے دن پوچھیں گے کیا لائے؟ تو کہنا لا تقنطوا من رحمة الله
ان الله یغفر الذنوب جمیعاً، اگر مجھ سے پوچھیں گے تو میں بھی یہی کہوں گا، دوستوں
سے کہو خاطر جمع رکھیں، اگر میری آبرورہے گی تو میں کسی کو نہ چھوڑوں گا۔ اس کے بعد ہلال

اور عقیقہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: تم نے سب کو بہت خوش رکھا، ہماری بڑی خدمت کی، جیسے ہم تم سے خوش رہے ہیں تم بھی خوش رہو گے اور ہمیشہ خوش رہو گے تین مرتبہ اپنا ہاتھ میاں ہلال کی پیٹھ پر رکھا اور فرمایا بائرا در ہو گے۔ اس وقت آپ کے دونوں پاؤں میاں ہلال کی گود میں تھے، اور ان کے حال پر بڑی عنایت تھی۔

اس عرصہ میں مولانا شہاب الدین ناگوری آئے، آپ نے کئی بار ان کے سر چہرہ وار ڈھی اور دستار کو بوسہ دیا۔ آپ آدہ آدہ کرتے جاتے تھے، اور الحمد للہ الحمد للہ کہتے جاتے تھے۔ آپ نے ہاتھ نیچے کر لیا اور درود پڑھنے لگے۔ مولانا شہاب الدین کی بھی آپ کے چہرہ مبارک پر نظر تھی اور درود پڑھ رہے تھے۔ اس کے بعد آپ نے مولانا شہاب الدین خواہر زادہ خواجہ معین کا نام لیا اور فرمایا میری بڑی خدمت کی، مجھ سے بہت اتحاد تھا، بڑی خوبی کے ساتھ میری صحبت اٹھائی، عاقبت بخیر ہو اس وقت مولانا شہاب الدین نے مولانا مظفر بلخی اور مولانا نصیر الدین جو نوری کا نام لیا اور فرمایا کہ ان دونوں کے باب میں کیا ارشاد ہوتا ہے؟ آپ نے بہت خوش ہو کر مسکراتے ہوئے اور اپنی تمام انگلیوں سے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:- مظفر میری جان جو میرا محبوب ہے، مولانا نصیر الدین بھی اسی طرح ہیں، خلافت و تہذیب کیلئے جو شرائط و اوصاف ضروری ہیں وہ ان دونوں میں موجود ہیں میں نے جو کچھ کہا اس سے ان غریبوں کو فائدہ خلق سے محفوظ رکھنا مقصود تھا۔ اس موقع پر مولانا شہاب الدین نے... پیش کیا اور عرض کیا:- مخدوم اسے قبول فرمائیں؟ فرمایا:- میں نے قبول

کیا، یہ کیا ہے میں نے تمہارا سارا گھر قبول کیا۔ اس کے بعد ان کو کلاہ عطا ہوئی، انھوں نے تجدیدِ بیعت کی درخواست کی، آپ نے قبول فرمایا۔

اس دوران میں قاضی مینا حاضر خدمت ہوئے، میاں ہلال نے تعارف کرایا اور عرض کیا: یہ قاضی مینا ہیں؛ فرمایا: قاضی مینا، قاضی مینا: قاضی مینا نے کہا:۔ حضرت حاضر ہوئے! اور ہاتھ کو بوسہ دیا۔ آپ نے اُن کا ہاتھ اپنے چہرہ و ریش مبارک اور رخسار پر پھیرا اور فرمایا:۔ خدا کی تم پر رحمت ہو، باایمان رہو اور باایمان دنیائے جاؤ۔ ازراہِ شفقت یہ بھی فرمایا کہ: مینا ہمارے ہیں۔ اس دوران میں مولانا ابراہیم آئے آپ نے اپنا دایاں ہاتھ اُن کی دائرہی پر پھیرا اور فرمایا کہ تم نے میری اچھی خدمت کی اور پورا ساتھ دیا، باآبرو رہو گے۔ مولانا ابراہیم نے عرض کیا:۔ محمدؐ... مجھ سے راضی ہیں؟ فرمایا:۔ ہم سب سے راضی ہیں۔ تمہیں بھی ہم سے راضی ہونا چاہیے۔ جو کچھ میری طرف سے ہے۔ اس کے بعد قاضی شمس الدین کے بھائی قاضی نور الدین حاضر ہوئے آپ نے نور الدین کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور بڑی شفقت کے ساتھ اُن کی دائرہی پر چہرہ رخسار اور ہاتھ کو کئی بار بوسہ دیا، آپ آہ آہ کرتے جاتے تھے۔ آپ نے اُن سے فرمایا کہ: تم ہماری صحبت میں بہت رہے ہو اور ہماری بڑی خدمت کی ہو، انشاء اللہ کل ایک ہی جگہ رہیں گے، اس کے بعد مولانا نظام الدین کو بھی حاضر ہوئے۔ فرمایا:۔ غریب اپنا وطن چھوڑ کر ہمارے جوار میں آگیا تھا۔ یہ کہہ کر کلاہ مبارک سر سے اتار کر ان کو عطا فرمائی، اور محسنِ عاقبت کی دعا فرمائی اور فرمایا حق تعالیٰ تمہیں مقصود تک

پہنچائے۔ پھر سب حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:۔ دوستو! جاؤ اپنے دین و
ایمان کا غم کھاؤ اور اسی میں مشغول رہو۔!

اس کے بعد کاتبِ سطوح زین بدر عربی نے دستِ مبارک کو بوسہ دیا
اپنی اسٹیکھ، سر اور بدن پر پھیرا۔ ارشاد ہوا:۔ کون ہو؟ میں نے عرض کیا:۔
گدائے آستانہ توجہ کرتا ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ مجھے از سر نو غلامی میں قبول فرمایا جائے؟۔
فرمایا:۔ جاؤ تم کو بھی قبول کیا، تمہارا گھراؤ تمام اہل خاندان کو قبول کیا، خاطر جمع
رکھو، اگر میری آبرورہی تو کسی کو بھی چھوڑنے والا نہیں ہوں۔ میں نے عرض کیا: محمدؐ
تو محمدؐ میں محمدؐ کے غلاموں کی بھی آبرو ہے۔ فرمایا:۔ امیدیں تو بہت ہیں۔

قاضی شمس الدین آئے اور حضرت محمدؐ کے پہلو میں بیٹھ گئے، مولانا شہاب الدین
ہلال و عصیق نے عرض کیا کہ:۔ محمدؐ! قاضی شمس الدین کے باب میں کیا ارشاد ہوتا ہے؟ فرمایا:۔
قاضی شمس الدین کے بارے میں کیا کہوں، قاضی شمس الدین میرا فرزند ہے، کئی جگہ
میں اسکو فرزند لکھ چکا ہوں، خط میں میں نے اسکو برادرؐ بھی لکھا ہے، ان کو علم درویشی کے
کے اظہار کی اجازت ہو چکی۔ انہیں کی خاطر اتنے کہنے اور لکھنے کی نوبت آئی، ورنہ کون لکھتا؟
اس کے بعد برادر و خادم خاص شیخ خلیل الدین نے جو پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے،

آپ کا ہاتھ پکڑ لیا، آپ نے ان کی طرف رخ کیا اور فرمایا:۔ خلیل! خاطر جمع رکھو، تم کو
علماء و درویش چھوڑ دیجئے نہیں، ملک نظام الدین خواجہ ملک آئے گا اسکو میرا
سلام و دعا پہنچانا، میری طرف سے بہت معذرت کرنا اور کہنا کہ میں تم سے راضی
ہوں، اور راضی جا رہا ہوں، تم بھی راضی رہنا۔ فرمایا کہ جب تک ملک
نظام الدین ہے تم کو نہ چھوڑے گا۔

شیخ خلیل الدین بہت متاثر تھے، آنکھوں میں آنسو تھے، حضرت مخدوم نے جب ان کی دل شکستگی دیکھی تو بڑی شفقت سے فرمایا: غلط جمع رکھو اور دل کو مضبوط رکھو۔ اسکے بعد فرمایا: کون ہے؟ بلال نے عرض کیا کہ:- مولانا محمود صوفی ہیں۔ آپ نے بڑے گہرے افسوس کے ساتھ فرمایا کہ:- بیچارہ غریب ہے، مجھے اس کی بڑی فکر ہے، بیچارے کا کوئی نہیں اس کے بعد ان کیلئے محسن عاقبت کی دعا فرمائی۔ اسکے بعد قاضی خاں خلیل حاضہ خدمت ہوئے۔ فرمایا: بیچارہ قاضی ہمارا پرانا دوست ہے، ہماری صحبت میں بہت رہا ہے اللہ تعالیٰ اسکو جزا دے اور عاقبت بخیر کرے، اس کے فرزند بھی ہمارے دوست ہیں سب کی عاقبت بخیر ہو اور حق تعالیٰ دوزخ سے بھائی دے۔ اس کے بعد خواجہ معز الدین مشرف بہ خدمت ہوئے۔ فرمایا: عاقبت بخیر ہو۔ پھر مولانا فضل اللہ نے قدمبوسی کی، فرمایا: بھلے بھلے اللہ عاقبت بخیر کرے۔ فتوح باورچی روتا ہوا آیا اور قدموں میں گر گیا۔ فرمایا: بیچارہ فتوحا جیسا کچھ تھا میرا ہی تھا، اس کے حق میں بھی دعاؤں عاقبت فرمائی۔ اسکے بعد مولانا شہاب الدین شریف قدوسی حاصل کیا، بلال نے تعارف کرایا کہ مولانا شہاب الدین حاجی رکن الدین کے بھائی ہیں۔ فرمایا:- انجام بخیر ہو، ایمان کا غم کھاؤ اور رحمت حق کے امیدوار ہو کر پڑھو لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً۔

کچھ دیر کے بعد نماز ظہر کے قریب سید ظہیر الدین اپنے حجازی زاد بھائی کے ساتھ حاضر خدشا ہوئے، آپ نے سید ظہیر الدین کو بغل میں لے لیا اور بڑے لطف و شفقت کے ساتھ فرمایا:- میں جو عاقبت عاقبت کہتا تھا یہی عاقبت ہے، اسکے بعد تین مرتبہ ان کو بغل میں لیا اور آخری بار یہ آیت پڑھی:- لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر

الذاتوب جمیعاً اور حاضرین کو رحمت و مغفرت خداوندی کا امیدوار بنایا، اسکے بعد وہاں سے اٹھے اور حجرہ میں تشریف لے گئے اور سید ظہیر الدین کے ساتھ کچھ دیر بیٹھے اور ان کے کچھ دیر باتیں فرمائیں، اس کے بعد سلطان شاہ پرگنہ دار را جگیر اپنے بیٹے کے ساتھ حاضر خدمت ہوا اور ایک روغن کا سرریا چ پیش کیا، ارشاد ہوا کہ مولانا نظام الدین بھی لائے تھے، پھر شربت اور پان سے گرمی کی، اس کے بعد خلیل کے بھائی منور نے عرض کیا کہ تو بہ و بیعت کرنا چاہتا ہوں، فرمایا: آؤ! اس کی جانب ہاتھ بڑھا کر تو بہ و بیعت سے مشرف فرمایا، پھر چینی طلب کی، چینی سے بال تراشے اور کلاہ پٹائی اور فرمایا: جاؤ دو گانہ آؤ کرو۔ اس طرح اس کے بیٹے نے بھی بیعت کی اس کو بھی یہی حکم ہوا۔

اسی اثناء میں قاضی عالم احمد مفتی مولانا نظام الدین مفتی کے بھائی مہاجریدان خاص میں سے ہیں آئے اور ادب کے ساتھ آپ کے سامنے بیٹھ گئے، اسی درمیان میں ملک حسام الدین کے بھائی امیر شہاب الدین اپنے لڑکے کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے اور آکر بیٹھ گئے، آپ کی نظر مبارک لڑکے پر پڑی۔ آپ نے فرمایا: پانچ آیتیں پڑھ سکتے ہو؟ حاضرین نے عرض کیا ابھی چھوٹا ہے، سید ظہیر الدین مفتی کا لڑکا بھی حاضر تھا میاں ہلال نے جب یہ دیکھا کہ آپ کو اس وقت کلام ربانی سننے کا ذوق ہوا انھوں نے اس لڑکے کو بلایا اور پانچ آیتیں پڑھنے کی ہدایت کی، سید ظہیر الدین نے بھی جب یہ محسوس کیا کہ طبیعت مبارک پر قرآن مجید سننے کا تقاضا ہے تو اپنے لڑکے کو اشارہ کیا کہ قرآن مجید کی پانچ آیتیں پڑھو، لڑکا سامنے آیا اور مؤدب بیٹھ گیا، اس نے سورہ فتح کے آخری رکوع کی آیتیں محمد رسول اللہ والذین معہ پڑھنی شروع کیں، حضرت مخدوم نسیم کے سہارے آرام فرما رہے تھے اٹھ بیٹھے اور معمول قدیم کے مطابق ادب

دورانِ بیٹھ گئے اور بڑی توجہ سے قرآن مجید سننے لگے، لڑکاجب، لیغیظ بہم الکفار پر پہنچا تو مرعوب ہو گیا اور اس سے پڑھنا نہ جاسکا، آپ نے اس کو آگے کے لفظ کی تلقین فرمائی، جب لڑکے نے قرات ختم کی تو آپ نے فرمایا کہ:- اچھا پڑھتا ہے اور خوب یاد کرتا ہے لیکن مرعوب ہو جاتا ہے، اس موقع پر آپ نے ایک مغربی درویش کا ذکر کیا کہ بھی اسکی طبیعت حاضر ہوتی تھی اور قرآن مجید سننے کا ذوق ہوتا تھا اور کبھی طبیعت حاضر نہیں ہوتی تھی اور قرآن مجید سننے کا ذوق نہیں ہوتا تھا۔

اس کے بعد قاضی عالم کو شربت اور پان دینے کو ارشاد ہوا، اور معذرت فرمائی۔ آپ نے پیر امین جسم سے آثار ناچا با اور وضو کے لئے پانی طلب فرمایا اور آستین سمیٹی، مسواک طلب فرمائی، آواز سے بسم اللہ پڑھی اور وضو شروع فرمایا اور ہر موقع کی ادعیہ پڑھیں، کہنیوں تک ہاتھ دھوئے، منہ دھونا بھول گئے، شیخ فرید الدین نے یاد دلایا کہ منہ دھونا رہ گیا، آپ نے از سر نو وضو کرنا شروع کیا اور بسم اللہ اور وضو کی دعائیں حسبِ طرح آئی ہیں بڑی احتیاط کے ساتھ پڑھتے تھے۔ مفتی سید ظہیر الدین اور حاضرین مجلس دیکھتے تھے اور تعجب کرتے تھے اور آپس میں کہتے تھے ایسی حالت میں یہ احتیاط؟ قاضی بد کے پاؤں دھونے میں مدد کرنی چاہی، حضرت مخدوم نے اُن کو روک دیا اور فرمایا: کھڑے رہو! اسکے بعد خود سے وضو پورا کیا، وضو مکمل کرنے کے بعد کنگھی طلب فرمائی اور اڑھی میں کنگھی کی۔ اسکے بعد مصلیٰ طلب فرمایا، نماز شروع کی اور دو رکعت میں سلام پھیرا، تکبیر ہونے کی وجہ سے کچھ دیر آرام فرمایا، شیخ خلیل الدین نے عرض کیا کہ: حضرت سلامت حجرہ میں تشریف لے چلیں، ٹھنڈک کا وقت ہو گیا ہے۔ آپ کھڑے ہوئے، جو تیاں نہیں اور حجرہ کی طرف چلے آپ کا ایک ہاتھ مولانا زاہد کے کاندھوں پر تھا، دوسرا مولانا شاہاب الدین

کا زھوں پر، حجرہ میں آپ ایک شیر کی کھال پر لیٹ گئے۔ میاں معمر نے بیعتِ توبہ کی رشتہ
 کی، آپ نے ان کی طرف ہاتھ بڑھادیا اور ان کو توبہ و بیعت سے مشرف کیا، اور ان کے سرے بال
 دونوں جانب سے تھوڑے تھوڑے تراشے، ان کو کلاہ پہنائی اور فرمایا جاؤ دیکھا کرو
 یہ آخری بیعت توبہ تھی جو آپ نے کرائی۔ اس موقع پر ایک عورت اپنے دو لڑکوں کے ساتھ گھر
 ہوئی اور شرفِ قدسوسی حاصل کیا۔ نمازِ عصر کے بعد مغرب کی نماز کے نزدیک خدام نے
 عرض کیا کہ :- حضرت چار پانی پر آرام فرمائیں، آپ چار پانی پر تشریف لے گئے اور آرام فرمایا۔
 نمازِ مغرب کے بعد شیخ حبیل الدین، قاضی شمس الدین، ملا، شہاب الدین، قاضی
 نور الدین، بلال اور عقیق اور دوسرے اعیان خدام جو خدمت میں نہ وقت تھے، چار پانی
 کے چاروں طرف بیٹھ گئے تھے، حضرت مخدوم نے کچھ دیر کے بعد آواز بلند بسم اللہ
 کہنی شروع کی کہی بار بسم اللہ کہنے کے بعد زور زور سے پڑھا لا الہ الا انت سبحانک
 اے کنت من الظالمین اس کے بعد بلند آواز کے ساتھ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھا،
 پھر کلمہ شہادت اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہد
 ان محمدًا عبده ورسوله اس کے بعد فرمایا :- لا حول ولا قوۃ الا باللہ
 العلی العظیم پھر کچھ دیر تک کلمہ شہادت زبان پر جاری رہا، پھر کسی نے فرمایا: بسم اللہ
 الرحمن الرحیم، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اس کے بعد
 بڑے اہتمام اور دل کی بڑی قوت اور ذوق و شوق سے محمد محمد
 محمد اللہم صل علی محمد وعلی آل محمد الخ پھر آیت
 پڑھی :- رَبَّنَا انزل علینا سعادۃ من السماء وامنزل
 رضینا باللہ ربنا ویا سلام دینا ویا محمد

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيَّ الْاِخْوَةِ بَعْدَ تَيْنِ مَرْتَبَةٍ كَلِمَةً طَيِّبَةً كَا وَرَدَ فَرَايَا
 پھر آسمان کی طرف ہاتھ بلند کئے اور بڑے ذوق و شوق کے ساتھ جیسے کوئی نمازگاہ
 اور دعا کرتا ہے فرمایا:۔ اللّٰهُمَّ اَصْلِحْ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ اللّٰهُمَّ اَرْحَمْ
 اُمَّةَ مُحَمَّدٍ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَامَّةِ مُحَمَّدٍ اللّٰهُمَّ تَجَاوِزْ
 عَنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ اللّٰهُمَّ اَعْتَ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ اللّٰهُمَّ اَنْصُرْ
 مِنْ نَصْرِ دِيْنِ مُحَمَّدٍ اللّٰهُمَّ فَارِّجْ عَنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ فِجَا
 عَلَاجِ اللّٰهُمَّ اَحْذِلْ مِنْ خِذَلِ دِيْنِ مُحَمَّدٍ بِرَحْمَتِكَ يَا
 اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ، ان الفاظ پر آواز بند ہو گئی، اس وقت زبان مبارک پر یہ الفاظ
 جاری تھے:۔ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ، لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ
 اس کے بعد اکیابر بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم کہلا اور جہاں عن تسلیم ہوئے۔ یہ واقعہ
 شب پینچشنبہ ۱۶ شوال ۱۲۸۲ھ عشا کی نماز کے وقت کا ہے، اگلے روز پنجشنبہ کے دن
 نماز چاشت کے وقت تدفین عمل میں آئی۔

نماز جنازہ و تدفین
 نماز جنازہ حضرت شیخ اشرف جہانگیر سمنانیؒ نے پڑھائی جو انتقال کے
 بعد پہنچے تھے۔ "لطائف اشرفی" میں حضرت مخدوم صاحب کے خود

۱۰ از رسالہ وفات نامہ از شیخ زین بدر عربی۔ مطبع مفید عام آگرہ ۱۳۲۱ھ

۱۱ لطائف اشرفی حضرت نظام الدین عینی الملقب "نظام حاجی غریب الیمینی کی مرتب کی ہوئی ہے جو حضرت
 اشرف جہانگیر کے مرید تھے اور آپ کی صحبت میں بیس سال رہے تھے، یہ حضرت اشرف جہانگیرؒ کی سوانح حیات
 بھی ہے اور آپ کی تعلیمات کا مجموعہ بھی۔ ۱۲

وصیت اور پیشگوئی فرمانے اور حضرت شیخ اشرف جہانگیر کے وہاں پہنچنے اور حسب وصیت نماز پڑھانے کا واقعہ تفصیل سے مذکور ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخدوم صاحب کی وصیت اطلاع کے مطابق جنازہ تیار کر کے راستہ پر رکھ دیا گیا تھا اور ان کا انتظار تھا۔ شیخ اشرف جہانگیر دہلی سے بنگالہ سلسلہ چشتیہ کے مشہور بزرگ حضرت شیخ علاء الدین علاء الحق امہوری پٹنہ کی خدمت میں تشریف لیجا رہے تھے، راستہ میں بہار شریف علیٰ اس وقت پہنچے جب حضرت مخدوم کا جنازہ تیار کر کے راستہ پر رکھ دیا گیا تھا اور امام کا انتظار تھا، آپ نے نماز جنازہ پڑھائی اور قبر میں اتارا۔

قبر کچی ہے اور اُس پر کوئی گنبد نہیں ہے۔ سوریوں کے عہد سلطنت میں اُس کے گرد و پیش مکانات، مسجد اور حوض و فوارہ بنا، لیکن بحیال اتباع شریعت جس کا حضرت مخدوم کو بڑا خیال تھا، قبر اپنی حالت اصلی پر چھوڑ دی گئی۔

اولاد و اعتقاد | صاحب سیرۃ الشرف لکھتے ہیں :-

”مخدوم کی صلیب اولاد کا سلسلہ اس وقت ایک پوتی سے جاری ہے، آپ کے صاحبزادہ شاہ زکی الدین نے آپ کی حیات ہی میں ایک لڑکی بارگہ نام چھوڑ کر قضا کی، اس لڑکی کا بیابہ سید وحید الدین رضوی خواہر زادہ شیخ نجیب الدین فردوسی سے ہوا اس کدخدائی سے ایک لڑکی طہر نام پیدا ہوئی جو شہاب الدین علوی طوسی بیابہ گئی، ان کے دو بیٹے شیخ علیم الدین و شیخ امام الدین ہوئے، ایک مانہ کے بعد جب فرزندان حسین منجی نوشہرہ توحید

نے ضلع خلافت کیا تو مجاوران درگاہ حضرت بارکہ کی اولاد کو لاکر سجادۂ خلافت خاندانہ پر متمکن کیا، ان میں سے پہلے بزرگ جو سجادہ پر بیٹھے وہ شاہ بیگم تھے۔

مخدوم صاحب کے بھائیوں سے خاندانی سلسلہ چلا اور ان کی اولاد آب بھی مینہ اور صوبہ بہار میں موجود ہے۔

ممتاز مریدین و خلفاء | صاحب سیرۃ الشرف لکھتے ہیں: - مخدوم کے مریدوں کی فہرست نہایت طویل ہے۔ نوشتہ توحیدان کی تعداد لاکھ سے زیادہ بتاتے ہیں، یہ تعداد مبالغہ سے خالی نہیں معلوم ہوتی، بایں ہمہ اتنا ضرور کہا جائیگا کہ کثیر تھے، اور اس میں مسترشدین و تلامذہ بھی شریک ہیں۔ مخدوم نے غیر مستفیدوں میں یہ تھے: -

”مولانا مظفر بختی، ملک توادہ فضل اللہ، مولانا نصیر الدین جو پوری، مولانا نظام الدین دھنسا، شیخ عمر، قطب الدین، فخر الدین، شیخ سلیمان، خواجگی خواجہ احمد، امام تاج الدین حسین معز بختی، الملقب بنوشتہ توحید، مولانا قمر الدین، ابوالقاسم، مولانا ابوالحسن، قاضی شرف الدین، قاضی بہناج الدین دروٹھاری، مولانا تقی الدین اودھی، مولانا شہاب الدین ناگوری، شیخ خلیل الدین، مولانا رفیع الدین، مولانا آدم حافظ، زین بدر عرفی، قاضی صدر الدین، شمس الدین خوارزمی، شیخ معز الدین، مولانا کریم الدین، خواجہ بہتافظ

۱۔ سیرۃ الشرف قلمی ص ۵۱۰ : سے صاحب سیرۃ الشرف کو مخالف ہو اس کی یہ وہ شمس الدین خوارزمی ہیں جو سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں شمس الملک کے خطاب سے ملقب ہو کر منصبِ صدارت پر مامور ہوئے تھے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے اسلئے کہ شمس الملک مستوفی الممالک مولانا شمس الدین خوارزمی جو عہد بلبنی میں منصبِ صدارت پر فائز تھے اٹھویں صدی ہجری شروع ہونے سے پہلے وفات پا چکے تھے حضرت خواجہ نظام الدین اولیا انھیں کے شاگرد تھے، یا تو صاحب سیرۃ الشرف نام میں مخالف ہو یا حضرت مخدوم سے جن کو شرف استفادہ حاصل تھا وہ کوئی دوسرے شمس الدین خوارزمی تھے۔

جلال الدین، خواجہ حمید الدین سوداگر، شیخ مبارک، زکریا غریب، قاضی خاں، نجم الدین شاعر
قاضی بدیع الدین ظفر آبادی، مولانا لطف الدین احمد سفید باغ، شیخ ذکی الدین، مولانا نظام الدین
خال زادہ مخدوم، مولانا احمد امون، مولانا زین الدین، شیخ شعیب، سید شہاب الدین، عہد
حالی، حاجی رکن الدین، مولانا اویس الدین خواہر زادہ، شیخ نجیب الدین فردوسی، سید جلال الدین
خواہر زادہ، شیخ نجیب الدین فردوسی، شیخ رستم و شیخ دھال دین و شیخ وحید الدین دہر سہارا
شیخ نظام الدین اولیا، مولانا حسام الدین امام ہدایت خانی وغیرہ^۱۔

تصنیفات

حضرت مخدوم شیخ شرف الدین بکھی منیریؒ کا شمار کثیر التصنیف بزرگوں میں ہے
لیکن آپ کی بہت سی تصنیفات اور رسائل امتداد زمانہ اور لوگوں کی غفلت سے
ضائع ہو گئے اور ان میں سے بہت سی کتابوں کے نام بھی سیر سوانح میں محفوظ نہیں رہے جو کتابیں ملتی
ہیں یا تصنیفات میں ان کے نام نظر آتے ہیں وہ یہ ہیں:-

راحت القلوب، اجوبہ، فوائد رکنی، ارشاد الطالبین، ارشاد السالکین، رسالہ مکینہ
معون المعانی، لطائف المعانی، اشارات مجمع المعانی، خوان پر نعمت، تحفہ وغیبی، رسالہ
در طلب طالبان، ملفوظات، زاد سفر، عقائد شرفی، فوائد مریدین، بحر المعانی، صفر المظفر،
کنز المعانی، گنج لافیتی، ہونس المریدین، شرح آداب المریدین^۲۔

لیکن آپ کی سب سے بڑی یادگار اور آپ کے علوم و تربت اور مقام تحقیق و اجتہاد کا سب سے بڑا مظہر آپ کے
”مکتوبات“ ہیں اور مکتوبات سہ صدی“ وغیرہ کے نام سے ملتے ہیں۔

^۱ سیرۃ الشرف ص ۱۱۵ و ص ۱۱۶۔

^۲ سیرۃ الشرف و نزہۃ النجواط وغیرہ ۱۲۔

بائشتم

”مکتوبات“

مکتوبات اور ان کا علمی و ادبی پایہ | حضرت مخدوم کی زندہ یادگار اور ان کے علوم و کمالات کا آئینہ ان کے مکتوبات کا وہ نادر مجموعہ ہے جو نہ صرف اس عصر کی تصنیفات میں بلکہ معارف و حقائق کے پورے اسلامی ذخیرہ میں خاص امتیاز رکھتا ہے۔ علم کی گہرائی، تحقیقات کی جُودت، مشکلات کی عقدہ کشائی، ذاتی تجربات، اذواق صحیحہ، مجتہدانہ علم و نظر، کتاب و سنت کے صحیح و عمیق فہم، مقام نبوت کی حرمت و عظمت کے بیان، شریعت کی حمایت اور وجد انگیز نکات اور شرعی لطائف کے اعتبار سے (ہمارے محدود علم میں) پورے اسلامی کتب خانہ میں حضرت مخدوم کے مکاتیب اور مکتوبات امام ربانی کی نظیر نظر نہیں آتی، ان کے مکاتیب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُمتِ محمدیہ کے محققین و عارفین کے علم و فکر کی رسائی کن بلندیوں تک ہے، اور انھوں نے معرفتِ الہی، ایمان و یقین، مشاہدہ و ادراک، تصفیہ قلب و تزکیہ نفس، روح کی لطافت و ذکاوت، اخلاق کی تارکیبوں اور نفسِ انسانی کی کمزوریوں اور غلطیوں کے دریافت میں کہاں تک ترقیات و فتوحات پہنچیں اور ان کی ذکاوت اور قوتِ فکر یہ کے ظاہر بلند پرواز نے کن کن بلند شاخوں پر اپنا نشیمن بنایا،

ادب کن کن فضاؤں میں پرواز کی۔

علوم و معارف کے علاوہ یہ مکاتیب زور قلم، قوتِ بیان اور حسنِ انشاکا بھی اعلیٰ نمونہ ہیں اور ان کے بہت سے نمونے اس قابل ہیں کہ دنیا کے بہتوں ادبی نمونوں میں شامل اور ”ادبِ عالی“ میں شمار کئے جائیں۔ دنیا کی اکثر زبانوں اور علم و ادب کے بارے میں یہ زیادتی کی گئی ہے کہ صرف ان شخصیتوں کو ادیب صاحبِ اسلوب اور انشاد پرورد تسلیم کیا گیا ہے اور انہیں کی تحریر اور شائع فکر کو ادب کے نمونہ کی حیثیت پیش کیا گیا ہے جنہوں نے ادبِ انشاکو ایک پیشہ یا ذریعہ اظہارِ کمال کے طور پر انتخاب کیا، یا جو قدیم زمانہ میں سرکارِ دربار سے متعلق تھے اور کوئی تحریری خدمت ان کے سپرد تھی یا جنہوں نے انشائیں صناعتی اور تکلف سے کام لیا، اس کا نتیجہ ہے کہ عربی ادب کی تاریخ میں انشاد پرورد صاحبِ اسلوب کی حیثیت ہمیشہ عبدالحمید الکاتب، ابواسحق الصہابی، ابن العمید صاحب ابن عباد، ابو بکر خوارزمی، ابوالقاسم حریری اور قاضی فاضل کا نام لیا جاتا، حالانکہ ان کی تحریروں کا بڑا حصہ مصنوعی زندگی اور دُوح سے محروم اور تاثر سے خالی ہے، ان کے مقابلہ میں امام غزالی، ابن جوزی، ابن شداد، شیخ محی الدین بن عربی، ابو حیان توحیدی، ابن قیم، ابن خلدون کہیں ٹھہر کر انشاد پروردانہ کلام کے مستحق ہیں، اور ان کی تصنیفات میں صحیح اور طاقتور انشائیں خیالات و جذبات کے اظہار اور انسانی تاثرات و احساسات کی تصویر کے نہایت دلکش اور لائق نمونے ہیں، لیکن ان بے گناہوں کا گناہ یہ ہے کہ انہوں نے کبھی ادبِ انشاکو اپنا مستقل پیشہ یا اظہارِ کمال کا ذریعہ نہیں بنایا اور ان کی اکثر تحریروں کا موضوع دینی یا علمی ہے۔

لیچسپ اور عبرت انگیز بات یہ ہے کہ ایک ہی مصنف دو کتابیں لکھتا ہے، ایک تو سراسر تکلف اور تصنع سے بھری ہوئی ہوتی ہے اور دوسری سادہ اور بے تکلف، اس کے زمانہ کی سوسائٹی اور ادبی حلقے پہلی تصنیف کی داد تحسین کی صداؤں سے گونج جاتے ہیں، اور شاید وہ مصنف خود بھی اسی کتاب کو حاصلِ زندگی اور سرمایہٴ نازش و افتخار سمجھتا ہے، لیکن حقیقت پسند زمانہ اور انقلاب ساز کار اپنا صحیح فیصلہ صادر کرتا ہے، پر تکلف تصنیف کو بے گناہ

کی زینت ہو کر رہ جاتی ہے اور دوسری کتاب کو بقائے دوام کا خلعت عطا ہوتا ہے اور نگلشن بے خزاں کی طرح سد بہار بن جاتی ہے۔ ابن جوزی کی مایہ ناز تصنیف جس کا انھوں نے بڑے فخر کے ساتھ ”المُدَّہَش“ (حیرت میں ڈال دینے والی کتاب) نام رکھا تھا پردہ خفا میں ہو لیکن ان کی بے تکلف کتاب ”صید الخاطر“ جس میں انھوں نے نہایت سادہ طریقہ پر اپنی زندگی کے تجربات اور روزمرہ کے تاثرات قلمبند کئے تھے اور جس کو وہ شاید خاطر میں بھی نہ لاتے ہوں آج مقبول عام اور ادب کے طالب علموں کا مرکز توجہ بنی ہوئی ہے۔

ہندوستان کے فارسی ادب کی تاریخ کا جائزہ لیجئے تو یہاں کے ادب و انشا پر ظہوری، ابو الفضل اور نعمت خان عالی چھائے ہوئے نظر آتے ہیں، حالانکہ اگر انشا کے لئے جذبات و حقائق کے مؤثر اظہار کو معیار قرار دیا جائے تو ان کی تحریروں کا بڑا حصہ جن میں لفاظی، صنائع و بدائع اور لفظی رعایتوں کا ذریعہ اپنی قیمت کمودیتا ہے اور بہت تھوڑا حصہ ادب و انشا کے فطری معیار پر پورا اترتا ہے۔ ان کے مقابلہ میں ایسی بہت سی تصنیفات لائیں ملنا پھرتی ہیں جن کو عام طور پر مورخین ادب اور خوشگوار تقلید ناقدین نے ہمیشہ نظر انداز کیا۔ حضرت شیخ شرف الدین سجینی منیریؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ، شیخ احمد فاروقیؒ کے ”مکتوبات“ کا بڑا حصہ عالمگیر کے ”رقعات“ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی ”ازالۃ الخفا“ اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی ”تحفۃ اشاعشریہ“ کے بہت سے ٹکڑے فارسی ادب و انشا کا کامیاب نمونہ ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر بان میں ادب کا جو دائرہ کسی پیش رونے کھینچ دیا اسکے حدود و ابعاد سے باہر نکلنے، دوسرے علوم و فنون کے ذخیرہ کو کھنگلنے اور نئے ادبی شاہکاروں کو دریافت کرنے کی دوسری عام طور پر گوارا نہیں کی گئی اور اس طرح صدیوں تک ان ادبی جواہرات پر خاک پڑی رہی۔

ادب و انشا کے سلسلہ میں عام مورخ و نقاد اکثر اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ تحریر کی قوت، کلام کی تاثیر اور قبول عام و بقائے دوام کے لئے سب سے زیادہ معاون عنصر لکھنے والے کی اندرونی کیفیات، اس کا یقین، دلی جذبہ، حسی حقیقت کے اظہار کے لئے اس کی بے چینی اور بے قراری ہے۔

ایسے کسی شخص کو جو اس اندرونی کیفیت سے سرشار اور اس کو دوسروں میں پیدا کرنے کیلئے مضطرب و متحرک ہو جب قدرت کی طرف سے ذوقِ سلیم بھی عطا ہو، الفاظ و اسالیب بیان پر ضروری حد تک قدرت بھی حاصل ہو اور اس کی تحریر میں علم و ادب، عقل و استدلال اور حسن بیان کے ساتھ سوز و درو اور خونِ جگر بھی شامل ہو تو اس کی تحریر میں ایسا اثر اور ایسا زور پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ میں ہزاروں دلوں کو زخمی کرتی ہو اور سینکڑوں برس گزر جانے کے بعد بھی اس کی تازگی و زندگی اور اس کی تاثیر و قوتِ تسخیر قائم رہتی ہے۔

تحریر و تقریر کو بہتر و کامیاب بنانے کے لئے جتنی عتقا اور صلاحیتیں اور بلاغت کے اصول و قوانین ضروری ہیں ناقدین ادب نے ان سب کا تفصیلی جائزہ لیا ہے اور ہر عہد میں ان پر بحث ہوتی رہی، لیکن بہت کم لوگوں کو اس کا احساس ہوا ہے کہ ان صفات اور صلاحیتوں میں ایک بڑا موثر اور قابلِ فراموش عنصر یا عامل صاحبِ کلام کا اخلاص اور دردمندی ہے۔ ادب و انشا کے ذخیرہ کا اگر ایک نئے اور زیادہ حقیقت پسندانہ اور گہرے نقطہ نظر سے جائزہ لیا جائے تو اس کو دو قسموں پر تقسیم کرنا سبباً نہ ہوگا۔ ایک وہ تحریریں یا اظہارِ خیال جو اندرونی تقاضے اور داعیہ اور کسی طاقتور عقیدہ یا یقین کے ماتحت وجود میں آئیں اور ان سے مقصود کسی فرمائش یا حکم کی تعمیل، کوئی دنیاوی منفعت یا کسی صاحبِ اقتدار یا صاحبِ ثروت انسان کی رضا مندی نہیں تھی بلکہ وہ خود اپنے ضمیر یا عقیدہ کے فرمان کی تعمیل تھی جس میں اہل حکومت اور اہل ثروت کے فرمان سے زیادہ قوت ہوتی ہے اور جس سے سرتابی کرنا کسی صاحبِ ضمیر انسان کے بس میں نہیں ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جو کسی فرمائش کی تعمیل یا کسی دنیاوی منفعت کے حصول یا کسی بالاتر انسان کے حکم کی تعمیل میں ہو، ادب کی ان دونوں قسموں میں زمین و آسمان کا فرق ملے گا، ”پہلا ادب“ ”ہر کہ ازل خیز و بدل ریزد“ کا مصداق ہے، وہ طویل عرصہ تک زندہ رہتا ہے، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر اس کا موضوع دینی اور اخلاقی ہے تو اس کا قلب اور اخلاق پر گہرا اور انقلاب انگیز اثر پڑتا

ہے، ہزاروں آدمیوں کے دل میں اس کے پڑھنے سے اصلاح کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اسکے برخلاف دوسری قسم کا ادب اور تحسین اور عارضی سرور و خوش فتنی کے سوا روح اور قلب پر اپنا کوئی دیرپا اثر نہیں چھوڑتا، اس کی زندگی اور عمر محدود و مختصر ہوتی ہے، پہلے ادب میں بے ساختگی اور بے تکلفی ہوتی ہے، دوسرے ادب میں تصنع اور اہتمام۔ ادب کی بارگاہ میں بے ادبی نہ ہوتی تو ان دونوں قسموں میں یہی فرق ہے جو ایک مثیلی حکایت میں بیان کیا گیا ہے کہ کسی نے ایک شکاری کتے سے پوچھا کہ: بہن بھاگنے میں تم سے کیوں بڑھ جاتا ہے؟ اور تم اس کو کیوں نہیں پکڑ لیتے؟ اس نے جواب دیا ”اسلئے کہ وہ اپنے لئے دوڑتا ہے اور میں اپنے آقا کے لئے۔“

تاہم ادب نے وقت، ماحول، فضا اور طبیعت کے فراغ کو ادب شاعری کے لئے بہت زیادہ سازگار مواد عنصر تسلیم کیا ہے اور بھیجے ادیبوں اور شاعروں نے اس کا اظہار کیا ہے کہ لب جو کنار دریا، گوشہ چمن، فصل بہار، نسیم سحر، صبح کا سہانا وقت، ان کی شاعری اور ان کے ادب کے لئے محرک بن جاتا ہے اور ان میں بہتے لوگ ایسے مقام کی تلاش اور ایسے وقت کے انتظار میں رہتے ہیں، اس طرح حقیقت تسلیم کر لی گئی کہ رُوح کی لطافت اور دماغ کا سکون ادبیات کے لئے بہت معاون ہے۔

بعض اہل دل کے کلام میں جو غیر معمولی حلاوت اور قوت ہے، وہ ان کی روح کی لطافت اور قلب کی پاکیزگی اور اندرونی کیفیتِ سرمستی کا نتیجہ ہے، اور اس کے لئے وہ کسی خارجی مدد اور مقام اور وقت کے محتاج نہیں ہوتے، اُن کی خوشی و سرمستی کا سرچشمہ اور ان کی دولت کا خزانہ اُن کے دل میں ہوتا ہے۔ خواجہ میر درد نے جو خود صاف دل اور صاف درد تھے اس پورے گروہ کی ترجمانی اس شعر میں کی ہے۔

جائے کس واسطے لے درد میخانے کے بیچ

کچھ عجب مستی ہے اپنے دل کے پیمانے کے بیچ

غرض اس باطنی کیفیت، یقین و مشاہدہ، دعوت کے غلبہ اہل عصر و اہل تعلق کو حقائق سے آگاہ کرنے اور منزل مقصود پر پہنچانے کے جذبہ اخلاص و درد مندی، رُوح کی لطافت اور قلب کی پاکیزگی اور اس کے

فوقِ سلیم اور زبان پر قدرت نے حضرت شیخ شرف الدینؒ کو ایک بلند مقام عطا کیا ہے اور انہوں نے اپنے خیالات جذبات کے اظہار کیلئے ایک مستقل اسلوب پیدا کر لیا ہے جو انہیں کے ساتھ مخصوص ہے، ان کے مکتوبات نہ صرف فارسی ادبیات بلکہ اسلامی ادبیات میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں اور معارف و حقائق، دعوت و اصلاح کے وسیع ذخیرے میں کم چیزیں ایسی ہوں گی جو اپنی ادبیت اور قوت و تاثیر میں ان کی نظیر ہوں۔

مکتوبات کے مجموعے اور ان کے مکتوبات | مکتوبات کا سب سے مشہور اور تداول مجموعہ وہ ہے جو قاضی شمس الدین حاکم قصبہ چوسہ کے نام کے مکتوبات کا مجموعہ ہے۔ اس مجموعے میں سو مکتوبات ہیں، کہیں "مکتوبات حضرت شیخ شرف الدینؒ کی مکتوبات" کے نام سے چھپا ہے، اور کہیں "صدی مکتوبات" کے نام سے اور کہیں "مکتوبات صدی" کے نام سے۔ اس کے مرتب حضرت مخدومؒ کے معتمد خاص شیخ زین بدر عربی ہیں، وہ اس مجموعہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:-

بندہ ضعیف زین بدر عربی کہتا ہے کہ قاضی شمس الدین حاکم قصبہ چوسہ نے جو حضرت کے ایک مرید ہیں، بار بار اس مضمون کے علیحدہ ارسال خدمت کئے، کہ یہ غریب مولع کی کی بنا پر حضرت مخدومؒ کی مجلس میں حاضری اور شرفِ صحبت کے جو علوم و معارف کے حصول کا ذریعہ ہے، محروم ہے، اور حضرت مخدومؒ سے دور ایک مقام پر پڑا ہے، اس کی درخواست ہو کہ علم سلوک کے ہر باب میں بندہ کے فہم و استعداد کے مطابق کچھ جز تحریر میں لے آیا جائے، تاکہ یہ دور افتادہ اس سے استفادہ کر سکے۔

لے جو حضرت مخدومؒ صاحب کے عہد میں ایک مرکزی اور معروف مقام تھا، اس زمانہ میں ضلع شاہ آباد کشتری پٹنہ کا ایک غیر مشہور دیہات ہے ۱۲

یہ درخواست جو بڑے اخلاص و الحاح سے کی گئی تھی منظور ہوئی، اور حضرت مخدوم نے مراتب و مقامات سالکین اور احوال و معاملات مریدین کے سلسلہ میں بقدر ضرورت کچھ قلمبند فرمادیا، اور اس طرح توبہ و ارادت، التوحید و معرفت، عشق و محبت، گردش و روش، کیش و کوشش، بندگی و عبودیت، تجرید و تفرید، سلامتی و ملامتی، پیری و مریدی کے بہت سے ضروری اور مفید مضامین و ہدایات، سلف کی حکایات اور ان کے احوال و اعمال کا بہت سا ذخیرہ تحریر میں آگیا۔ یہ خطوط ۲۷۲ء کے مختلف مہینوں میں بہار سے قصبہ چوسہ بھیجے جاتے رہے، خدام و حاضرین خالقانہ نے ان مکتوبات کی نقل رکھ لی، اور ان کو مرتب کر لیا، تاکہ اصحاب توفیق، طالبین صادق اور بعد میں آنے والوں کے کام آئیں۔

قاضی سر نشاء شد و خود جہانیاں سرمایہ ہا بر بند ہمہ زین نقود غیب
یارب ازین نقود سرہ دالتی بہ بخش مارا کہ قلب ناسرہ مستقیم پر ز غیب

ایک دوسرا مختصر مجموعہ ”مکتوباتِ جوابی“ کے نام سے علیحدہ بھی شائع ہوا ہے، اور صدی مکتوبات“ ر شائع کردہ کتب خانہ اسلامی پنجاب لاہور) کے مجموعہ میں بھی شامل ہے، یہ ان مکتوبات کا باقی ماندہ حصہ ہے جو شیخ مظفر کے نام ان کے عرائض کے جواب میں لکھے گئے اور ان میں زیادہ تر راہ سلوک میں پیش آنے والی مشکلات کا حل اور اس راہ کی ترقیات و کیفیات کا بیان ہے اور ان سے شیخ مظفر کے علو استواء اور انعامات الہیہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ شیخ مظفر نے وصیت کی تھی کہ یہ مکاتیب انھیں کے ساتھ دفن کر دیئے جائیں، اتفاقاً کچھ مکاتیب پر بعض خدام کی نظر پڑ گئی اور انھوں نے اس کی نقل لے لی۔ یہ مجموعہ ”مکتوباتِ جوابی“ کے نام سے موسوم ہے، اس مجموعہ میں اٹھائیس^{۲۸} مکاتیب ہیں۔

مکتوبات کا ایک تیسرا مجموعہ وہ ہے جس میں ایک سو تیرپن^{۱۵۳} مکتوبات ہیں اور مختلف اشخاص

کے نام ہیں، یہ مکتوبات جمادی الاولیٰ ۱۲۶۹ھ اور رمضان المبارک ۱۲۶۹ھ کے درمیان لکھے گئے ہیں
خاص خاص مکتوب الہیم کے نام یہ ہیں:-

شیخ عمر ساکن قصبہ انگلی، قاضی شمس الدین، قاضی زاہد، مولانا کمال الدین سنتوسی۔ مولانا

صدر الدین، مولانا ضیاء الدین، مولانا محمود سنگانی۔ شیخ محمد ظفر آبادی المعروف بدیونہ

ملک المامرا ملک مفرح، مولانا نظام الدین۔ دادر ملک داماد سلطان محمد۔ مولانا

نصیر الدین امین خان۔ ملک خضر۔ شیخ قطب الدین شیخ سلیمان سلطان الشرق فیروز شاہ۔

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ مینرخی کے مکتوبات کے مطالعہ سے پڑھنے والے کو
مضامین کا مآخذ صاف احساس ہوتا ہے کہ یہ بلند علوم، یہ نادر نکات اور تحقیقات لکھنے والے

کی صرف ذہانت، دفور علم اور غور و مطالعہ کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ اس کے ذاتی تجربات اور اس کے
ذوق و یقین کا نتیجہ ہیں۔ خدا کے علوئے بارگاہ، شانِ بے نیازی، اس کی داوری و کبریائی، جلال و
جمال، مومن کے خوف ورجا، عارفین و داصلین بارگاہ کے ناز و گداز، سرور و اندوہ، دریائے رحمت
کی طغیانی، توبہ و انابت الی اللہ کی ضرورت پر جو کچھ لکھا گیا ہے، صاف معلوم ہوتا ہے کہ کوئی محرم راز و اشاعت
حقیقت لکھ رہا ہے۔

اسی طرح مرتبہ انسانیت کی رفعت و بلندی، قلب انسانی کی عظمت و وسعت، محبت کی قدر و قیمت
انسان کی بلند پروازی، دوزخی، مشکل پسندی اور عنقا طلبی، علوہمت اور قوت طلب کے متعلق جو
طاقتور مکتوبات لکھے گئے ہیں وہ اعلیٰ ترین تحریرات میں شامل ہونے کے قابل ہیں۔

نفس کے مغالطوں، سلطان کے فریب، اخلاقِ رذیلہ اور سلوک کی گھاٹیوں کے متعلق جو
کچھ ارشاد ہوا ہے وہ سب طویل تجربے، وسیع علم اور واقفیت پر مبنی ہے۔

اہل طریقت کی جن غلطیوں پر متنبہ کیا گیا ہے اور شریعت کی ضرورت نکالیف شرعیہ کے

ہمیشہ باقی رہنے، نبوت کی دلالت پر ترجیح اور مقام نبوت کی عظمت کے متعلق جو کچھ تحریر ہوا ہے اس کی قدر و قیمت اور افادیت کا اندازہ لگانے کے لئے اس عصر اور ماحول کا جاننا ضروری ہے جس میں یہ مکتوبات لکھے گئے ہیں۔

ہم یہاں مختلف عنوانات کے ماتحت ان مکتوبات کے کچھ نمونے اور اقیاسات پیش کریں گے جو لوگ تفصیل اور استیعاب کے خواہشمند ہیں وہ اصل مکتوبات کی طرف رجوع کریں۔



بہشت ”مقامِ کبریا“

ایک مکتوب میں شہنشاہِ مطلق کی بے نیازی کو بیان کرتے ہیں کہ کسی کو
بے نیازی سلطانِ عالم | اس سے چون چیرا کی گنجائش اور یارائے سوال نہیں، لَا یُسْئَلُ
 عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ لَیْسَ یُسْئَلُونَ۔ وہ جس کو چاہے دولتِ ایمان اور خلعتِ قبول سے نوازے اور جس کو چاہے
 راحۂ درگاہ اور مطرودِ بارگاہ بنادے، جس کو چاہے خاک سے افلاک پر پہنچا دے اور جس کو چاہے افلاک
 سے خاک پر گرا دے۔

”اَلْکَرَّ کُوْنُیْ جَرَّ اِیْنِیْنِ اَسْت“ ذَلٰلَتْ فَضْلُ اللّٰہِ یُوْتِیْہِ مِنْ یَّشَآءُ (یہ اللہ کا فضل ہے
 جس کو چاہے اس سے نوازے، اگر تم کہو کہ ایسا کیوں ہے؟ تو جواب دیا جائے گا۔ ذَلٰلَتْ فَضْلُ
 اللّٰہِ یُوْتِیْہِ مِنْ یَّشَآءُ۔

”کسے با خداوند تواند کہ گوید چرا کیے را	کس کی مجال ہے کہ خدا سے یہ کہہ سکے کہ
ایں دولتِ اوی ویکے راندادی چنانکہ	کیوں فلاں کو یہ دولت دی، فلاں کو نہیں
بادشاہے راشد کیے را منصب زار دہ	دی، جیسا کہ ایک بادشاہ (اعلم شہو میں)

دیکرے رادر بانی دستور بانی ہمچیں اگر ایک کو منصب وزارت سے سرفراز کرتا ہے
 دولے در دین یکے دہن خواہد از خرابا تش دوسرے کو در بانی و کناسی پر مقرر کرتا ہے۔
 بیڑن آرد و خواہد از خیابان بولاہنگا و کناسا اسی طرح جب وہ کسی کو دین کی دولت عطا
 وترہ فردشان و ظالمان و حرامخواران کرا فرماتا ہے تو کبھی اس کو خرابات اٹھالاتا،
 زبرہ آن کہ گوید اھولاء من اللہ کبھی بے حیثیت لوگوں، خاکروہوں، کڑیوں،
 علیہم من بیننا۔ فضیل عیاض را ظالموں اور حرامخوروں کے گروہ نکال
 اگرچہ راہ زن است بارید کہ خواندہ لاتا ہے، کس کا جگر ہے کہ کہے:۔
 ماست، بلعم با عور را کہ چہار صد سال اھولاء من اللہ علیہم من بیننا
 بر سر سجادہ بود از در گاہ ما برانید کہ راندہ رکھا اللہ کو ہمارے درمیان انھیں پر اجاں
 ماست، ما عمر را کہ بت پرستی داود می خواہیم کرنا تھا حکم ہوتا ہے کہ فضیل بن عیاض کو
 عزازیل کہ ہفتصد ہزار سال عبادت اورد اگرچہ وہ راہزن ہے لاؤ وہ ہمیں مطلوب ہے،
 نمی خواہیم کہ گوید چرا؟ لا یسئل عما یفعل بلعم با عور کو جو چار سو برس تک مصلے

سے نہیں ہٹا ہماری درگاہ سے باہرے جاؤ کہ وہ ہمارے یہاں کا نکالا
 ہوا ہے، ہم عمر کو جو بت پرستی میں مشغول ہے، چاہتے ہیں، عزازیل کو جو سات ہزار
 سال سے عبادت میں مشغول ہے، نہیں چاہتے ہیں، کس کی مجال ہے کہ

کہے کیوں ————— (بیت) —

گرگ از مر برد آئید مراد دل او بود

گو باد یہ پیانی ہمیں مرد شہنازا

اگر نظر لطف افگند ہمہ عیب ما ہنرا اگر مہربانی کی نظر ڈالے تو ہمارے سب عیب منہریں

دہمہ نقصان با کمال دہمہ رشتی ما جمال
ہمارے تمام نقص کمال اور ہمارے تمام بدیہی
اے برادر منہ خاک بود در عین مذلت
حسن و جمال۔ اے برادر! ایک مٹھی بھر خاک
در رہے افتادہ و پاکوب اقدام شدہ
تھی جو ذلت و فوادی کی حالت میں راستہ میں
نظر لطف در آمد و گفت: بے اتنی جلال
پر ہی اور پاؤں کے نیچے آ رہی تھی لطف و
فی الارض خلیفۃ
نوازش کی ایک نظر پڑی اور صد آئی:۔ اپنی

جَاعِلْ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً

ایک دوسرے مکتوب میں اس شان بے نیازی کو دوسرے انداز میں بیان کرتے ہیں:
"چشم بکشا و حسرت آدم ہیں اور فرید نوح
چشم عبرت کھولو، آدم کی حسرت و کھینچ
بشنو و بے کامی خلیل میں و حدیث مصیبت
کی فریاد سنو، ابراہیم خلیل اللہ کی ناکامی اور
یعقوب شبنو، چاہ زندان یوسف ماہ رو
یعقوب مغیر کی مصیبت کی داستان پران بھرو
میں، درآ رہ برفرق زکریا نگر، و تیغ برگزن
کوئیں میں یوسف ماہ رو کو دیکھو، حضرت
زکریا کے سر پر آ رہ اور حضرت یحییٰ کی گردن
پر تلوار ملاحظہ کرو، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ
و آلہ وسلم کی سوزش جگر و بیتابی دل پر نمود کرد
و سلم و علیہم اجمعین بے ہیں و بر خواں کُلّ
اور پھون۔ کل شیئی ہالک الا وجهہ۔
شیئی ہالک الا وجهہ۔"

ایک جگہ بارگاہ الہی کی بلندی کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

اے برادر بحقیقت تہ بدان کہ باری بقاءت
میرے بھائی اچھی طرح سمجھ لو کہ ان کھٹے سکون

ناسرہ مراد تزارین حضرت اہمیت لغتہ کے ساتھ ہماری تمھاری اس دربارِ عالی میں
 کہ حوصلہ باز را آفریدہ اند در حوصلہ کنجنگا رسائی نہیں جو لقمہ بازو شاہین کے معدہ کے
 کجا گنجد قبائے کہ بر بالائے صاحبِ دولتائیں لئے پیدا کیا گیا ہو وہ کنجشک اور چھوٹی چڑیا
 دوختہ اند بر قیالے دولتائیں راست کجا آید کے معدہ میں کہاں سما سکتا ہے؟ وہ قبا

جو صاحبِ اقبال و دولت کے جسم کے اندازہ سے سی گئی ہو ہم

بے بدنتوں کے حقیر قد و قامت پر کہاں راست آ سکتی ہے؟

ایک دوسرے مکتوب میں یہ بیان کرتے ہوئے کہ لطفِ الہی کا کوئی بھونکا چلتا ہے اور ارادہ الہی کا

کوئی اشارہ ہوتا ہے تو خاک کو کیمیا بنتے اور مسرود و مردود کو مقبول بارگاہ ہوتے دیر نہیں لگتی، یہ بات جہاں

بہت ڈرنے کی ہے، وہاں بڑی اُمید و حوصلہ کی بھی ہے فرماتے ہیں:۔

”اين دولت بفضل است نہ باستحقاق“ یہ دولت فضلِ الہی پر منحصر ہے نہ کہ استحقاق پر

باللہ العظیم اگر باستحقاق بودے نصیب خدائے عظیم کی قسم اگر معاملہ استحقاق پر ہوتا تو

من تو ذرہ نیامدے لکن علت از میان میرے اور تمھارے حصہ میں ایک نہ رہ بھی آتا

برداشتند تا چنانکہ پا کاں اُمید دارند، لیکن علت کو در میان سے اٹھالیا، یہاں تک

بے پا کاں نہ پا پا کاں ہزار چندان دارند، کہ اب جس طرح پاک نفوس اس دولت کے امیدوار

آن سر مزبلہ کہ آشیان سگان است روا بود ہیں بے پا کہ نہ پا پاک ہزار چند امیدوار ہیں

کہ صدرِ ملوک گرد و یکین صباب در میان وہ مزبلہ (گھوڑا) جو کتوں کی نشہ گاہ

است اگر می خواہی کہ بجائے ویا کسے گردی لابد ہے ہو سکتا ہے کہ بادشاہوں کی نشہ نشین

از اینجا کہ نہاد شوریدہ و آلودہ بن جائے لیکن حکمت الہی نے اس کے
تست پیشتر باید شد و قدم کچھ اسباب بھی مقرر کر دیے ہیں، اگر تھیں
چند باید زد و از شریعت نہاد و راحلہ منظور ہے کہ کسی مقام پر پہنچو یا کوئی چیز نہ
دار حقیقت بدرقہ ہے، جاؤ چونکہ تمہاری نہاد شوریدہ اور

آلودہ ہے مردانہ دار قدم اٹھانے پڑینگے اور شریعت زاد و راحلہ اور حقیقت بدرقہ بنیاد پر لگا۔
ایک دوسرے مکتوب میں اسی مضمون کو اس طرح بیان کرتے ہیں :-

”و فضل بے علت یکے رامی نوازہ دوسل فضل بے علت ایک کو نوازتا ہے اور
بے علت دیگر سے رامی گدازد عمر و تنجائ عدل بے علت دوسرے کو لکھلاتا ہے، عمر و
مقبول و عبد اللہ بن ابی کعب در مسجد مخدول بتخانہ سے نکال کر مقبول بنائے جاتے
رحمت بر جانش باد کہ گفت“ ہیں، اور عبد اللہ بن ابی مسجد میں مخدول

رہتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے (بیت) —

آزاکہ می سوزی می دانی ساخت

دانرا کہ می سازی می دانی سوخت

اے برادر مرا و ترا کار با جہار سے میرے بھائی ہمیں تمہیں ایک جہار و قہار سے
و قہار سے افتادہ است کہ اگر بہشت واسطہ ہے، اگر بہشت بہشت کو عین و زرخ
بہشت اے عین و زرخ گرداند و زرخ قرار دیئے اور دوزخ کو عین بہشت
را عین بہشت و از کعبہ کلیسا بر آرد و از کعبہ کعبہ بنادے کعبہ سے کلیسا برآمد کرے اور تنگہ کو

در قدرت او ہر دو کیے است میچ زہرہ کبیرہ بنادے اس کی قدرت قوت کے
 نماندہ است کہ آب نشدہ است خوف سامنے سب ایک ہی کس کا زہرہ ہے کہ
 آنست کہ دہم و کھٹہ لمخظمی لرزی آب نہ ہوا ہو خوف یہ ہے کہ دہم و لمخظ
 می ترسی نباید کہ دست رو بے علت لمخظہ لرزاں ترساں رہو کہیں ایسا نہ ہو
 از پردہ غیب پیدا شو و قہر یست کہ اس کا دست قدرت بے علت پردہ
 اور بے علت و لطف است اور بے غیب نمودار ہو اس کا قہر بھی بے علت ہے
 علت از لطف آلودہ طلب تا آب مغفرت اور اس کا لطف بھی علت ہے اپنے
 بشوید تا پاکی لطف از دل پیدا آید قہر ش لطف و ہر بانی سے ایک آلودہ (معاصی)
 پائے طلب تا ریش بد و ہجر اں سیاہ کند کو طلب کرتا ہے تاکہ اس کو آب مغفرت
 تا پاکی سلطان قہر از اسباب ظاہر گردد سے دھوئے تاکہ لطف کی پاکی دل سے
 گاہ از زیر دامن شقی بنی بیرون آرد گاہ ظاہر ہو اس کا قہر بھی کسی پاک کو طلب
 از زیر دامن بنی شقی پیدا آرد گاہ کرتا ہے تاکہ ہجر کے دھوئیں اس کا چہرہ سیاہ
 سکے را در صف اولیا و شامد و گاہ ولی کرے تاکہ سلطان قہر کا اسباب سے بے نیاز
 را در طویلہ سگاں بند و لکن چوں قبول ہونا ثابت ہو جائے کہ بھی کسی شقی کے دامن
 خواہد کرد و نکند و چوں رخو اہد کرد کے نیچے سے نبی کو باہر لاتا ہے اور کہیں
 بہ میچ چہر قبول نکند کسی نبی کے دامن کے نیچے سے شقی کو پیدا

کرتا ہے کسی کتے کو اولیا کی صف میں بٹھاتا ہے اور کہیں دلی کو کتوں کے طویلہ میں

باندھ دیتا ہے لیکن جب وہ کسی کو قبول کر لیتا ہے تو اس کو رد نہیں کرتا اور جب کسی کو رد کرتا ہے تو پھر کسی کے بدلہ میں قبول نہیں کرتا۔

ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں :-

”نظر بر قدرت و فضل او باید داشت اگر
نظر قدرت اور فضل پر کھنی چاہئے، اگرچہ
خواہد ہزار ہزار کلیسا و تہخانہ را کہ عیہ بت المقدس
ہزار ہزار کلیسا اور تہخانہ کو کعبہ اور بیت المقدس
گرداند و ہزار ہزار عاصی و فاسق احبیب اللہ
بنادے اور ہزار عاصیوں اور فاسقوں کو
و خلیل اللہ خطاب کند و علت در میان نہ
حبیب اللہ اور خلیل اللہ کا خطاب نہ
و اگر خواہد یک لحظہ ہزار ہزار کافر اموں
علت در میان میں نہیں ہے، اگرچہ ایک
گرداند و ہزار ہزار مشرک بیت پرست
لحظہ میں ہزاروں کافروں کو مومن بنادے اور
موحد گرداند و ملتے در میان نہ کو ہزار ہزار
عنتی را رحمتی و ہزار ہزار خراباتی را مناجاتی
کردے، اسکے لئے کسی ہمت کی ضرورت
کس راز ہرہ چون دچرا نہ“
ہزار خراباتیوں کو مناجاتی بنادے، کسی کو چون دچرا کا زہرہ نہیں ہے۔

ہست سلطان سلیم مرتزا

نیست کس راز ہرہ چون دچرا

بسا پیرے مناجاتی کہ از مرکب فروماند
بسا زہد خراباتی کہ زین بر شیر زہد

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں :-

خود اس کند کہ خواستہ است نہ ہلاک کس بنید
جو چاہتا ہے کہ تباہ ہے، نہ کسی کی ہلاکت
و نہ نجات کس کیے در باد تیشگی جان می داد
کی پرواہ ہے، نہ کسی کی نجات کی، ایک صحرا میں
و می گفت چندیں دریا آب من تیشگی
پس اس سے جان دیتا ہے اور کہتا ہے کہ بانی کے
جان می دہ از غیب نداشتید کہ ہزار ہزار صدیق
اتنے دریا بہہ رہے ہیں اور میں پیاس سے
را در باد یہ خونخوار اکرم و تیغ مشیت خمد
جان رہے رہا ہوں، غیب سے صدا آتی ہے کہ
ہمہ ہلاک کنیم تا زانے چند را از کلہ دیرہ
کہ ہزاروں صدیقین کو ہم خونخوار جنگل میں لائے
ایشان قوت سازیم و اگر معترضے زبان
ہیں اور اپنی تیغ مشیت سے سب کو ہلاک
اعترض برخواست ما بکشاید این مہر سیات
کر دیتے ہیں تاکہ کچھ ذرا غ و زغن ان کے کلا اور
پر زبان او نہیم کہ لا یسئل عما یفعل
دیدہ سے اپنی روزی حاصل کریں اگر
زارغ زارغ، صدیق صدیق ما فصول
کوئی معترض زبان اعتراض کھولتا ہے تو ہم
در میان کیست؟
اس کی زبان پر یہ کہہ کر مہر لگا دیتے ہیں

کہ: لا یسئل عما یفعل۔ پرندے بھی ہمارے ہیں اور صدیق

بھی ہمارے بیچ میں سوال و اعتراض کرنے والا کون ہے۔

ایک دوسرے مکتوب میں یہ مضمون بیان کرتے ہوئے کہ کسی کو اپنے انجام کی خبر اور یہ معلوم نہیں
کہ اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا اور یہ کہ دونوں طرح کے معاملوں کا امکان ہے اور دونوں کے
بیشمار واقعات، ایسا پڑا کہ مکتوب تحریر فرماتے ہیں جس کو پڑھ کر آدمی کا پتہ پانی ہو جاتا ہے:-
”اے برادر راہ نالین است منزل ہیں“ میرے بھائی راستہ غیر محفوظ ہے، منزل دور۔

و محبوب و مطلوب نامتناہی و قابلِ ضعیف و
دلِ بیچارہ و جانِ عاشقِ سرِ مشاق —

بیت — ۵ — شاعر کہتا ہے: —

جز جاں و جگر نیست شکارِ خور تو

زانست کہ ہر سرے نداردِ سر تو

تیس خرمین طاعت کہ بوقتِ نزع و قدامنا
کتنے خرمین طاعت ہیں جو نزع کے وقت
الی ما عملوا بآدابِ نیازی بردہند
وقد منا الی ما عملوا من عمل
ولیں سینہ آباداں کہ در حالتِ سکرانِ موت
فجعلناہ ہباء منثورا کی بے نیازی
وبدا الہم من اللہ ما لم یکنوا
کی آنکھیں کی نذر ہو جاتے ہیں اور کتنے آباد
یحتسبون خراب کنسندیں روئے
سینے میں جن کو سکرانِ موت میں وبدا
کہ در لحد از قیدِ بگرداند، پس آشنا ما کہ
لہم من اللہ ما لم یکنوا
در شبِ نخستین بیکاد خوانند کیے را گویند
یحتسبون کا فرمانِ سلطانی دیران
نم کنومة العرس دیگر را گویند
کردیتا ہے، کتنے چہرے ہیں جن کو لحد میں
نم کنومة المنحوس ردے می آید
قبلہ سے پھیر دیتے ہیں، کتنے آشنا ہیں جن کو
کہ بہ بیچ طاعت باز نگرود۔
پہلی ہی شب میں بیکاد کہہ دیتے ہیں، کتنے

ہیں جن سے کہا جاتا ہے ”نم کنومة العروس“ اور دوکے

سے ارشاد ہوتا ہے ”نم کنومة المنحوس“ کبھی ایسا دکر

ہیں جو کسی طاعت پر بھی واپس نہیں لیتے۔ شرع

من لم یکن للوصال اهلا فکل احسانہ ذنوب

”وَبَدَلْ مِی آید کہ از بیجِ معصیت اور کبھی ایسا قبول کرتے ہیں کہ پھر کسی
نہیں لشد“ شرعہ معصیت کی پرواہ نہیں ہوتی۔

فی وجهہ شافع یحوا ساعۃ

من القلوب ویأت بالمعاذیر

”خیل را از تہخانہ آزرین و میخرج خلیل اللہ کو تہخانہ سے نکلتا ہوا دیکھو
الحجی من المیت می خواں و کنعان اور میخرج الحجی من المیت پڑھو
در سرائے نور بنگر و میخرج المیت من الحجی میدا کنعان کو نوح کے گھر سے باہر آتا ہوا دیکھو
اثبات آدم یہی کہ زیادت محو کرد و محو المیس ہیں اور میخرج المیت من الحجی کو یاد کرو آدم
کہ اثبات طاعت سودداشت چنانکہ کے نقش کو ایسا دمام بخشا کہ نقش کا نقصان
لہم البشری خوانندگان را ہمراہ است بھی اسکوستانہ سکا، ابلیس کو حرف
لا بشری یومئذ للمجرمین غلط کی طرح ایسا مٹایا کہ بڑی طاعتوں
راہندگان راہ در راہ است چنانکہ کے حق نے بھی اُس کو کچھ فائدہ پہنچایا
سیاہم فی وجوہہم من اثر جس طرح کسی کے لئے لہم البشری
السجود بیان است یعرف المجرمون کی بشارت ہے، اسی طرح راہندگان در گاہ
لسیاهم نشان است کے لئے لا بشری یومئذ للمجرمین

کا اعلان بھی، جیسے کہیں سیاہم فی وجوہہم من

اثر السجود ہے، ایسے ہی یعرف المجرمون

لسیاهم بھی۔

شاعر نے ٹھیک کہا ہے

غافلِ نقشین زخوش چوں بخیرے حاصل کن ازیں جہاںِ فانی ہنرے
خود بنشیند غبارِ دُشکِ بر خیزد کا سپ است بزمِ رانت یا لاشہ خیزے
تا توانی بادل شکستہ باش و خراب جہاں تک ہو سکے دل شکستہ رکھو اور دیر

ایک دوسرے مکتوب میں یہ بتاتے ہیں کہ شہنشاہِ مطلق کے صفات و معاملات جہاں و جہاں
قہاری و غفاری دونوں اپنا اپنا عمل کرتے ہیں اور یہ دونوں صفیتیں اپنے عمل میں ایسی آزاد ہیں
اور عالم میں ان کے ایسے تصرفات ہیں کہ مومن کے لئے خوف ورجا (امید و بیم) کے درمیان رہنے
کے سوا چارہ نہیں، ایک جگہ اللہ تعالیٰ کی شانِ فعال "لما یؤید کی تشریح کرتے ہوئے اور
اسکی مثالیں دیتے ہوئے اپنے اس نورِ قلم اور اس یقین و وثوق کے ساتھ جو انھیں کا حصہ ہے لکھتے ہیں:-

”گاہِ لطفِ بے علت می گوید کہ در آئی کہ کبھی لطفِ بے علت کہتا ہے کہ اندر آجا کہ
ایں جاگردِ قدم سکے تو تیرے دیدہ دوستا یہاں کہتے کے پاؤں کی گرد کو کبھی دوستوں
می سازند و بہ تشریف و کلبہ باسط کی آنکھ کا تو تیرا بتاتے ہیں، اور و کلبہ
ذراعہ بالوصید در کلام مجید باسط ذراعہ بالوصید کہہ کر
خود تا قیامت می نوازند گاہِ قہرِ بے علت قیامت تک کے لئے کتے کا مرتبہ بڑھاتے
ندامی کند الحذر الحذر اینجا معلم ملکوت ہیں اور کبھی قہرِ بے علت آواز دیتا
را کہ ہفصد ہزار سال متکفِ رگاہ بود ہے کہ خبردار خبردار یہاں معلمِ ملکوت
لباس ملکی از سرش بر می کشد و داغ کے سر سے جو سات لاکھ سال متکف
وان علیک لعنتی پیشانی آدمی درگاہ رہا ہے لباسِ ملکی اتار کر و ان

نہند گاہ عمرے را کہ بیکانہ بود در کلیسا از
 علیہ لعنتی کا داغ اسکی پیشانی پر لگا
 پیش بت برمی دارند و می گویند اناللہ
 دیتے ہیں، کبھی عمر کو جو بیکانہ میں بیکانہ تھا بت کے
 شئت ام ابیت دانت لی
 سامنے سے ہٹا کر اپنے پاس بلا کر کہتے ہیں
 شئت ام ابیت، گاہ بلعم بن باعور
 میں تمھارا ہوں چاہو یا نہ چاہو اور تم میرے ہو
 را کہ بیکانہ بود و اسم اعظم خلعت داشت
 چاہو یا نہ چاہو اور کبھی بلعم بن باعور کو جو بیکانہ
 از مسجد بیرون می کنند و در طویلہ رسکا
 تھا اور اسم اعظم کے خلعت سے سرفراز تھا، مسجد
 می بندند و می گویند خمتلہ مکشل
 باہر کھینچ کر کتوں کے طویلہ میں باندھ
 الکلب ان تحمل علیہ یلہث
 دیتے ہیں اور کہتے ہیں خمتلہ
 گاہ ہزار آسیا، بلا و رجا و غنا بر دل و
 مکشل الکلب ان تحمل علیہ
 جگر مرید می رانند گاہ ہزار ساکنان خطائر
 یلہث (اس کی حالت کتے کی سی ہو گئی
 قدس را بر استقبال می فرستند و بلطف
 ہے کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تب بھی ہانپے
 می خوانند، گاہ کہ ہے می بخشند، گاہ
 اور اگر اس کو اسکے حال پر چھوڑے تب بھی
 کا ہے نگرارند، گاہ در صدر بہشت
 نشانند، گاہ بیرون کنند و برونگذارند
 ایں جا عقل و علم نگوں سازند، ایں جا
 پیر و مرید نقش بر دیوار اند، ایں جا
 ”فعال لما یرید“ است، ایں جا
 یفعل اللہ ما یشاء و یحکم
 ما یرید“ است۔

چھوڑتے، کبھی بہشت کے صدر مقام پر بٹھاتے ہیں اور کبھی
ایسا باہر نکالتے ہیں کہ دروازہ پر بھی نہیں چھوڑتے، یہاں عقل و علم
مرنگون ہیں اور پیر و مرید نقش بردیوار یہاں "فَعَالَ لِمَا يُرِيدُ"
کا ظہور ہے، اور یَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ و یَحْكُمُ مَا يُرِيدُ کی کئی

اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی و استغناء، اختیارِ مطلق، قدرتِ کاملہ
در بایں رحمت کا جوش

چلے ہیں کہ ان کو پڑھ کر انسان پر ایک لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور کچھ عجب نہیں کہ ایک مخلص اور
صاحبِ یقین کی زبان سے جس کو اللہ تعالیٰ نے تعبیر و تشریح کی پوری قوت عطا فرمائی ہے پڑھنے والے
پر مایوسی کی کیفیت طاری ہو جائے اور اس کو اپنا کہیں ٹھکانا نظر نہ آئے، علمائے ربانی اور
نائبینِ رسول البشیر و نذیر کا نمونہ ہوتے ہیں اور وہ بندگانِ خدا کو خدا کی رحمت سے مایوس نہیں کرتے،
بلکہ ان کا حوصلہ بڑھاتے ہیں اور عمل و کوشش پر آمادہ کرتے ہیں کہ یہی انبیاء کی بعثت اور ان کے
نائبین کی دعوت اور جدوجہد کا مقصود ہے۔ جلال کے ساتھ جمال، قہاری کے ساتھ غفاری

کی شان بھی اسی وضاحت اور قوت کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور رحمتی و سحت کل شیء
اور قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا عَلَي انْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ
يَغْفِرُ الذَّنُوبَ جَمِيعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ کی تفصیل اسی بلاغت اور خطابت کیساتھ
فرماتے ہیں۔

جس بلغ و پیر و قلم نے آفتابِ قہر کی تابش سوزش اور شہنشاہِ مطلق کی بے نیازی اور بے پرواہی کو
بیان کیا تھا اب وہ اُسی زور اور بلاغت کے ساتھ دریا رحمت کی طغیانی اور خدائے کریم ارحم الراحمین کی
آفرینش و بخشش اور نکتہ نوازی کا نقشہ کھینچتا ہے اور اس طرح دعوت میں توازن پیدا ہوتا ہے جو انبیاء کرام

کاوش اور ان کے نائین برحق کا حصہ ہے فرماتے ہیں :-

”اے برادرچوں دریائے رحمت حق موج
میرے بھائی جب اللہ تعالیٰ کے دریا رحمت
کرامت و مغفرت زند جہد زلات معافی
میں کرامت و مغفرت کی موج اٹھتی ہو تو ہم
منعم و لاشی گرد و ہمہ عیب رنگ ہنر
نعرشیں اور معافی معدوم و فنا ہو جاتے ہیں،
گیر ذیر کہ ذلت و معصیت لم یکن است
اور سب عیب ہنر بن جاتے ہیں اس لئے کہ
و رحمت لم یزل است لم یکن بالم یزل
ذلت و معصیت حادثہ در فانی ہو اور
کے برابر تو اند شد اور با این خاک کار
رحمت حق لم یزل، حادثہ وفانی ابدی
برحمت است و اگر نہ این سیاہ کلیم
اور لم یزل کا کیا مقابلہ کر سکتے ہیں اس
وجود با این ذرہ خاک ناپاک مارا کے
مشت خاک کا سارا دار و مدار رحمت
زہرہ بودے کہ قدم بر حاشیہ سیاہ مالک
ہی پر ہے ورنہ ہمارے اس وجود کی یہ
الملك نہادے اے بساخر باقی
کا کیا حوصلہ تھا کہ مالک الملک کے حاشیہ
دوڑے؟ حدیث شیطان در روئے
بساط پر قدم رکھتی کتنے اہل خرابات میں
شہوات بالیدہ ناکاہ علی الفتوح
جن کے چہرہ پر شیطان کی سیاہی مل دی ہے
رسول مقبول پدید آمدہ گفتہ الحبيب
اور جن کی فتمت کا درخت خواہشات نفسانی
یقرئک السلام و یقول لی
کے مزبلہ میں اگا ہے، ناکاہ قبولیت حق کا
معک کلام“

فاسد نمودار ہوتا ہو اور کہتا ہے کہ محبوب

حقیقی تم کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔

وہ اپنے کمرب الیہ کا حوصہ بڑھاتے ہیں اور اصلاح حال ترقی اور خدا کی رحمت
صلائے عالم کا ایسا شوق دلاتے ہیں کہ گویا ماندہ شاہی چٹا ہوا ہے اور ساری دنیا کو صلے عالم
 ہے اور مینا نہ رحمت جوش پر ہے یہاں محروم رہنے کا کوئی سوال نہیں، اور یہ کہ مطلوب خود مطالب کو
 سہارا دینے والا اور اپنی طرف کھینچنے والا ہے، ورنہ کہاں یہ علوم و جہول، حادث و فانی انسان، کہاں
 وہ ملک قدوس یس مکتبہ شیعہ۔ ۵

تو گو مار ابدان شہر بار نیست

بر کریمیاں کار بادشوار نیست

دروازہ کرم کھلا ہوا ہے اور دفتر خوان	دور کرم باز است و ماندہ کشیدہ
لگا ہوا ہے جلدی کرو اور اپنے کو پالوے بھائی	بشباب و خود را دریا بے اے برادر از آنجا
بشر کیا بشر کی طلب کیا، لیکن کرم بے نہایت	کہ بشر است طلب او چہ تواند بود اما کرم
نہ آقا کو چھوڑتا ہے نہ غلام کو، غنی کو فقیر کو	قیاض نہ خواجہ رامی گذارد و نہ غلام
جس طرح کہ آفتاب اپنے برج سے طلوع کرتا	و نہ تو گمرا و نہ درویش را، چوں آفتاب
ہے اگر اہل عالم کمر ہمت باندھ لیں کہ اسکے	از برج خویش طالع گردد اگر اہل عالم
نور کا ایسا فزہ اپنے ہاتھ میں لے لیں اس پر	کمر طلب در میان بتند نہ تازہ از نور
تو قادر نہیں لیکن وہ خود اپنی سخاوت و فیض عالم	او بدست آئند نہ تو آئند و لکن او خود
کی بنا پر جس طرح کو شکر سلطانی پر اور سر	بحکم کرم چنانکہ در کوشک سلطانان و
امرا پر چمکتا ہے اسی طرح فقیروں اور بے نواؤں کے	سارے خواجگان بتابد در کلبہ گدایان
کلبہ احزان کو بھی روشن کرتا ہے تم	و زاویہ اندوہ درویشان نیز بتابد
خاک و آب کمرمت دیکھو اس دولت اقبال کو	خاک و آب امیں این دولت ابیں کہ

محبوبہ و محبوبہ دیگر - اللہ
 ولی الذین امنوا و دیگر سقاہم
 ربہم ملک مقرب را ایں تشریف خلعت
 کہ تراہست نیست فرشتگان مقرب و
 معصوم ہستند و پاکان و مقدسان و مسیحا
 و روحانیان ہستند و لیکن خود کار آب و
 گل دیگر است۔
 ہیں لیکن آب گل کا معاملہ ہی دوسرا ہے۔

کریم نکتہ نواز | رحمت کی اس وسعت اور خود رحیم کی دشگیری، چارہ سازی اور نکتہ نوازی
 کی بنا پر وہ بڑے سے بڑے عاصی اور آلودہ معاصی کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ
 رجوع و انابت کے کام لے اور صدق دل سے توبہ کر کے اپنی قسمت اور اپنی حقیقت میں بڑی سے بڑی تبدیلی پیدا
 کر لے، وہ اس موقع پر گناہگاروں اور ان بے قیمت چیزوں کو یاد دلاتے ہیں جن کی دیکھتے دیکھتے قسمت
 بدل گئی، اور وہ بے قیمت بیش قیمت بن گئیں۔ گناہ کتنے زیادہ ہوں خدا کی رحمت ان سے کہیں
 وسیع اور کہیں قوی اور غالب ہے۔ سودا گنہگار عیب دار و ناقص ہو جب نقاد خریدار نے خرید
 لیا تو پھر اس میں کیا عیب رہ جاتا ہے، اور کسی کا کیا منہ ہے کہ اس میں عیب نکالے۔ فرماتے ہیں:-

"اے برادر ہر چند آلودہ و لوثی چنگ
 توبہ زن و امیدوار باش کہ از سحرہ
 فرعون آلودہ تر نہ، و از سنگ اعیاب
 کہف لوث تر نہ، و از سنگ طور سینا
 اے بھائی تم کہتے ہی آلودہ و لوث ہو امن
 توبہ تھام لو اور امیدوار رحمت بن جاؤ
 کہ تم نہ ساحران فرعون آلودہ تر ہو اور
 نہ اصحاب کہف کے کتے سے زیادہ گندے

جہاد تیرا، وازچوبِ حنائے بے قیمت تیرا
 نہ طور سینا کے پتھر سے زیادہ جہاد اور
 غلام را اگرچہ از حبش آرنہ چہ زیاں آرد
 نہ ستونِ حنائے سے بڑھکر بے قیمت غلام
 بچوں خواجہ اش کا فور نام ہند بچوں
 کو اگر حبش سے پکڑ کر لاتے ہیں تو کیا عیب
 ملائکہ گفتند کہ بار افساد ایشان طاقت
 کی بات ہے جبکہ اس کا آقا اس کو کافور
 نیست نہ آمد آسے اگر بر در شافرم
 لقب دیتا ہے، جب ملائکہ نے عرض کیا کہ
 رد کنید اگر بر دست شہاب فرستم خرید
 ہم کو اس مشیتِ خاک کے فساد کی طاقت نہیں
 می ترسید کہ معصیت ایشان از رحمت ما
 آواز آئی کہ اگر ہم اس کو تمھارے دروازے
 زیادت آید یا می ترسید کہ آلودگی ایشان
 بھیجیں رد کر دینا، اگر تمھارے ہاتھ
 بر کمال قدوسی مالوثی آرد یا اس مشیت
 بیچیں تو مت خریدنا، تم ڈرتے ہو کہ ان
 خاکپانند کہ در حضرت ما مقبول آنند
 چوں قبول آمد معصیت لوث ایشان
 انسانوں کی معصیت ہماری رحمت سے
 زیادہ ہوگی یا اس سے ڈرتے ہو کہ ان کی
 را چہ زیاں کند۔ آلودگی ہمارے کمالِ قدوسیت پر داغ ڈال

دے گی، یہ مشیتِ خاک ہیں ہماری بارگاہ میں مقبول ہیں —

اور یہیں قبول ہیں، انکی معصیت آلودگی سے کیا نقصا۔

شاعر نے خوب کہا ہے — ۵

سراسر باہمہ علیہم بدیدی خریدی تو
 نہ ہے کالائے پر عیب نہ ہے لطفِ خریداری

۱؎ ”ستونِ حنائے“ مسیح بنوی کا وہ چوبیس ستون تھا جس کے سہارے کھڑے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ
 ارشاد فرماتے تھے۔ جب مہر بنوی بن گیا، ادب آپ نے اس پر ایسا تادہ ہو کر خطبہ دینا شروع فرمایا تو دردِ فراق سے لکڑی کے

اس ستون کی چرچہ ایٹ کی آواز سنی گئی۔ ۱۲۔ ۱؎ مکتوب دوم (۲)

توبہ کی تاثیر | توبہ سے انسان کی حالت میں جو تغیر اور اس کو جو ترقی اور کمال حاصل ہوتا ہے
توبہ کی کیفیت اور اس کی شرائط بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”توبہ اس بود و عمر بیک حقیقت این حالت
گردد، و این را گردش خوانند یعنی از حال
پلیدی و آلودگی بحال پاکی بگشت کلیسا
بود مسجد گشت، بتخانہ بود صومعہ گشت، دیو
بود آدمی گشت، خاک بود زر گشت،
شب تار بود روز روشن گشت آن گاہ
بر دل مرید آفتاب ایماں طالع شود
و اسلام جمال خود بدو نماید و بر سر
کوئے معرفت راہ یابد“
اور کوئے معرفت کی وہ راہ پاتا ہے۔

توبہ اس طرح ہوتی ہے اور مرید اس موقع
پر تائب ہوتا ہے اس کو گردش کہتے ہیں،
یعنی پلیدی اور آلودگی کی حالت سے پاکی
کی حالت میں تبدیل ہو گیا، کلیسا تھا مسجد
ہو گیا، بتخانہ تھا عبادت گاہ بن گیا، زرخ
تھا انسان بن گیا، مٹی تھا سونا بن گیا،
اندھیری رات تھی روز روشن ہو گیا، اس
وقت ہومن کے دل پر ایمان کا آفتاب طلوع
کرتا ہے اور اسلام اپنا جمال دکھاتا ہے،

۱۰ مکتوب بست و نہم (۲۹)



باب ششم

مرتبہ انسانیت

ایک انقلاب انگیز دعویٰ | کتاب کے مؤثر ترین حصوں میں سے ایک حصہ وہ ہے جو انسان کے مقام اور مرتبہ، قلب انسانی کی وسعت و رفعت، انسان کی صلاحیتوں اس کی ترقی کے امکانات اور محبت کی قدر و قیمت کے متعلق لکھا گیا ہے۔

اس موضوع پر نظم میں حکیم سنائی، خواجہ فرید الدین عطار اور مولانا رام نے بہت کچھ فرمایا ہے، لیکن شرمین حضرت مخدوم الملک بہاری کے مکتوبات سے زیادہ طاقتور، بلیغ اور مؤثر تحریر نظر سے نہیں گزری۔ ان کو پڑھ کر انسان کے دل میں اعتماد و حوصلہ جرات و ہمت، اُمید و رجاء، ترقی و پرواز اور ان انتہائی کمالات تک پہنچنے کی اُمنگ پیدا ہوتی ہے جو انسان کے لئے مقدر ہیں اور اُس یاس و نا اُمیدی کم حوصلگی و بے اعتمادی، افسردگی و شرمندگی کا ازالہ ہوتا ہے جو ”خود شکنی“ و ”خود انکاری“ کے بعض کوتاہ اندیش مبہلغوں نے پیدا کر دی تھی اور جس کے نتیجے میں انسانیت ننگ و عار اور ایک ناقابل اصلاح قطری عیب اور ناقابل تلافی نقص بن گئی تھی، اور دُروار سے یہ صدا آنے لگی تھی: ص

وجودِ ذنب کا یقاس یہ ذنب

لے لے انسان تیرا جو وہی ایک ایسا گناہ ہے جس کے برابر کوئی گناہ نہیں۔

اور یہ سمجھ جانے لگا تھا کہ انسان کی ترقیات میں خود انسانیت سب سے بڑھ کر سدا رہا اور ایک سنگ گراں ہے جس کو راستہ سے ہٹانا انسان کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہے، انسان اپنے کو "محسود و مسجود ملائکہ سمجھنے کے بجائے فرشتوں پر رشک کرنے لگا تھا، اور اس ناسوتی فطرت اور خصالِ انسانیت سے منحرف اور باغی ہو کر اپنے اندر ملکوتی صفات پیدا کرنے اور فرشتوں کی تقلید کرنے کا خواہشمند نظر آتا تھا۔

اس فضا میں حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ نے ایک نامانوس آواز بلند کی اور اس جوش اور بلاغت کے ساتھ انسانیت کی بلندی اور انسان کی رفعت و محبوبیت اور اس کے خلیقہ اللہ ہونے کا اعلان کیا اور اس مضمون کو اپنے مکتوبات میں اتنے بار دہرایا اور مختلف اسالیب اور طریقوں سے اُس کو بیان کیا کہ اگر اس کو یکجا جمع کر دیا جائے تو اس موضوع پر ایک ایسا ادبی ذخیرہ جمع ہو جاتا ہے جس کو بڑھ کر انسان کا دل جوصلوں اور امنگوں سے معمور ہو جاتا ہے اور انسان کے قلبِ افسردہ اور تنہا مردہ میں زندگی کی روح دوڑ جاتی ہے اور اس کو اپنی انسانیت پر باز ہونے لگتا ہے۔ ایک مکتوب میں تحریر کرتے ہیں کہ موجودات و مصنوعات تو بہت تھیں

خالق کی نظر خاص | اور ایک سے ایک بڑھ بڑھ کر، لیکن محبوبیت و خلافت کی غلغلی

فاخرہ ضعیف البنیان انسان ہی کے جسم پر راست آنے والی تھی، وہ بیشک ملائکہ کی طرح معصوم نہیں، اس سے گناہوں کا صدور مستبعد نہیں لیکن خالق کی نظر عنایت سب کی تلافی کے لئے کافی ہے اور یہ وہ پانسنگ ہے کہ ترانہ کے جس پلڑے پر رکھ دیا جائے وہ پلڑا جھک جائے گا۔ فرماتے ہیں :-

"موجودات بسیار بودند و مصنوعات موجودات بہت اور مصنوعات می شمارتھے،
بیشمار لیکن با هیچ موجودے این کار نبود لیکن کسی مستی کے ساتھ وہ معاملہ نہیں تھا

کہ آبِ گل چوں لبِ العزت خواست کہ نقطہ
 خاکِ لباسِ وجود پو شانہ و بر سرِ خلافت
 بنشانہ ملائکہ ملکوت گفتند "اتجحل
 فیہا من یفسد فیہا" لطفِ قدیم
 جواب داد "لیس فی الحب مشورۃ" عشق
 تدبیر بہم جمع نشوند تسبیح و تہلیل شمارا چہ
 خطر اگر قبول مانمود و ایشان را از گناہ
 چہ ضرر چوں ساقی لطف قدحِ عفو در دست
 ایشان نہد "فاللہ یبدل اللہ
 مبتداتہم حسنات" بلے شمارا است
 روید و ایشان ہر گونہ و نہد لیکن چوں ایشان
 را خواستیم بساطِ رحمت گستردیم اگر یہ جبیں
 خطے از معصیت پدید آید محبت آسرا
 بلطف بردارد شما آں می بینید کہ سرکار
 ایشان با ما است در معاملات آن نمی بینید
 کہ سر و کار ما با ایشان است در محبت
 چنانکہ قللمے گفتہ است "شعرہ
 واذ الحبيب اتى بذنوب واحد
 جاورت محاسنہ بالحق شفیع
 کہ آبِ گل چوں لبِ العزت خواست کہ نقطہ
 خاکِ لباسِ وجود پو شانہ و بر سرِ خلافت
 بنشانہ ملائکہ ملکوت گفتند "اتجحل
 فیہا من یفسد فیہا" لطفِ قدیم
 جواب داد "لیس فی الحب مشورۃ" عشق
 تدبیر بہم جمع نشوند تسبیح و تہلیل شمارا چہ
 خطر اگر قبول مانمود و ایشان را از گناہ
 چہ ضرر چوں ساقی لطف قدحِ عفو در دست
 ایشان نہد "فاللہ یبدل اللہ
 مبتداتہم حسنات" بلے شمارا است
 روید و ایشان ہر گونہ و نہد لیکن چوں ایشان
 را خواستیم بساطِ رحمت گستردیم اگر یہ جبیں
 خطے از معصیت پدید آید محبت آسرا
 بلطف بردارد شما آں می بینید کہ سرکار
 ایشان با ما است در معاملات آن نمی بینید
 کہ سر و کار ما با ایشان است در محبت
 چنانکہ قللمے گفتہ است "شعرہ
 واذ الحبيب اتى بذنوب واحد
 جاورت محاسنہ بالحق شفیع

یہ نہیں دیکھتے کہ محبت میں وہ ہمارے مطلوب ہیں۔ کسی

شاعر نے خوب کہا ہے

کہ محبوب ایک گناہ زرد ہوتا ہے تو اس کے محاسن ہزار

سفارشیں لا کر کھڑا کر دیتے ہیں

امانت محبت | ایک دوسری جگہ انسان کی محبوبیت اور اختصا ص کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”مخلوقات گیر را با محبت کار بود کہ
ہمت بلند داشتند آں کار ملائکہ کہ
راست بینی ازاں است کہ با ایشان
حدیث محبت ز رفتہ است و این نہ بود کہ
کہ در راہ آدمیاں می بینی ازان است
کہ با ایشان حدیث محبت رفت کہ
”یجبھم و یجبونہ“ پس ہر کرا
شمہ محبت بشام اور سیدہ است کو
دل از سلامت بردار و خود را دواع
کنند کہ المحبۃ لا تبغی ولا تذر

دوسری مخلوقات کو محبت سے کوئی سروکار نہ تھا
کہ وہ ہمت بلند نہیں رکھتی تھیں، ملائکہ کے
کام میں جو ہم کو یکسانی اور یک رنگی نظر آتی ہے
وہ اس وجہ سے ہے کہ وہ حدیث محبت کے
مخاطب نہیں، اور یہ بوا آدمیوں کے راستے
میں نشیب و فراز آتے ہیں وہ اس وجہ سے کہ
ان کے ساتھ بوجہ کا معاملہ ہے، پس جس کے
مشام جاں تک محبت کی خوشبو پہنچی اس کو
چاہیے کہ سلامتی کو سلام کہے اور خود کو
وداع کہ محبت کسی چیز کی روادار نہیں

شاعر نے کہا ہے

بیت۔ ۷

عشق تو مرا چنیں خراباتی کرد

عشق تو مرا چنیں خراباتی کرد

ورنہ سلامت بساں باہوم

ورنہ سلامت بساں باہوم

پہوں نوبت در دولت آدم در آمد خروشیے جب آ دم کی قسمت اقبال کا ستارہ بلند
 وجوشے در مملکت افتاد گفتند چه افتاد ہوا تو کائنات میں ایک تلاطم برپا ہوا کہنے
 کہ چندین ہزار سال تسبیح و تہلیل مارا بباد والوں نے کہا کہ اتنے ہزار سال کی ہمارے تسبیح
 بردارند و آدم خالی را بر کشیدند و برگزیدند و تہلیل کو نظر انداز کر دیا اور خاک کے پتلے
 نداشتند و نہ کہ شہاب صورت خاک منگرید بدل آدم کو سرفراز کیا گیا اور ہم پر ترجیح دی
 و رعیت پاک نگرید کہ میجبھم و میجونہ گئی۔ آواز آئی کہ: تم اس خالی صورت
 آتش محبت در دلہا را نشان نہ دہ است کہ مت دیکھو اس پاک جوہر کو دیکھو جو ان کے
 اندر و رعیت ہے۔" میجبھم و میجونہ۔ محبت کی آگ

ان کے دِل میں لگائی گئی ہے۔

ایک دوسرے مکتوب میں اس خصوصیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

”خداے عزوجل را ہشتاد ہزار عالم است اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار عالم پیدا کئے لیکن
 این جملہ ازین حدیث فارغ اند و حظے یہ سب مخلوقات حدیث سوز و محبت سے
 و نصیب نہ دارند الا آدمی کہ این کرامت بے تعلق ہیں اور ان کو اس کا کوئی حصہ نہیں ملا،
 بھیج نوع از انواع موجودات دیگر یہ دولت تو آدمی ہی کے حصہ میں آئی
 را ندا دند ازین جا ست کہ گفت موجودات کی دوسری اقسام میں کسی قسم کو بھی
 آنکہ گفت“ یہ شرف عطا نہ ہوا، اسی لئے کسی کہنے والے

بیت ۷۷

پنا ہے بلندی و پستی توئی پنا ہے بلندی و پستی توئی
 ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی

ایک دوسرے مکتوب میں آب و گل کی اس قسمت عزت کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ

حاصل وجود

واختصاص حاصل ہے۔ فرماتے ہیں :-

”مے برادر دولت آب و خاک نہ اندک است
و کار آدم و آدمیاں نہ مختصر عرش و کرسی و
لوح و قلم و آسمان و زمین ہر بہ طفیل
اوست، استاد ابو علی رحمۃ اللہ علیہ گفت
اگر آدم را خلیفہ گفت و خلیل را ”اتخذ
اللہ ابراہیم خلیلاً“ گفت و
موسی را و اصطفتک لنفسی
گفت و مارا یحبہم و یحبونہ گفت
گفتہ اند اگر اس حدیث اباد ہوا
مناسبت نہوے دل خود دل نہوے
و اگر خورشید محبت بر جانہائے آدم و
آدمیاں نتافتے کار آدم چو ہر وجود
دیگر بودے۔“

میرے بھائی مٹی پانی کا اقبال کچھ کم نہیں
اور آدم اور آدمیوں کا مرتبہ معمولی نہیں
عرش و کرسی لوح و قلم آسمان زمین سب
انسان ہی کے طفیل میں ہیں۔ استاد ابو علی
دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے
آدم کو اپنا خلیفہ کیا، حضرت ابراہیم کو
خلیل اللہ کا لقب دیا و اتخذ اللہ
ابراہیم خلیلاً اور حضرت موسیٰ
کیلئے ارشاد ہوا کہ میں تم کو اپنے لئے منتخب کیا
اور مومنین کے متعلق ارشاد ہے :-
”یحبہم و یحبونہ“ لوگوں نے کہا ہے
کہ اگر اس حدیث محبت کو دلوں سے مناسبت نہ
ہوتی تو دل دل کہلانے کا مستحق نہ ہوتا اور

اگر آفتاب محبت آدم و اولاد آدم کے جان و دل پر ضیا پاشی
نہ کرتا تو آدم کا معاملہ بھی دوسری موجودات ہی کی طرح ہوتا۔

بارِ امانت | انسان کی بلندی اور اس کی خصوصیت اس بارِ امانت کا نتیجہ ہے جس کے قبول کرنے سے آسمان زمین اور پہاڑوں نے دست بستہ معافی مانگی اور اس ظلم و جہول انسان نے اسکو اپنے ناتواں کندھوں پر اٹھا لیا، اس کی بے مانگی اور بے نوائی کام آئی، خاک کے ذرے نے سوچا کہ اگر اس بارِ عظیم کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہوئی تو اس کے پاس کیا ہو جو لے لیا جائے گا، اور خاک کے نیچے کون سا مرتبہ ہے جس پر تیار دیا جائیگا۔ وہ اپنی بلند ہمتی اور خود شناسی سے اب بھی ہل مر مزید کا نعرہ لگا رہا ہے۔ ایک مکتوب میں جو ادب، ذور بیان اور تاثیر کے اعلیٰ نمونوں میں سے ہے فرماتے ہیں:-

”آب و خاک را کارے بلندست و آب و خاک کا مرتبہ بلند ہے اور بہت

ہمتے بس بزرگ، ہر چند فقر و فاقہ و گدائی بڑی، ہر چند فقر و فاقہ گدائی و بینوائی

و بینوائی اصل اوست جو آفتاب امانت اس کے خمیر میں داخل ہے لیکن جب

در آسمان عرض نیافت ملائکہ ملکوت کہ آفتاب امانت آسمان وجود میں درخشاں

ہفصد ہزار سال در ریاض تقدیس تسبیح ہوا ملائکہ ملکوت نے جو سات لاکھ سال

چریدہ بودند نعرہ نحن تسبیح بحمدہ سے تقدیس و تسبیح کے چمنستان سے اپنی

زردہ مسکین اور رخت بینوائی پر بستند غذا حاصل کر رہے تھے عاجزانہ اپنی

و بجز خود معترف گشتند ”فابین بے بسی کا اظہار اور اپنے عجز کا اعتراف

ان یحملنہا“ و چنیں آسمان گفت کیا۔ ”فابین ان یحملنہا“

مرا صفت رفعت است و زمین گفت اور اس بارِ گراں کے اٹھانے سے معذوری

مرا خلعت بسط است وہ کوہ گفت ظاہر کی۔ آسمان نے کہا کہ میری صفت

مرا صفت ثبات است و معدن جابر رفعت ہے، زمین نے کہا کہ میری خلعت

گفت نباید کہ درما آفتے فرشِ خاکی ہے، پہاڑ نے کہا میرا منصب

راہ یابد، آس ذرہ خاک بیباک دست
 پہرہ داری اور ایک پاؤں پر کھڑا رہنا
 نیاز از آستین فقر و فاقہ بیرون آوردن
 ہے، جواہرات نے عرض کیا کہ کہیں
 بار امانت بجان گرفت و از دو عالم
 ہمارے شیشہ میں بال نہ آجائے اس
 بندہٴ نیت پیشہ گفت مرا چیست که از
 خاک بیباک کے ذرہ نے فقر و فاقہ کی
 من بستاند چیزے را کہ خوار کنند
 آستین سے دست نیاز نکالا اور
 در خاک مالند خاک اور چہ مالند مرد
 اس بار امانت کو سینہ سے لگا لیا اور
 پیش آمد بارے کہ اہل ہفت آسمان
 دو عالم میں سے کسی چیز کا غم نہ کیا
 وزمین نکشیدند برخود نہادہ و نعرہ
 اس نے کہا میرے پاس کیا ہے جس کو
 ”ہل من مزید“ زدے
 چھین لیں گے، جب کسی چیز کو ذلیل

کرنا چاہتے ہیں مٹی میں ملا دیتے ہیں، مٹی کو کس میں
 ملائیں گے۔ مردانہ وار بڑھا اور اس بوجھ کو جس کو سات
 آسمان و زمین نہ سہار سکے ہنسی خوشی اٹھالیا اور

”ہل من مزید“ کا نعرہ لگایا۔

ذرہ خاک کا اقبال | ایک دوسری جگہ اسی آب و گل کی قسمت و قیمت کا ذکر کرتے
 ہوئے لکھتے ہیں کہ: شہباز محبت کو سینہ آدم کے سوا کوئی
 آشیانہ نہ ملا، آسمان کی بلندی اور عرش و کرسی کی وسعت گزرتا ہوا اس نے دل عاشق کو اپنا
 نشیمن بنایا، اسی بلاغت طراز قلم سے تحریر فرماتے ہیں:

”آب و خاک را اندک مشمر ہر چہ آب و خاک کو کم نہ سمجھو، جو کچھ کمالات ہیں

دارو آبِ خاک دارد، ہر چہ آمدہ است آبِ خاک ہی کے اندر ہیں اور جو کچھ
 با آبِ خاک آمدہ است دیگر ہمہ نقش اس دنیا میں آتا ہے آبِ خاک ہی کے
 بر دیوار اند، آوردہ اند کہ چون شہباز ساتھ آیا ہے اس کے علاوہ جو کچھ نظر
 محبت از آشیانہ عزت پر پر ہر عرش رسید آتا ہے نقشِ بدیوار سے زیادہ نہیں
 عظمت دید در گذشت بہ کرسی رسید کہنے والوں نے کہا ہے کہ شہباز محبت
 وسعت دید در گذشت بہ آسمان رسید نے آشیانہ عزت سے پرواز کی عرش
 رفعت دید در گذشت بہ خاک رسید کے پاس سے گزرا، عظمت دیکھی
 محنت دید فرد آمدہ گذر گیا، کرسی پر پہنچا وسعت

دیکھی گزر گیا، آسمان پر پہنچا رفعت دیکھی آگے بڑھ گیا

خاک پر پہنچا، محنت دیکھی اتر آیا۔

اس مضمون کو کسی شاعر عارف نے انسان کا ترجمان بن کر لیں ادا کیا ہے۔

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پاسکے

میرا ہی دل مجھ کہ تو اس میں سما سکے

ایک دوسری جگہ انسان کا مرتبہ بیان کرتے ہوئے اور اسکے حال پر اس کے پیدا کرنے والے

کی نظر عنایت اور نگاہ محبت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

اے برادر اور ابائیں آبِ خاک اے بھائی خالق کا اس آبِ خاک کے

سرمہ و کرما است، و در خبر است ساتھ خاص معاملہ اور خاص عنایت

کہ چون عزرائیل آہنگ جان یکے ہیں، ایک روایت میں آیا ہے کہ

ازین امت کند از مغفرت عزت جب ملک الموت اس امت میں

بدو خطاب رسد کہ سلام و تحیت ما
 اول بدو در سان پس دست بجان او برد
 در کلام مجید خواندہ کہ فردا حق تعالیٰ
 بے واسطہ بر مومنان سلام گوید کہ "سلام
 قولاً من رب رحیم" لا الہ
 الا اللہ، کلام اذانی و سلام اذانی
 اگر ارادت قدیم اور ایں مشتے خاکیاں
 کرم نبوی در ازل ہوا ایشاں سلام
 نہ کر دے غزنیے بدیں اشارت
 کردہ است — رباعی ۵
 آں را کہ ز محبوب سلامے باشد
 وز حضرت او بدو پیامے باشد

در علقہ بند گانش خورشید منیر
 قصہ چہ کنم کم از غلامے باشد
 بیان کیا ہے ۵
 آں را کہ ز محبوب سلامے باشد
 در حضرت او بدو پیامے

سیر الہی کا حال
 ایک دوسرے مکتوب میں انسان کی شرفیت اس کے منصبِ خلافت اور
 علو مرتبہ کا رازیہ بیان کرتے ہیں کہ وہ سیر الہی کا حامل اور نفخت
 من روحی کے شرف مشرف، رسالت صحیفِ آسمانی اور دولتِ دیدار اس کی خصوصیات
 ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

۱۔ مکتوب پنجابہ ویکم (۵۱)

حق تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار عالم میں سے کوئی
 گروہ انسان کے گروہ سے زیادہ عالی ہمت
 نہیں پیدا کیا اور انسانوں کے سوا کسی گروہ
 کے متعلق یہ ارشاد نہیں ہوا کہ "نفخت
 فیہ من روحی" اور کسی گروہ میں
 پیغمبروں کو مبعوث نہیں فرمایا، اور نہ
 آسمانی کتابیں نازل کیں اور نہ کسی گروہ کو
 سلام کہلایا نہ کسی گروہ کو اپنے دیدار کی نعمت
 عطا فرمائی، وہ آدمی ہی تھے جو اپنی محبت کی
 قوت اور اپنی ہمت کی بلندی کی وجہ سے
 طاقتِ فراق نہیں رکھتے تھے، دنیا میں
 ان کے دل سے حجاب اٹھالیا اور عقبیٰ میں
 اُن کی آنکھوں سے پردہ اٹھایا، اسی نتیجہ ہے
 کہ دنیا میں وہ اسکے سوا کسی کے طالب نہیں
 اور عقبیٰ میں اسکے جمالِ جہاں آرا کے سوا
 ان آنکھوں نے کچھ نہ دیکھا اور یہ سبق انھوں
 نے مکتبِ مازع البصر و ماطعی
 میں پڑھا تھا۔ کسی شاعرِ عارف نے
 خوب کہا ہے۔

حق تعالیٰ از میان ہزار عالم گروہ ہے
 نہ از فرید از آدمی بزرگ ہمت دایں از است
 کہ هیچ گروہی را نگفت و نفخت فیہ
 من روحی مگر آدمیان را، و در هیچ
 گروہی پیغامبران و کتابا نفرستاد مگر
 در گروہ آدمیان و در هیچ گروہ سلام
 نہ کرد مگر بر آدمیان و هیچ کس را دولت
 دیدار خود نہ داد مگر آدمیارا و آدمیا بودند
 کہ از قوت محبت خویش در بزرگی ہمت
 خویش طاقت فراق نہ داشتند، بدینا از
 دل ایشان حجاب برداشت و بعقبیٰ از
 چشمہ سان حجاب برداشت تا در دنیا
 جزویرا نخواستند در عقبیٰ بجزوے
 نگریتند و این تختہ در مکتبِ مازع
 البصر و ماطعی آموختند عربینے
 گفته است۔

مثنوی
 الای مرغ حکمت دآن زانے
 چو خواہی یافت بہ زین آشیانے

بہ پرواز معانی باز کن پر
الا اے مرغ حکمت طائرانے
سر لے ہفت باز کن در
چو خواہی یافت بنی آشیانے
چوں تو برسد ہ حضرت نشینی
بہ پرواز معانی باز کن پر
تو باشی جملہ و خود راہ بینی
سر لے ہفت در باز کن در

چوں تو برسد ہ حضرت نشینی

تو باشی جملہ و خود راہ بینی

ایک دوسری جگہ انسان کا وہ مرتبہ بیان کرتے ہوئے جس کی وجہ سے وہ مسجود
مسجود و محسود ملائک اور محسود خلایق بن گیا۔ تحریر فرماتے ہیں :-

اے برادران کہ ترا مسجود ملک کردہ است
 میرے بھائی جس چیز نے تم کو فرشتوں کا مسجود
 محسود فلک گردانیدہ است کلمے عظیم است
 اور افلاک کا محسود بنا دیا ہے وہ بہت
 ہر امنیہ در وجود خاکی مکدر معنی منور و مقدس
 بڑی چیز ہے انسان اپنے وجود خاکی میں کیسا
 است کہ اسرار ملک و اوہام بشری از دریافت
 ہی مکدر ہو معنوی اعتبار سے ایسا منور و مقدس
 آں معنی عاجز و قاصر اند چوں شعاع این معنی
 ہے کہ ملکوتی راز اور بشری اوہام اس کی
 طلوع نماید ملک حیران شود و فلک
 حقیقت دریافت کرنے سے عاجز و قاصر ہیں
 سرگرداں بود اور تواضع دائیں تخاشع
 جب اس معنی کی شعاع جلوہ فگن ہوتی ہے
 از لوازمات بود و از واجبات باشد خواہ
 ملائک حیران اور آسمان سرگرداں ہوتا ہے
 وہ تواضع سے سر بگربان اور یہ سببت
 عطا رحمۃ اللہ علیہ اشارت کردہ است۔

رباعی

ۛ

لذہ بر اندام خواجہ فرید الدین عطارؒ نے

اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے ۛ

فرشتہ گربیند جو ہر تو

فرشتہ گربیند جو ہر تو

وگرہ سجدہ آرد برد تو

وگرہ سجدہ آرد برد تو

نہ مسجود ملائک جو ہر تست

نہ مسجود ملائک جو ہر تست؟

نہ تاجے از خلافت بر سر تست

نہ تاجے از خلافت بر سر تست؟

خلیفہ زادہ گلخن رہا کن

خلیفہ زادہ گلخن رہا کن

بہ گلشن شو گدا طبع رہا کن

بہ گلشن شو گدا طبع رہا کن

بمصر اندر برائے تست شاہی

بمصر اندر برائے تست شاہی

تو چوں یوسف چہرہ در قہر چاہی

تو چوں یوسف چہرہ در قہر چاہی

لیکن انسان اور نوع انسانی کمال شرفیت اور خصوصیت اس مفعولہ گوشت کی وجہ سے ہے

جس کو دل کہتے ہیں اور دل کی قدر و قیمت اور زندگی و قوت اس جوہر کی وجہ سے

دل آگاہ

ہے جس کو محبت کہتے ہیں۔ دل کے متعلق فرماتے ہیں: —

عرش پیدا کیا مقربین کے سپرد کیا بہشت

عرش بیا فرید بمقربان داد بہشت بیا فرید

پیدا کی رضوان کو اس کا پاسبان بنایا اور فرخ

بہ رضوان داد و دوزخ بیا فرید بہ مالک داد

پیدا کی مالک کو اس کا دربان بنایا، لیکن

چوں دل مومن بیا فرید گفت القلب

جب مومن کا دل پیدا کیا فرمایا، دل رحمن

بین اصبعین

کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔

ایک دوسرے مکتوب میں دل کی وسعت و قوت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”مہج چیز عزیز تر از دل بودے در معرفت
خوش آنجا ندایم این است معنی آنکہ
گفت لایسعی سہائی ولا ارضی
ولکن بی معنی قلب عبدی
المومن آسمان معرفت مارا نشا است
وزمین درخور مانیاد دل بندہ مومن بعد
کہ بار رخت ماکشید آئے رستم را ہم رخش
رستم کشید و آفتاب سلطنت ادبہ کوہ
کہ در عالم اجسام و صورت ثابت و عظیم تر
از مہج چیز نیست یکبار بیش نتافت
کہ ذرہ ذرہ گشت

”جعلہ دکا“
وہ روز سہ صد شخصت بار بردل
مومن می تابہ و اہل من مزید“
نعرہ می زند و فریادی کند الغیث
الغیثات تشنہ ام“

اگر کوئی چیز دل سے زیادہ عزیز اور قیمتی
ہوتی تو اپنی معرفت کا موتی اسی میں رکھتا، یہی
معنی ہے اس ارشاد کے کہ بر زمین آسمان
مجھے سہا سکتا ہے نہ میری زمین، اگر میرے لئے
گنجائش ہے تو مومن بندہ کے دل میں آسمان
میری معرفت کا اہل نہیں، زمین اس بات
کی متحمل نہیں، بندہ مومن کا دل ہی ہے جس نے
اس بوہ کا اٹھایا، رستم کا گھوڑا بھی رستم کو
اٹھا لیتا ہے، لیکن جلال الہی کا آفتاب
جب پہاڑ پر جس سے زیادہ عالم اجسام میں
جھننے والی اور عظیم کوئی چیز نہیں
جب ایک بار چمکا تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو گیا،
و جعلہ دکا، تین سو ساڑھے تیرے مومن کے دل پر
چمکا، اور وہ ”اہل من مزید“ کا نعرہ لگاتا
رہتا ہے اور پکارتا رہتا ہے:- الغیث الغیث
پیا صاہوں۔

دل کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ہر چیز ٹوٹ کر بے قیمت ہو جاتی ہے، لیکن شکستہ تر، عزیز تر | یہ جتنا ٹوٹا ہوا ہوتا ہے اتنا ہی بیش قیمت ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:-

”اے برادر شکستہ چیز بیچ قیمت نہ دارد اے بھائی ٹوٹی ہوئی چیز کوئی قیمت نہیں رکھتی

مگر دل ہر چند شکستہ تر با قیمت تر موسیٰ مگر دل جتنا ٹوٹا ہوا ہوتا ہے اتنا ہی بیش قیمت

علیہ السلام درنا جات خود گفت:- ہوتا ہے موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ایک

”الہی این اطلبک“ فرما کر فرما کر سرگوشی میں فرمایا کہ:- ”آپ کو کہاں تلاش

انا عند المنکسرۃ قلوبہم“ کروں؟ جواب ملا:- ”میں ان لوگوں کے

پاس ہوتا ہوں جن کے دل میری وجہ سے ٹوٹے ہوئے ہوتے ہیں۔“

دل کا سرمایہ محبت ہے، اور محبت تمام عالم اور اسے زمانوں کو محیط ہے | محبت کی فرمانروائی | اس عالم سے اس عالم تک اس کا سکھ رواں ہے۔ فرماتے ہیں:-

”اقل این حدیث است دنیا نہ این حدیث محبت تینوں زمانوں پر محیط ہے،

حدیث است و آخر این حدیث است اول و آخر در میان اسی کا دور دورہ ہے

امروز این حدیث است فردا این حدیث محققین نے کہا ہے کہ یہ عالم اور وہ عالم

است، محققان گفتہ اند کہ اس عالم سب طلب کے لئے ہیں، اگر کوئی کہے کہ

و آن عالم ہر دو برائے طلب است وہ عالم عالم طلب نہیں ہے، یہ ناممکن ہے۔

اے اسی کو اقبال نے اس طرح کہا ہے

نہ بچا بچا کے نور کھائے تر آئینہ ہے وہ آئینہ جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ سار میں

۲۸ مکتوب ششم (۶)

اگر کس گوید کہ آل عالم عالم طلب نیست
ہاں نماز روزہ نہیں ہوگا لیکن طلب ہوگی
ایں محال است یکے نماز و روزہ نیست
روز قیامت تمام احکام پر قلم نسخ
اما طلب ہست فردا ہمہ شرائع را قلم
پھر جائے گا، لیکن یہ دو چیزیں ابد الآباد
در کشند اما این دو چیز ابد الآباد بماند
تک رہیں گی: بحسب اللہ
”الحب لله والحمد لله“
والحمد لله۔

۱۰ مکتوب چہل و ششم (۳۶)



باب نمبر ۹

تحقیقات و علوم عالیہ

بلند و لطیف علوم و مضامین | حضرت شیخ شرف الدین کے مکتوبات میں نادر تحقیقات

بلند و لطیف علوم و مضامین کا ایسا ذخیرہ ہے جو خفائی و معارف کی کم کتابوں میں دستیاب ہوتا ہے۔ اس کتاب کے صفحات پر جا بجا ایسے لطیف نکات اور ایسی تحقیقات بکھری ہوئی

ہیں جو ذاتی تجربات کا بخیر اور سالہا سال کی ریاضتوں اور وہی علوم کا نتیجہ ہیں اور جن کو پڑھ کر وجد سرور کی ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے جو کسی بڑے سے بڑے طب انگیز ادبی مقالے اور وجد آفریں شعر سے بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔

وحدة الشہود | اس کتاب میں بعض ایسی تحقیقات بھی ملتی ہیں جن کے متعلق علمی حلقوں میں شہرت تھوڑی تھی۔ اس

کوئی شخص ان سے آشنا نہیں تھا۔ ان ہی تحقیقات میں سے ایک "توحید شہودی" یا "وحدة الشہود" کا نظریہ ہے، اس نظریہ اور تحقیق کا چرچا حقیقتاً گیارہویں صدی ہجری سے ہوا جب حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے

وحدة الوجود کے متوازی اس کی دعوت اور وضاحت پیش فرمائی اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسکی تقریر تبلیغ

اس کی اشاعت کا سہرا حضرت مجدد الف ثانی ہی کے سر ہے اور اس بارے میں انھوں نے جس تفصیل و تکمیل اور جس قوت اور جرأت سے کام لیا وہ انھیں کا حصہ تھا اور وہ اس مسئلہ میں امام اور مجدد کی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ دو ڈھائی سو برس پہلے محمد الملک شیخ شرف الدین کبیری منیری کے مکتوبات میں بڑی خوبی کے ساتھ اس مسئلہ کا ذکر ملتا ہے، وہ اپنے ذاتی تجربہ اور اس مقام کی تحقیق کی روشنی میں جو ان کو حاصل تھا یہ ثابت کرتے ہیں کہ عام طور پر جس کو وحدت وجود اور غیر حق کو عدم محض اور فنا کا مل سمجھا جاتا ہے وہ دراصل وجود حقیقی کے سامنے دوسری موجودات کا اس طرح مانند پڑ جانا اور مغلوب ہو جانا ہے جس طرح آفتاب کی روشنی کے سامنے سارے کی روشنی مند اور ذات کا وجود بے حقیقت ہو جاتا ہے، وہ دو لفظوں میں اس حقیقت کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:-

”نا بودن دیگر است و نادیدن دیگر“

کسی چیز کا نابود و معدوم ہو جانا اور چیز ہے اور نظر نہ آنا اور چیز۔

اور فرماتے ہیں:- یہ ایک ایسا نازک مقام ہے جہاں اچھے اچھوں کے قدم لٹکھڑکے اور جہاں تو فتنہ الہی اور خفیہ کامل کی رہبری کے بغیر حادہ حقیقت پر قائم رہنا مشکل ہے۔

”چند ازاں از نور ظهور حق بر روز آفتاب آشود ظهور حق کے نور سے سالک پر اس طرح ظاہر

کہ ہر ذرات وجود پیش دیدہ او در اشرق ہوتا ہے کہ تمام ذرات وجود اس روشنی کی

آن نور متواری شوند بر مثال متواری شد آفتاب میں اسکی نظر سے اوجھل ہو جاتے

ذره با ہوا در اشرق نور آفتاب ذرہ در نور ہیں جس طرح آفتاب کی روشنی کے سامنے

آفتاب متوال دیدہ ازاں کہ ذرہ نیست شد ذرات ہوا چھپ جاتے ہیں اور ان ذرات کو

و نہ آتکہ ذرہ آفتاب شد بلکہ ازاں کہ دیکھا نہیں جاسکتا، اسکی مطلب نہیں کہ

باظہور نور آفتاب ذرہ را جز متواری شد ذرہ موجود نہیں اور نہ یہ کہ ذرہ آفتاب ہو گیا،

روئے نیست ہمچنین نہ آتکہ بندہ خدا بلکہ بات یہ ہو کہ آفتاب کی روشنی کے ظاہر

گرد، تعالیٰ اللہ عن ذلک علوا کبیرا ہونے پر سوائے چھپ جانے کے ذرہ کا منہ
 نہ آں کہ بندہ بحقیقت نیست شود، تابودن نہیں کہ وہ اپنی صورت دکھائے۔ اسی طرح سے
 دیگر است و نادیدن دیگر۔ ۵ یہ بات نہیں کہ بندہ خدا ہو گیا، تعالیٰ اللہ
 پیش توحید اوز نہ کہنے است نواست عن ذلک علوا کبیرا، اور نہ یہ کہ بندہ
 ہمہ میچ اند میچ اوست کہ اوست حقیقت میں معدوم ہو جاتا ہے، تابود اور
 تو چون در آئینہ نگری آئینہ را بینی زیراکہ معدوم ہو جاتا اور چیز ہے اور نظر نہ آتا اور
 مستغرق جمال خودی و توانی گفت آئینہ چیز شاعر عارف نے صحیح کہا ہے۔ ۵
 نیست شد و یا آئینہ جمال شد یا جمال پیش توحید اوز نہ کہنے است نواست
 آئینہ شد و میں قدرت در مقدور است ہمہ میچ اند میچ اوست کہ اوست
 پہنچیں بود بے تفاوت این اصولیاں جب تم آئینہ دیکھتے ہو تو آئینہ کو نہیں دیکھتے
 "الفناء فی التوحید" خوانند اس لئے کہ اپنے جمال میں مستغرق ہوتے ہو اور
 بیت۔ ۵ یہ نہیں کہہ سکتے کہ آئینہ معدوم ہو گیا اور
 گوید آں کس دریں مقام فضول یہ کہ آئینہ تمہارا جمال بن گیا ہے یا تمہارا جمال
 کہ تجلی نہ دادند اور حلول آئینہ بن گیا ہے، قدرت کو مقدور ات کے
 بسیار کس را این جا قدم بلغزیدہ است اند بالکل اسی طرح دیکھا جاتا ہے، اسکو صوفیہ
 جز بہرہ توفیق و عنایت ازلی و بیدرقہ فنا فی التوحید کہتے ہیں۔ ۵
 پیر رسیدہ و صاحب دیدہ شدہ گوید آں کس دریں مقام فضول
 و فراز و نشیب این راہ گذشتہ شربت کہ تجلی نہ دادند اور حلول
 از قہر جلال و لطف جمال چشیدہ این بادیا بہت لوگوں کا قدم اس جگہ پھسل گیا ہے،

کسے قطع فتوا کر دے، توفیق الہی دعائے ازلی اور مرشد کی رہنمائی

کے بغیر جو مقام تحقیق پر فائز، صاحب نظر اس راستے کے نشیب و فراز سے گزرا ہوا تھر جلال اور لطف جمال کا مزہ چکھے ہوئے ہو اس بادیہ کو کوئی قطع نہیں کر سکتا۔

تغیر صفات میں ہے نہ کہ ذات میں | اس موقع پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ آفتاب کے سامنے دوسری روشنی کے مانند ہونے کی جو مثال دی گئی ہے اور اس سے یہ ثابت

کیا گیا ہے کہ روشنی معدوم نہیں ہوتی صرف آفتاب کے سامنے ماند پڑ جاتی ہے اور اس کا وجود بیچ نظر آنے لگتا ہے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ آفتاب کے سامنے چراغ کی کوئی حقیقت نہیں رہتی، اسکے وجود کو وجود کہنا ہی صحیح نہیں ہے، وہ تو اسکے مقابلہ میں معدوم ہی ہو جاتا ہے، ایک ہی چیز یکا وقت موجود اور معدوم نہیں ہو سکتی، شیخ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تغیر صفات میں ہے نہ کہ ذات میں، آفتاب پانی کے چشمہ پر چمکتا ہے پانی کو گرم کر دیتا ہے، اس پانی کی صفت بدلتی ہے پانی کی ذات نہیں بدلتی اور پانی کسی معنی میں بھی آفتاب نہیں بن جاتا، فرماتے ہیں :-

”ایں سخن آں بود کہ چراغ را با عین آفتاب“ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جرم آفتاب کے سامنے

بیچ دلاتے نبود ولایت بکلی آفتاب بود چراغ کی کوئی مہستی نہیں رہتی، اس وقت

بچوں اندو وجود اور اثر نہ نبود وجود و چوں آفتاب ہی کا دور دورہ ہوتا ہے جب

عدم او بود اگر کسے گوید کہ عدم ضد وجود بود چراغ کے وجود کا کوئی فائدہ نہیں تو

وجود ضد عدم و یک چیز در یک حال ہم اس کا وجود و عدم برابر ہو جاتا ہے اگر

موجود بود وہم عدم محال بود جواب کوئی کہے عدم وجود کا ضد ہوتا ہے اور وجود

آنست کہ ایں سخن در عین نیست عدم کا ضد اور ایک چیز کا ایک ہی وقت

در صفات است کہ عین نکرده صفات میں معدوم موجود ہونا محال ہے اس
 بگرد، خلق نکرده، آفتاب بر آب تابد کا جواب یہ ہے کہ گفتگو ذات کے متعلق
 آب کہ اگر کم کند صفات آب بگرد و بدل نہیں صفات کے متعلق ہی ذات میں
 شود و عین آب نکرده زیرا کہ عین آب تغیر نہیں ہوتا صفات میں تغیر ہوتا ہے
 بر جابست، آفتاب در صفات آب فطرت میں تغیر نہیں ہوتا، آفتاب پانی
 عمل کردہ در ذات آب و دریں پر چکنا ہے پانی کو گرم کر دیتا ہے پانی
 اجتماع ضدین نیست۔“ کی صفات بدل جاتی ہیں لیکن پانی
 کی ذات اور فطرت نہیں بدلتی وہ اپنی جگہ پر قائم رہتی ہے، آفتاب نے صفات
 میں عمل کیا نہ کہ ذات میں، ایسی حالت میں اجتماع ضدین کی کوئی بات نہیں۔

تیز رفتار کی حرکت نظر میں نہیں آتی | کاملین اور مقہروں کی ترقی قطع مقامات اور ان کی
 باطنی کیفیات ایسی ہوتی ہیں جن کا بتدیوں کو اور بعض
 اوقات ان کے ہم نشینوں کو بھی ادراک نہیں ہوتا، انبیاء علیہم السلام اور ان کے کمالات کے وارثوں
 اور اولیاء کاملین کے کمالات اور کیفیات ایسی لطیف، نازک اور مخفی ہوتی ہیں کہ اکثر اوقات ان
 کے معاصر اور ان کے صحبت میں رہنے والے ان سے ناواقف اور بیگانہ رہتے ہیں، اور ان اہل
 وجد و شوق اور اہل جذب و سلوک کو تیز سمجھ دیتے ہیں جو ان کی گرد پا کو بھی نہیں پہنچتے، یہ حضرات
 کاملین جن کو اللہ تعالیٰ اعلیٰ درجہ کا ظرف، علو و صلوٰۃ اور قوتِ نخل عطا فرماتا ہے، نہ گریبان چاک
 کرتے ہیں نہ دامن تارتا، نہ لغزے لگاتے ہیں، نہ وجد میں پھر رہتے ہیں، نہ ان سے کثرت سے

کرامات و خوارق کا حدود ہوتا ہے، نہ وہ دعویٰ کرتے ہیں، نہ کسی کیفیت کا اظہار ہونے دیتے ہیں، ان کا وہ حال ہوتا ہے جو عارف شیراز نے بیان کیا ہے :-

اے مرغِ سحر عشق پر دانہ بیا موز کاں سوختہ را جاں شد و آذانیامد
ایں مدعیان در طلبش بے خبرانند آں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد

حضرت شیخ لکھتے ہیں کہ رنار جتنی تیز ہوتی ہے اسی قدر اس کی حرکت نظر نہیں آتی، فرماتے ہیں :-
تیز آندھی کو سب محسوس کرتے ہیں لیکن نسیمِ سحر جو دل کی کلیوں کے ساتھ مسجالی کرتی ہے اور چین کو حیاتِ
بخشتی ہے، اس طرح چلتی ہے کہ کسی کو خبر نہیں ہوتی۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :-

رفق چوں تیز گردد دیدار بالکس باز رنار حبیب تیز ہو جاتی ہے اس کا دیکھنا
گرد نہ بینی کہ آں سنگ آسیا خراس بند ہو جاتا ہے، دیکھتے نہیں بڑی چکی
کہ می گردد از غایت رفتن ہر کہ نظر کند کے پتھر کی گردش جب تیز ہو جاتی ہے تو جو
گوید کہ ایستادہ است، خواجہ جنید را شخص دیکھتا ہے سمجھتا ہے کہ چکی بند ہے
رحمۃ اللہ علیہ گفتند چرا اے پر بسماع اور اس کا پتھر گردش نہیں کر رہا ہے۔
برنجیزی، ادایں آیت ہر خواند و تری حضرت جنید بغدادی سے کسی نے کہا کہ آپ
الجبال تحسبہا جامدۃ وہی سماع کے موقع پر اپنی جگہ سے جنبش نہیں
تمر مّر السحاب شمارفتن نمی بینید فرماتے، آپ نے یہ آیت پڑھی و تری
چو رفتن تیز شود در دیدار نیاید نسیم الجبال تحسبہا جامدۃ وہی تمر
سحر چہاں گزرد کہ کس را خبر نداشت مّر السحاب تم پہاڑوں کو دیکھو گے تو

انکو کھڑا ہوا سمجھو گے حالانکہ وہ ابر کی طرح رواں دواں ہوں گے، تم ہمارے زقار تہیں دیکھتے جب زقار تیز ہو جاتی ہے دیکھنے میں نہیں آتی نسیم سحر اس طرح چلتی ہو کہ کسی کو خبر نہیں ہوتی۔

خواہشاتِ نفسانی کا ازالہ مقصود نہیں شکستگی مقصود ہے

صا دقین خواہشاتِ نفسانی کا سرے سے فنا ہو جانا اور اس کا استیصال کلی ضروری سمجھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ سالک کیلئے ضرور ہے کہ اس میں سرے سے کسی خواہش کا مادہ ہی باقی نہ رہے شیخ فرماتے ہیں کہ مقصود ازالہ شہوات نہیں شکستگی شہوات ہے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی احوال العلوم میں ثابت کیا ہے کہ اصلاح و تربیت کا مقصود غصہ وغیرہ کا جڑ سے نکل جانا اور اسکی صلاحیت کا مقصود ہو جانا نہیں، بلکہ اس پر قابو پانے کی صلاحیت اور اس کو مغلوب کرنے کی قوت ہے، اسلئے قرآن مجید میں تعریف کے موقع پر ”وَالْفَاظِلِينَ الْغَيْظِ“ کہا ”وَالْكَاطِمِينَ الْغَيْظِ“ فرمایا، اگر سرے سے غصہ ہی نہ آتا تو تو غصہ کو پی چلنے اور اسکو دبانے کا سوال کہاں پیدا ہو سکتا ہے؟ شیخ بڑی تفصیل سے لکھتے ہیں:-

جہل و حماقت آں کسے است کہ چناں	یہ اس شخص کی جہالت و حماقت ہے جو یہ
می پندارد کہ شریعت فرمودہ است کہ	سمجھتا ہے کہ شریعت کا مطالبہ یہ ہو کہ خواہش
از شہوات در صفتا بشریت پاک می باید	نفس اور صفات بشریت سے مطلقاً
شد اصلاً و این قدر نادانستہ باشد کہ	پاک ہونا چاہیے، اس نے یہ غور نہیں
چگونہ شریعت چناں فرماید کہ رسول اللہ	کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
صلی اللہ علیہ وسلم چینی می گوید کہ بشرم	فرمایا کہ میں بشر ہوں کسی وقت مجھے
در خشم شوم و اثر خشم ہر دے بسیار	غصہ آجاتا ہے اور غصہ کا اثر بھی اکثر
دیدند و خداوند می فرماید	آپ پر ظاہر ہو جاتا تھا اور اللہ تعالیٰ کا

والکاظمین الخیفۃ شامی گوید انرا
 کہ خشم فرو خورد نہ آنرا کہ خشم ندر و جوچہ نہ
 فرماید کہ شہوت نمی باید کہ حضرت رسالت
 صلی اللہ علیہ وسلم نہ حرم داشت و اگر
 کسے را شہوت ساقط شود علاج باید
 کرد تا باز آید کہ رحم است بر اہل و فرزند
 و چیرگی در غزا کاfran از خشم خیزد و کثرت
 نوالد و تناسل و ابقار نام نیک از
 شہوت خیزد و مطلوب پیغمبر آں بودہ است
 نوالد و تناسل لیکن فرمودہ است کہ این
 ہر دو را زیر ست باید داشت چنان
 بودہ باشد کہ در فرمان شرع باشد
 مانند اسپ در فرمان رالیض و سگ در
 فرمان حیاد لیکن سگ باید کہ معلّم بود
 و گرنہ در حیاد آویزد و بے اسپ نیز صید
 نتوان کرد اما باید کہ ریاضت یافتہ باشد
 و اگر نہ حیاد را بیندازد پس شہوت و خشم
 بہمچو سگ و اسپ است و سعادۃ آخرت
 صید نتوان کرد بے این ہر دو اما بشرط آنکہ زبردست
 ارشاد ہنے والکاظمین الخیفۃ
 اللہ تعالیٰ انکی تعریف کرتا ہے کہ وہ غصہ کو
 دباتے ہیں، اسکی تعریف نہیں کہ غصہ کا مادہ
 ہی نہیں اور کس طرح شریعت خواہش نفس
 کے بالکل ازالہ کا مطالبہ کر سکتی ہے جب کہ
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نوبویاں تھیں
 اگر کسی کی خواہش نفس بالکل زائل ہو گئی
 ہو تو اس کو علاج کرنا چاہیے کہ پھر پیدا
 ہو جائے اسلئے کہ گھروالوں اور اولاد پر
 شفقت اجہاد میں کافروں پر غصہ اور اولاد
 کا سلسلہ اور نیک نام کا بقا، یہ سب چیزیں نفس کے
 احساسات و خواہشات سے تعلق رکھتی ہیں،
 پیغمبروں نے اسکی تمنّا کی ہے کہ اہل سلسلہ
 نفسی چلے لیکن شریعت کا مطالبہ یہ ہے کہ
 خواہشات کو مغلوب رکھائے اور احکام
 شریعت کے ماتحت جس طرح گھوڑا سائیں اور
 کتا شکاری کے قبضے میں ہوتا ہے کتا بھی ایسا
 جامے جس کی تربیت ہو چکی ہو ورنہ شکاری
 ہی پر حملہ آور ہو جائے گا، شکار کے لئے

باشند کہ اگر غالب باشند سبب ہلاک بود گھوڑے کی بھی ضرورت ہے، لیکن ایسا گھوڑا
پس مقصود از ریاضت آن است کہ تا این درکار ہے جو رام کر لیا گیا ہو ورنہ اپنے سوار
ہر دو صفت شکستہ شوند و زیر دست کو گرا دیگا، اسی طرح شہوت اور غصہ کتنے
باشند و این ممکن است۔ اور گھوڑے کی طرح آخرت کی سعادت کو

ان دونوں کے بغیر شکار نہیں کیا جاسکتا، لیکن شرط یہ ہے کہ ماتحت اور قابو
کے ہوں، اگر غالب ہونگے تو ہلاکت کا سبب بن جائیں گے، پس ریاضت
اور مجاہدہ کا مقصود یہ ہے کہ یہ دونوں صفتیں شکستہ اور مغلوب ہو جائیں
اور یہ ممکن ہے۔

کرامت بھی ایک بُت ہے، جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے، حضرت مخدوم صاحب کے زمانہ میں ہر طرف
کرامات کا پیر چلتا اور عوام اسکو بزرگی کی شرط اور مقبولیت کا

معیار سمجھتے تھے، حضرت مخدوم صاحب اس مذاق عام اور شہرت عام کے برخلاف یہ ثابت کرتے
ہیں کہ کرامات بھی اہل اللہ کے لئے ایک حجاب اور غیر اللہ کے ساتھ مشغولی کا حکم رکھتی ہیں اور اس
طرح سے وہ بھی ایک طرح کا بُت ہے جس کی نفی اور اس سے استغنا بعض اوقات ضروری ہوتا ہے۔

یکے از بتاں کرامات است تا کافران بُت کرامات بھی ایک بُت ہے جس طرح کافر
تعلق کنند اعدا باشند چوں از بت تبرا بُت سے تعلق رکھتے ہیں دشمن ہوتے ہیں
کنند، اولیا گردند بت عارفان کرامت جب بُت سے بے تعلق اور برات کا اظہار
است اگر با کرامت باز آیند محبوب معزول کرتے ہیں دوست بن جاتے ہیں، عارفوں کا

گردمند اگر از کرامات تیرا کنند مقرب گردند
بُست کرامت سے اگر کرامت پر قانع اور مطمئن
موصول گردند عزیزے گفتہ است
ہو جائیں محبوب اور معزول ہوں اور اگر
کرامات سے بے تعلقی کا اظہار کریں مقرب
اور حاصل کسی عارف نے کہا ہے

قطعہ

زابدانِ راجت فردوس باید ننگاہ
عاشقانِ الذل اندر قہرِ ندانِ است بس
لطف اور عام و خاص نیک بد یا بندہ اند
قہر اور پیش رفتن کا مردانِ است و کس
ازیں جاہست کہ چون خدائے عزوجل
مرا نشانِ اچیزے از کرامات پدید آمد
اندردل ایشان خضوع و خشوع زیادہ
گرد و دل و تواضع بیش از آن باشد
کہ بود ترس و خوفِ یادِ ازاں گردد
خوف اور ڈر میں اضافہ ہو جاتا ہے

کشف و کرامات اور استدراج :-

وہ آئینہ بر صدیقان از کشف صدق
فراست چیزے پدید می آید و انکار ہائے
صدیقین پر کشف اور فراست صادق
میں سے جو چیزیں ظاہر ہوتی ہیں اور

مستقبل کے پیش خواہد آدائشیاں روشن
 مئی گرد و باشد کہ بعضے ایں معنی نکشاید
 ہونے والے واقعات میں جو واقعات
 ان پر منکشف ہو جاتے ہیں ہو سکتے ہیں کہ بعض
 لوگوں پر اس طرح کی چیزیں منکشف نہ ہوں لیکن
 اس کے ان پر کوئی اعتراض اور ان کے کمالات میں
 کوئی نقص ثابت نہیں ہوتا، اعتراض اور
 نقص کی چیز جادہ استقامت سے ہٹ جاتا ہے،
 صدیقین پر اس طرح کی جو چیزیں منکشف
 ہوتی ہیں وہ ان کے یقین کے اضافہ کا سبب
 ہوتی ہیں اور اس کے مجاہدہ میں اور پختگی
 اور اخلاقی حمیدہ میں اور ترقی ہوتی ہے اگر
 یہ حالات ایسے کسی شخص کو پیش آئیں
 جو احکام شریعت کا پابند نہیں وہ اسکے بعد
 کا سبب اور اس کے فریب و حماقت کا
 ذریعہ بن جاتے ہیں، وہ اسکے دھوکہ اور
 غرور میں لوگوں کو مغلوب اور حقیر سمجھنے
 لگتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اسلام
 کا رشتہ اس کی گردن سے باہر ہو جاتا
 مستقبل کے پیش خواہد آدائشیاں روشن
 مئی گرد و باشد کہ بعضے ایں معنی نکشاید
 و از ایں جا قدرے لازم نیابد در حال
 ایشان کہ قدرے در حال ایشان گشتن بود
 از استقامت و ہرچہ بر صدیقان کشاید
 آن سبب مزید یقین ایشان باشد و داعی
 بود بہ صدق مجاہدہ و نحوے گرفتن باخلاق
 حمیدہ باشد، و اگر برکے کشاید کہ اندر
 سیاست شرع نباشد آن سبب مزید
 بعد غرور و حماقت بود و بر آن معافی ہو
 را از دست حقیر دارد و همچنین می باشد
 تارشتہ اسلام از گردنست بیرون افتد
 و از حدود احکام حلال و حرام منکر
 گردد و پندار مقصود از عبادت بجز
 ذکر خدائی نیست ترک متابعت سنت
 پیش گیر و تادراں و زندقہ افتد
 نعوذ باللہ منہا۔

ہے اور وہ احکام الہی کی حدود اور حلال و حرام کا منکرین جاتا ہے، اور سمجھنے لگتا ہے کہ عبادت کا مقصد ذکر الہی کے سوا کچھ نہیں، وہ سنت کی پیروی چھوڑ دیتا ہے اور الحاد و زندقہ کا شکار ہو جاتا ہے، نعوذ باللہ منہا۔

فضیلت خدمت :-

ایک کار بزرگ مرید را خدمت است در خدمت قائم با و خاصیت ہا است کہ در پیچ عبادت و طاعت دیگر نیست کیے آنست کہ نفس مردہ شود و کبر و نخوت خواجگی را پر دو تواضع و عجز دروے پیدا آید و اور امور بگرداند و اخلاق را نیکو گرداند و علوم معین طریقت آموزد و تیرگی و گرائی نفس از دے برد و او لطیف و سبک روح گردد و ظاہر و باطن روشن شود و این فوائد مخصوص است بخدمت بزرگے را پر سیدند کہ اہ حق چند است گفت بعد ہر ذرہ از موجودات را ہے است بحق اما پیچ راہ نیکوتر و نزدیک تر از راحت رسانیدن سالک کیلئے ایک اونچا کام خدمت ہے خدمات میں وہ فوائد اور خاصیتیں ہیں جو کسی دوسری عبادت و طاعت میں نہیں، ایک یہ کہ نفس مردہ ہوتا ہے اور بڑائی و سرداری کبر و نخوت نکال دیتی ہے اور تواضع و عجز پیدا ہوتا ہے، خدمت اسکو مہذب اور مودب بنادیتی ہے، اخلاق کو آراستہ کرتی ہے اور سنت طریقت کے علوم سکھاتی ہے، نفس کی ظلمت اور گرائی کو دور کرتی ہے، انسان کو لطیف اور سبک روح بناتی ہے اور اسکا ظاہر و باطن روشن ہو جاتا ہے، یہ سب فوائد خدمت کے ساتھ مخصوص ہیں، ایک بزرگ نے کسی سے پوچھا خدا تک پہنچنے کے کتنے

بدلہا نیست و مابدیں راہ یافتیم و بدیں راستے ہیں انھوں نے جواب دیا کہ موجودات
 مریدان اوصیت کر دیم و گفتہ بزرگداشت اور دنیا میں جتنے ذرات ہیں اتنی ہی خدا تک
 کہ اوراد و طاعات اس طائفہ زیادت پہنچنے کی راہیں ہیں لیکن کوئی راستہ لوں کو
 از آنست کہ در بیاں آید و چوں راحت پہنچانے سے زیادہ بہتر اور نزدیک
 از اں ہمہ فارغ شوند، بیچ ورد تر نہیں اور ہم نے اسی راہ سے خدا کو پایا ہے
 و طاعت فاضل تر و با فائدہ تر از اور اپنے تعلق والوں کو اسی کی وصیت کی ہے
 خدمت کر دن یک دیگر بزرگوں نے کہا ہے کہ اس گردہ کے اوراد و
 نیست۔ طاعات بیان سے باہر ہیں وہ جب ان

سب سے فارغ ہوتے ہیں تو پھر کوئی ورد و طاعت ایک دوسرے کی خدمت کرنے سے زیادہ افضل اور مفید نہیں۔

نفس کی اصلاح کا معیار | نفس کی اصلاح کا معیار ان حضرات کی نظر میں بہت بلند ہے۔

حقیقتاً اس بات کا اطمینان بہت مشکل ہے کہ نفس دعویٰ
 خدائی سے دست بردار اور خواہشات و شہوات کی گرفتاری سے آزاد ہو گیا ہے اور تربیت و اصلاح کے
 اس مقام پر پہنچ گیا ہے کہ اب اس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے، حضرت شیخ شرف الدین کے نزدیک اس کی
 علامت یہ ہے کہ وہ اپنی خواہش سے قدم نہ اٹھائے، شریعت کے حکم پر چلے اور احکام شریعت میں رخصت
 تاویل سے کام نہ لے، اگر نفس پر کسی خاص نفسانی خواہش اور طبیعت کا غلبہ ہے تو حقیقتاً وہ اس
 جانور کے مشابہ ہے جو اس خواہش کا سب سے بڑا نمائندہ اور مظہر ہے۔

ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:-

”اے برادر نفس آدمی مکارہ فریبندہ است
 ہمہ دعویٰ دروغ کند و لاف زند کہ ہوا زیر
 دست منت اٹوے برہان باید طلبید
 و بیچ برہانے نیست مگر آنکہ بحکم خود
 قدم نہ زند، بحکم شرع رود کہ اگر ہمیشہ
 بطوع تن در تواند داشت می گوید
 اگر در احکام شریعت خصیت تاویل طلبید
 موافق ہوا و شہوت آں مدبر ہوا سیر
 ہواست اگر اسیر خشم است گے است
 در صورت آدمی و اگر اسیر شکم است
 پیسے است و اگر اسیر شہوت کا دشت
 است خو کے است و اگر اسیر جامہ
 و تجمل است نے است در صورت
 مرد، مگر کسے کہ خود را بحکام او امر
 شرع بسیار اید و بسیار ماید
 و عنان خود بدست شریعت دہد
 تا چنانکہ آدمی گرد می تواند گشتن آنگاہ
 صفات او اسیر او شدہ باشد
 پس کسانیکہ ارباب بصیرت بودہ اند

میرے بھائی آدمی کا نفس مکارہ دھوکا دینے
 والا ہے، وہ ہمیشہ جھوٹے دعوے اور
 لاف زنی کرتا ہے کہ خواہش نفس میری
 محکوم ہو گئی ہے، اس کے اس کا ثبوت
 مانگنا چاہیے اور اس کا ثبوت صرف یہ ہے
 کہ وہ اپنے حکم سے ایک قدم نہ اٹھائے
 شریعت کے حکم سے چلے، اگر ہمیشہ وہ
 شریعت کی اطاعت میں سرگرمی دکھاتا ہے
 تو صحیح کہتا ہے اور اگر احکام شریعت میں اپنی
 ہوا و خواہش کے موافق رخصت تاویل
 چاہتا ہے تو وہ بے اقبال ابھی تک
 اسیر کیندہ ہوا ہے، اگر غصہ کا غلام ہے
 تو وہ ایک کتا ہے آدمی کی شکل میں،
 اگر پیٹ کا غلام ہے تو ایک جانور ہے،
 اور اگر وہ فاسد خواہشات نفس کا اسیر ہے
 تو وہ ایک سو خنزیر ہے، اور اگر وہ لباس
 و زینت کا غلام ہے تو وہ عورت ہے، ہر کی
 صورت میں، لیکن جو شخص اپنے کو احکام شریعت
 کے مطابق آراستہ کرتا ہے اور نفس کا

دکا رہا چنانکہ بود بدیہ تا نفس باز امتحان لیتا رہتا ہے اور اس نے اپنی
 پس لگام تقویٰ از شر نفس خود فردو باگ شریعت کے ہاتھ دے دی ہے جس
 نیاوردند لے طرف وہ پھیرتی ہے اسی طرف وہ پھر
 جاتا ہے اُس وقت اس کو کہا جاسکتا ہے کہ اس کی صفات اس کی محکوم اور
 زیر فرمان ہو گئی ہیں، پس جن لوگوں کو اس نے بعیرت دی تھی اور حقائق پر نظر رکھتے
 تھے وہ دم واپس تک اپنے نفس کو تقویٰ اور خوفِ الہی کی لگام دیئے رہے۔

باب ہشتم

حفاظتِ دین و حمایتِ شریعت

ایک اصلاحی و تجدیدی کارنامہ | حضرت شیخ شرف الدین محیی الدین کی کامیابی کا نام نہ ہے کہ انھوں نے ہندوستان کے باشندوں کو خدا کا راستہ دکھایا معرفتِ الہی اور تعلقِ مع اللہ کی ضرورتِ اہمیت دل نشین کی ہزاروں لاکھوں انسانوں کے دلوں میں عشقِ الہی اور خدا طلبی کی حرارت پیدا کر دی اور سلوکِ معرفت کے اسرار و نکات اور لطیف و بلند علوم کا اظہار فرمایا، بلکہ بعض دوسرے مصلحین امت اور محققین کی طرح اُن کا یہ بھی عظیم درویش کا نام ہے کہ انھوں نے بروقت دین کی حفاظت کا فرض سرانجام دیا۔ مسلمانوں کے دینی ایمان کو غالی صوفیوں کی یہ اعتدالیوں محمدین کی تحریفات اور باطنیتِ زندہ کے اثرات سے محفوظ رکھا اور ان مغالطوں کا پردہ چاک کیا جو بد اعتقاد صوفیوں جابل مشائخ اور زہد و باطنیت سے متاثر اشرافین کی دعوتِ تبلیغ سے ہندوستان جیسے دور افتادہ ملک میں جہاں اسلام بہت چکر کاٹ کر پہنچا تھا اور جہاں کتاب و سنت سے براہِ راست واقفیت پیدا کرنے کے وسائل شروع سے کمزور اور محدود رہے (سحر کا اثر رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنے مکتوبات میں ان سب عقائد و خیالات پر ضرب لگائی، جس کے پردہ میں یہاں الحاد و زندہ بھیل رہا تھا۔

اور اسلامی عقائد متزلزل ہو رہے تھے اور اسلام کے عقائد صحیحہ اور اہل سنت کے مسلک کی نہایت مؤثر دلائل و کالت اور تبلیغ کی، وہ چونکہ حقائق و معارف میں بلند ترین پایہ رکھتے تھے اشراق اور کشف و شہود کے اعلیٰ مقام پر پہنچ چکے تھے، ریاضات و مجاہدات کی طویل ترین و دشوار ترین گھاٹیاں طے کر چکے تھے اور اس میدان میں ان کا مرتبہ ”امامت اجتہاد“ تک پہنچنا سب کو تسلیم تھا، اسلئے اس بارے میں ان کی تصریحات و تحقیقات خاص وزن اور قیمت رکھتی ہیں اور ان کی تردید بلکہ تحقیر کسی بڑے سے بڑے صاحب اشراق و کشف کیلئے آسان نہیں تھی، ان کا معاملہ یہ تھا کہ ۵ ہوں اس کوچہ کے ہرزہ سے آگاہ

ادھر سے مدتوں آیا گیا ہوں

ایک عرصہ دراز سے تصوف کے بعض معلقوں میں اس خیال کی اُفت
نبوت ولایت سے افضل ہے | ہو رہی تھی کہ ولایت کا مقام نبوت کے مقام سے افضل ہے اور یہ کہ

ولایت تمام تر توجہ الی الحق اور انقطاع عن الخلق کا نام ہے اور نبوت کا موضوع دعوت ہے جس کا تعلق مخلوق سے ہے اسلئے ولی رُوحی ہوتا ہے اور نبی رُوحی اور رُوحی ہونے کی حالت رُوحی ہونے کی حالت سے اعلیٰ اور افضل ہے، بعض لوگوں نے اس میں اتنی احتیاط کی تھی کہ انھوں نے یہ کہا کہ ولایت عام طور پر نبوت سے افضل نہیں، بلکہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ نبی کی ولایت اسکی نبوت سے افضل ہو اور نبی جب مشغول بالخلق ہوتا ہے تو اس کی یہ حالت اس حالت سے افضل ہوتی ہے جب وہ دعوت کے سلسلہ میں مشغول بالخلق ہوتا ہے۔ لیکن اس کی جو بھی تاویل کی جائے اس عقیدہ و خیال سے نبوت کی تحقیر کا پہلو نکلتا تھا اس کی اہمیت و عظمت کم ہوتی تھی اور الحاد و زندقہ کا ایک دروازہ کھلتا تھا۔ حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ مینوی نے اس عقیدہ کی پروردِ زبرد فرمائی اور بڑی قوت و وضاحت سے ثابت فرمایا کہ نبوت کا مقام ولایت سے کہیں اعلیٰ و رفیع ہے نبی کے تمام احوال و اوقات ولی کے احوال و اوقات سے افضل ہیں بلکہ بنیاد کی ایک سانس اولیاء کی تمام عمر

افضل ہو، اسی سلسلہ میں انھوں نے بڑی محققانہ اور عارفانہ باتیں لکھی ہیں، اور چونکہ وہ خود ولایت معرفت کے اعلیٰ مراتب پر فائز تھے، اس لئے ان کا فرمانا محض ذہانت اور علم کے زور کا نتیجہ نہیں، تجربہ اور مشاہدہ پر مبنی ہے کہ۔ ع

قلندہ ہر حبیہ گوید دیدہ گوید

ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:-

"برادرِ شمس الدینی کو معلوم ہو کہ باتفاقِ جملہ مشائخ طریقتِ ضوان اللہ علیہم اجمعین تمام اوقات و احوال میں اولیاءِ پیغمبرؐ کے تابع ہیں اور انبیاءِ اولیاء سے افضل ہیں، جو ولایت کی نیا ہے، وہ نبوت کی ہدایت ہے، تمام انبیاء و ولی ہوتے ہیں لیکن اولیاء میں سے کوئی نبی نہیں ہوتا، علماء اہل سنت و الجماعت اور اس طریق کے محققین میں اس مسئلہ کے بارے میں کسی کا اختلاف نہیں، ہاں ملحدین کا ایک گروہ کہتا ہے کہ اولیاء انبیاء سے افضل ہیں اور دلیل یہ لاتے ہیں کہ اولیاء تمام اوقات میں مشغول بحق ہوتے ہیں اور انبیاء اکثر اوقات غوثِ خلق میں مشغول رہتے ہیں، پس جو شخص مشغول بحق ہو وہ افضل ہو اس سے جو کسی کسی وقت مشغول بحق ہوتا ہے، اگر وہ جس کو صوفیہ سے محبت کا دعویٰ ہے اور وہ اُن سے نیک گمان رکھتا ہے، اور ان کی پیروی کا دم بھرتا ہے، اس کا قائل ہے کہ مقامِ ولایت مقامِ نبوت سے برتر ہے، نبی کو علم وحی ہوتا ہے اور ولی کو علم اسرار، ولی کو ایسے اسرار معلوم ہوتے ہیں جن سے انبیاء بے خبر ہوتے ہیں، انھوں نے اولیاء کے لئے علم لدنی ثابت کیا اور اس کا استنباط حضرت موسیٰ اور خضر کے قصہ

سے کیا، انھوں نے کہا کہ خضرؑ ولی تھے اور حضرت موسیٰؑ نبی، حضرت موسیٰؑ پر وحی ظاہر آتی تھی جب تک وحی نہ آتی، اُن کو کسی واقعہ کا راز اور کسی بات کا بھید معلوم نہ ہوتا، حضرت خضرؑ کو علم لدنی حاصل تھا، اس کی وجہ سے وہ بغیر وحی کے غیب تک جان لیتے، یہاں تک کہ حضرت موسیٰؑ کو اُن کا شاگرد بننے کی ضرورت پیش آئی اور سب کو معلوم ہے کہ اُستاد شاگرد سے افضل ہوتا ہے۔

لیکن یہ یاد رہے کہ اس طریق کے پیشوا جن کے دین پر اعتماد کیا جاسکتا ہے، وہ ایسے اقوال و عقائد سے بیزار ہیں اور اس کو ہرگز ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں کہ کسی کا مرتبہ انبیاء سے بلند ہو سکتا ہے یا ان کے برابر بھی ہو سکتا ہے باقی موسیٰؑ اور خضرؑ کے قصہ کا جواب یہ ہے کہ خضرؑ کو فضیلت جزئی حاصل تھی اور وہ خاص واقعات کا علم لدنی ہے، اور حضرت موسیٰؑ کو مطلق فضیلت حاصل تھی، فضیلت جزئی فضیلت مطلق کو منسوخ نہیں کرتی، جیسے کہ مریمؑ کہ اُن کو ایک طرح کی فضیلت حاصل تھی کہ مرد کے تعلق کے بغیر حضرت عیسیٰؑ اُن سے پیدا ہوئے لیکن یہ فضیلت حضرت عائشہؓ و حضرت فاطمہؓ کی فضیلت پر غالب نہیں اسلئے کہ اُن کو فضیلت مطلقہ حاصل تھی تمام دنیا کی عورتوں پر، یاد رکھو اگر تمام اولیاء کے تمام احوال و اعمال، انھاس زندگی کو نبی کے ایک قدم کے مقابلہ میں تصور کیا جائے تو وہ ہیچ اور معدوم نظر آئیں گے۔ اولیاء جس چیز کے طالب ہیں اور جس چیز کے لئے سفر طے کرتے ہیں اور محفیت کرتے ہیں، انبیاء اُس مقام پر پہنچ چکے ہیں اور اس کو پا چکے ہیں۔ انبیاء دعوت کا کام بحکم الہی انجام دیتے ہیں اور ہزاروں

لاکھوں بندگانِ خدا کو خدا رسیدہ اور واصل بناتے ہیں۔“

انبیاء کی ایک سائنس تمام اولیاء کی پوری زندگی سے افضل ہے:-

پس انبیاء کی ایک سائنس تمام اولیاء کی تمام زندگی اور عمر سے افضل ہے۔ اس لئے کہ جب اولیاء نہایت کم پہنچتے ہیں تو مشاہدہ کی خبر دیتے ہیں اور حجابِ بشریت کے خلاصی پاتے ہیں، اگرچہ وہ اس حالت میں بھی بشری رہتے ہیں پیغمبر پہلے قدم میں ہی مقامِ مشاہدہ پر فائز ہوتے ہیں جو اولیاء کی انتہا ہوتی ہے وہ انبیاء کی ابتدا۔ انبیاء کو اولیاء پر قیاس ہی نہیں کیا جاسکتا خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ انبیاء کے حالات کے بارہ میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ فرمایا: ”تو یہ تو بہ ہمارا اس عالم میں کوئی دخل نہیں، بس جس طرح اولیاء کا مرتبہ مخلوق کے ادراک و تصور سے مخفی ہے اسی طرح انبیاء کا مرتبہ اولیاء کے ادراک سے بالاتر ہے۔ اولیاء انبیاء کی صفائیت میں اپنے قدموں سے تیز چلنے اور دوڑنے والے ہیں اور انبیاء اولیاء کے مقابلہ میں اڑنے والے ہیں، دوڑنے والا اڑنے والے کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔“

انبیاء کا جسم اور اولیاء کا قلب:-

انبیاء کا جسم خاکی اپنی صفائی اور پاکیزگی اور قربِ خداوندی میں اولیاء کرام کے دل اور ان کے سر اور راز و نیاز کے برابر ہے، پس عظیم الشان فرشتے، اس شخص کے درمیان جس کے جسم کو وہاں لے جائیں، جہاں دوسرے کا

اسی طرح تصوف کے بعض حلقوں میں ایک مغالطہ پھیلا ہوا تھا کہ
شریعت کا لزومِ دوام شریعت کی پابندی اور پیروی کی ضرورت ایک خاص وقت اور ایک

خاص حد تک رہتی ہے۔ جب سالک مقامِ تحقیق اور مرتبہ یقین پر پہنچ جاتا ہے اور وصل باللہ ہو جاتا
ہے تو پھر وہ شریعت کی پابندیوں اور فرائض شرعی سے آزاد اور مستغنی ہو جاتا ہے، اس عقیدہ نے اچھی
خاص مقبولیت حاصل کر لی تھی اور بہت سے ملحد اور بے عمل صوفیوں اور جاہل مشائخ نے اس کے
ذریعہ بڑا فتنہ برپا کر رکھا تھا اور بعض حلقوں میں اس سے نہ صرف انتشار و بے عملی بلکہ الحاد و زندہ
پھیل رہا تھا، بعض پڑھے لکھے لوگ بھی اس عقیدہ کو ثابت کرنے کے لئے قرآن مجید کی مشہور
آیت ”واعبدوا ربکم حتیٰ یامینکم الیقین“ سے استدلال کرتے تھے اور کہتے تھے کہ عبادت
و اتباع شریعت کا سلسلہ اس وقت تک قائم رہنا چاہیے جب تک یقین حاصل ہو جائے، یقین
حاصل ہو گیا تو پھر تمام تکالیف شرعیہ ساقط ہو جاتی ہے، حضرت شیخ شرف الدین نے اس گمراہ
عقیدہ اور مغالطہ کی زبردست تردید کی، ان کے متعدد مکتوبات اس موضوع پر ہیں جن میں
انھوں نے پوری قوت اور جوش کے ساتھ یہ ثابت کیا کہ شریعت کی پابندی ہم دایمیں تک
رہتی ہے اور کسی حال اور کسی وقت میں نہ تکالیف شرعیہ اور فرائض دینیہ ساقط ہوتے ہیں
اور نہ کوئی انسان اس سے مستثنیٰ ہے۔

۱۰ مکتوب بستم

۱۱ اس آیت کی تفسیر کے لئے محققین کی تصنیفات (مستند تفاسیر ملاحظہ ہوں) مشہور تفسیر یہ ہے
کہ یقین سے مراد موت ہے۔ ۱۲

شریعت کی پابندی ہمیشہ ضروری ہے | ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

”برادر اعز شمس الدین کو معلوم ہو کہ شیطان کبھی کبھی صوفیوں اور اہل ریاضت پر یہ ظاہر کرتا ہے کہ ترکِ مصیبت کا مقصد یہ ہے کہ خواہشاتِ نفس شکستہ اور صفاتِ بشریت مغلوب ہو جائیں اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی یاد اُن پر غالب آجائے اور دل ظلماتِ بشریت سے ذکرِ الہی کے اثر سے صاف ہو جائے اور اسکے نتیجہ میں معرفتِ خداوندی کی حقیقت اس کو حاصل ہو جائے، شریعت کی پابندی کعبہ وصال تک پہنچنے کی ایک راہ ہے، جو شخص کعبہ وصال کو پہنچ گیا، اُس کو راستہ، توشے اور سواری کی اب کیا ضرورت ہے۔ پس شیطان اس گروہ کو یہ سمجھاتا ہے کہ اگر وہ نماز پڑھیں گے تو وہ اُن کیلئے حجاب ہو جائے گی، اسلئے کہ اُن کو وصول حاصل ہو چکا ہے، ایسے لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو دائمی مشاہدہ میں رہتے ہیں اور نماز کو عروج و سجود کا مقصد یہ ہے کہ غافلِ دل کو حضوری ہو جائے، ہم تو خود ایک لمحہ غافل نہیں ہوتے، عالم ملکوت کو آشکارا دیکھتے ہیں، انبیاء کے جوارِ مقدس میں رکھا جاتے ہیں، ہم کو ان عبادات اور فرائضِ شرعی کی کیا ضرورت ہے۔

درحقیقت یہ خود ابلیس کا حال اور اس کا واقعہ ہے اس نے اپنا کمال قرب دیکھا اور کہا کہ آدم کو سجدہ سے کیا حاصل، آدم اس سے کم ہیں، مجھے اس کا سجدہ کرنے سے کیا فائدہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا قصہ افسانہ کے طور پر نہیں بیان کیا ہے، وہ انہیں

لوگوں کی عبرت کے لئے بیان کیا جو اس مغالطہ شیطانی میں گرفتار ہیں، تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ کسی بھی مقرب کو شریعت کی فرمانبرداری سے چارہ نہیں، بزرگانِ دین نے جو یہ فرمایا ہے کہ شریعت کی پیروی حق تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ ہے، انھوں نے سچ فرمایا ہے۔

بقار شریعت کا راز:۔

شیطان نے یہاں ایک نکتہ اس گروہ کی نظر سے پوشیدہ رکھا ہے، اس نے یہاں درکرایا کہ شریعت کا مقصد صرف اتنا ہے کہ (حضورِ حاصل ہو جائے) لیکن یہ غلط ہے شریعت کا اسکے علاوہ بھی مقصد ہے، مثلاً پانچ وقت نمازیں ایسی ہیں جیسے کسی درجہ کمال میں پانچ کیلیں لگی ہوں، اگر کیلیں الگ ہو جائیں تو وہ درجہ کمال سے جدا ہو کر گر جائے جیسے خود ابلیس گر گیا، اگر کوئی کہے کہ یہ پانچ نمازیں کس طرح پانچ کیلوں کی طرح ہیں جن سے کمال کا یہ درجہ تھما ہوا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا پہچانا انسان کی طاقت میں نہیں، یہ درحقیقت ایسا ہی ہے جیسے اشیاء اور ادویہ کے خواص، عقل اس کی وجہ دریافت نہیں کر سکتی، جیسے سنگ مقناطیس لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ اس کا سبب کیا ہے۔

فرائض شرعی اور شریعت کے احکام کی پابندی میں کیا کیا حکمتیں ہیں | **ایک بلیغ مثال** | اور وہ انسان کے دین و ایمان اور اپنے خالق کے ساتھ تعلق کی اور منصبِ بندگی کی کس طرح حفاظت کرتے ہیں اور ان ہی زد سے کس طرح انسان کا دین ایمان

اور اس کا تعلق برباد ہو جاتا ہے اور وہ کس طرح نفس و شیطان کا شکار درجہ اعتبار سے ساقط اور راندہ درگاہ ہو جاتا ہے اس کی ایک بلیغ مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں :-

”اس کو ایسا سمجھو کہ ایک شخص نے ایک پہاڑ کی چوٹی پر محل تعمیر کیا، وہاں انواع و اقسام کی نعمتیں جمع کیں، جب اس کا اخیر وقت ہوا تو اس نے لڑکے کو وصیت کی کہ اس محل میں جو ترمیم و تصرف چاہنا کرنا، لیکن ایک خوشبودار گھاس کا ایک حصہ جو میں چھوڑ کر جا رہا ہوں وہ چاہے خشک ہو جائے اس کو باہر نہ کرنا۔ صیب پہاڑ کی چوٹی پر بہا آئی، تو پہاڑ و میدان سب سرسبز ہو گئے۔ بہت سی تازہ اور خوشبودار گھاس پیدا ہو گئی جو اس پرانی گھاس سے زیادہ تر و تازہ تھی، اس میں سے بہت سی گھاس اور پھول اس محل میں آئے جن کی خوشبو نے سارے محل کو معطر کر دیا، اور اسکے سامنے اس پرانی سوکھی ہوئی گھاس کی خوشبودب گئی، لڑکے نے سوچا کہ میرے والد نے یہ پرانی گھاس اس محل میں اسلئے رکھی تھی کہ اس کی خوشبو پھیلے اور یہ جگہ اس سے معطر ہو، اب یہ سوکھی گھاس کس کام آئے گی، اس نے حکم دیا کہ اس گھاس کو باہر پھینک دیا جائے، جس وقت محل اس گھاس سے خالی ہو گیا۔ ایک کالے سانپ نے سوناخ سے سر نکالا اور لڑکے کو ڈس لیا اور اس کا کام تمام ہو گیا، سبب اس کا — یہ تھا کہ اس گھاس کے دو فائدے تھے :- ایک یہ کہ وہ خوشبوئے اور دوسرے اس میں یہ خاصیت تھی کہ وہ جہاں ہوتی ہے سانپ اس کے قریب نہیں جاسکتا، گو یہ وہ سانپ کا تریاق تھی یہ خاصیت کسی کو معلوم نہیں تھی“

رہے کو اپنی ذہانت پر ناز تھا۔ وہ سمجھا کہ ہمیں کے معلومات کے دائرہ میں نہ ہو
 گویا کہ قدرتِ خداوندی کے خزانہ میں ہی موجود نہیں ہے۔ اس کو اس آیت کا مفہوم نہیں
 معلوم تھا: ”وَمَا أُوتِیْتُ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا“ وہ اپنی ذہانت کے غرہ میں مار گیا۔
 اسی طرح یہ صاحبِ کشف و کرامت گروہ اس مغالطہ کا شکار ہوا کہ شریعت کا جو راز
 ہم پر منکشف ہو گیا اور اس کی قیمتی حکمت انھوں نے سمجھی، اس کے علاوہ نہ کوئی راز ہے
 اور نہ کوئی حکمت، حالانکہ یہ ایک بڑی زبردست غلطی ہے، جو اس راہ
 کے سالکین کو کبھی کبھی پیش آتی ہے، اور بہت سے لوگ اس کا شکار ہو کر
 ہلاک ہو چکے ہیں، ان لوگوں نے راہِ شریعت کا ایک ہی مقصود سمجھا
 اور یہ نہیں سمجھے کہ اس میں دوسرے اسرار بھی ہیں، انھوں نے یہ بھی خیال
 نہیں کیا کہ اگر دوسری حکمتیں نہ ہوتیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو
 اتنی نمازوں کی کیا ضرورت تھی جس سے پائے مبارک میں درم آجاتا
 تھا، آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ اُمت پر واجب ہے پیغمبر پر نہیں۔

علماء و مشائخ کا ملین کا اُسوہ :-

وہ علماء و مشائخ و صوفی جو درجہ کمال پر پہنچے، انھوں نے سمجھا کہ شریعت
 کی پابندی میں ہر پابندی ایک سزا ہے جس سے آخرت کی سعادت مربوط اور
 وابستہ ہے، یہاں تک کہ ان بزرگوں نے اپنے دہم واپس تک آدابِ شریعت

میں سے ایک ادب بھی ترک نہیں کیا، یہاں تک کہ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ علیہ کو ایک خادم انتقال کے وقت وضو کرا رہا تھا، وہ وارطھی میں ضلال کرنا بھول گیا، آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا کہ وہ سنت بجالائے، لوگوں نے کہا کہ حضرت ایسے وقت میں اتنی بھی رخصت نہیں فرمایا۔ ہم خدا تک اسی کی برکت سے پہنچے ہیں، اہل کمال کا یہی شعار تھا اور فریب خوردہ لوگ جلدی دھوکہ میں آجاتے ہیں جس چیز کو وہ نہیں دیکھ سکے اور جو چیز ان کی سمجھ میں نہیں آتی وہ سمجھے اس کا وجود نہیں، فجر کی نماز دو رکعت ہے، ظہر کی چار رکعتیں، عصر کی نماز چار رکعتیں، مغرب کی تین، عشاء کی چار، پھر ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے ہیں، ان سب میں ایک ہر اور خاصیت ہے جن کا حصول کمال میں خاص دخل ہے اور انتقال کے وقت تک ان کی پابندی کرنے کا اثر ظاہر ہوتا ہے، اگر یہ نہ ہو تو پھر کوئی کمال مفید نہیں، اگر سالک ان کو چھوڑ دے گا اور دنیا سے چلا جائے گا، اپنے کو تباہ دیکھے گا، اُس وقت کہے گا کہ وہ میرا کمال کیا ہوا؟ جواب دیا جائے گا کہ کمال کے تختے میں کیلیں نہیں بھیتیں مرنے کے وقت وہ جڑ سے اکھڑ گیا، جیسے کہ ابلیس کے تمام کمالات ایک نافرمانی کی وجہ سے خاک میں مل گئے۔

حضرت شیخ شرف الدین اس بارہ میں اتنے راسخ الاعتقاد اور متشدد تھے کہ ایک مکتوب میں اس عقیدہ کی کہ شریعت کی پابندی خاص حالات مقامات پر ضروری نہیں (توفید

”وایں غلط است و مذہب ملحدان یہ غلط ہے اور ملحدین کا مذہب ہے جو کہتے ہیں
 آنست کہ گویند یکے بے دیگرے روا باشد ایک دوسرے کے بغیر روا ہے اور کہتے ہیں
 وگویند چوں حال حقیقت کشف گشت جب حقیقت تک رسائی ہو گئی اور کشف
 شریعت بر خیزد و لعنت بریں اعتقاد مشہور حاصل ہو گیا تو شریعت کا حکم اٹھ گیا،
 یاد و بریں مذہب لعنت ہے اس عقیدہ اور اس مذہب پر۔“

وہ تمام محققین صوفیہ کی طرح شد کے ساتھ اس بات کے قائل اور داعی ہیں کہ
شریعت کی شرط سلوک و طریقت شریعت کی پیروی اور پابندی کے بغیر ممکن نہیں۔ ایک
 مکتوب میں فرماتے ہیں :-

”جو شخص طریقت میں شریعت کا تابع نہیں ہوگا اس کو طریقت سے کوئی فائدہ
 حاصل نہیں ہوگا، یہ ملحدین کا مذہب ہے کہ ایک دوسرے کے بغیر جائز ہے، وہ
 کہتے ہیں کہ جب حقیقت منکشف ہو گئی شریعت کی ضرورت باقی نہیں رہی،
 خدا کی لعنت ہو اس عقیدہ پر، ظاہر بے باطن نفاق ہے، اور باطن بے ظاہر
 زندقہ، ظاہر شریعت بے باطن نقص ہے اور باطن بے ظاہر ہوس، ظاہر
 ہمیشہ باطن کے ساتھ پیوستہ ہے، ظاہر باطن کے ساتھ ایسا پیوستہ ہے کہ
 کوئی شخص اسکو علیحدہ نہیں کر سکتا۔“

حضرت مخدوم مکتوبات میں بڑے جوش و خروش اور بڑے

وثوق و یقین کیساتھ اس بات کی تبلیغ فرماتے ہیں کہ آنحضرت

اتباع محمدی سے چارہ نہیں

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو محبوب رب العالمین ہیں آپ کی پیروی کے بغیر نہ نجات ممکن ہے نہ حقیقت

تک رسائی نہ کمالات سعادت اخروی کا حصول۔ ایک مکتوب میں ”قل ان کنتم تحبون اللہ

فانتبعونی یحببکم اللہ“ کی تلقین و تفسیر کرتے ہوئے کسی پیشرو شاعر عارف کی اشعار جو خود

اُن کے دلی جذبات اور کیفیات کے ترجمان ہیں نقل کرتے ہیں۔ ۵

ادویل تو بس توره مجوئی اوزبان تو بس تعیادہ مگوئی

ہرچہ اوگفت نہ راز مطلقاں ہرچہ اوکرد ، کردہ حق اں

خاک اوباش بادشاہی کن آن اوباش ہرچہ خواہی کن

ہرکہ چوں خاک نیست بردارد گر فرشتہ است خاک بر سر او



سلسلہ فردوسیہ کی اشاعت اور اسکے بعض مرکز

حضرت مخدوم الملک کے بعد سلسلہ فردوسیہ نے کیا ترقی کی، اس کی تفصیل کسی کتاب میں مرتب طریقہ سے نظر سے نہیں گزری۔ آپ کے بعد مولانا مظفر ملکی (مدفون عدن) جانشین ہوئے اور بہار کی خانقاہ میں یہ سلسلہ جاری ہوا۔ اپنے دور میں مخدوم شاہ شعیب فردوسی بن مخدوم جلال مینری ابن عم مخدوم الملک نے شیخپورہ ضلع موگیر بہار میں خانقاہ قائم کی، آپ کے خاندان کے افراد سے اب تک یہ سلسلہ ہائے قائم ہے۔ مخدوم شاہ شعیب فردوسی کی ایک کتاب بزرگان فردوسیہ کے حالات میں "مناقب الاصفیاء" ہے جو طبع ہو چکی ہے اور اس کتاب میں اس سے خاص مدد لی گئی ہے۔ مخدوم الملک کے بعد شیر میں سلسلہ فردوسیہ نے ترقی کی جن میں آپ کے خاندان کے مخدوم شاہ دولت مینری متوفی ۱۳۸۵ھ مشہور بزرگ گذرے۔ آپ کے ایک مرید و خلیفہ امان اللہ صدیقی عاصی سندیلہ یوپی سے سلسلہ جاری ہوا۔ تقریباً سوین صدی میں متوجہ ضلع پٹنہ میں فردوسیہ سلسلے کی ایک خانقاہ قائم ہوئی اور اب تک سلسلہ جاری ہے۔ صوبہ بہار میں کوئی خانقاہ ایسی نہیں جہاں یہ سلسلہ نہیں ہے اور جہاں بھی یہ سلسلہ ہے مخدوم الملک کی ذات سے ہے۔ محلہ شمار بھٹکل "میسور اسٹیٹ" میں بھی اس سلسلہ کی خانقاہ ہے۔

حضرت مخدوم صاحب کے بعض دوسرے اور مہندی فقرے :-

بہار اور اس کے اطراف میں حضرت مخدوم صاحب کے بہت سے دوسرے اور مہندی

فقرے زبان زد عوام ہیں — جیسے : —

شرقا بھٹکا مت پھرے اور چیت کرے آداس : سائیں بسے ریں کہ جیوں بھولن میں باس

شرفا گورڈ راؤنی اور نس اندھیاری تا : دکان کوئی پوچھے کہ کون توہاری ذات
جہہ گتا در در پھرے در در دُر ہوئے : ایک در کو تمام لے کہے نہ در در کوئے
مولانا سید سلیمان ندویؒ ”نقوش سلیمانی“ میں لکھتے ہیں :-

”حضرت شیخ شرف الدین احمد مینری کے بہت سے ہندی دودھے ہیں جن میں بعض ہمارے

کی مجرب دوائیں بتائی گئی ہیں مثلاً :-

لودھ پٹھری مردانگ : ہلدی زیر ایک ایک ٹنگ

افیون چنا بھر، مرچیں چار : ارد بھر تھو تھا اس میں ڈار

پرست کے پانی پوٹلی کرے : نیمنا پیرا پل میں، کرے

ہمارے وطن (السنہ ضلع پٹنہ) کے کتب خانہ، علاج میں ایک فالنامہ کے دو صفحے پڑانے کا غد

کے ہیں جن میں اسی زبان میں مختلف اعداد کے جوابات بتائے گئے ہیں، اور اسکے مترامہ پر اس فالنامہ کی
نسبت حضرت مخدوم صاحبؒ کی طرف کی گئی ہو، اس میں کل ستائیس فقرے ہیں جن پر سے بعض یہ ہیں :-

۱۱۱ - جو من کی نفس کیا ہوئی سو ہوئی -

۱۱۳ - ناہیں کچھ کر دھیب لاگی بات ہے -

۱۱۴ - ابھیں ناہیں -

۱۱۵ - ابھیں نہیں ناہیں، سوت رہو جائے -

۱۱۶ - راج پاٹ اچل کے دیا تمکون -

۱۱۷ - ابھیں ناہیں آگو ہو پگا -

۱۱۸ - تورے دن کے اب سکھ سو جتا ناہیں -

۱۱۹ - انا دہ مولوی مراد اللہ صاحب مینری ندوی - ۱۲ ”نقوش سلیمانی“ از مولانا سید سلیمان ندوی ص ۳۴ و ص ۳۵

اِشَارِیۃ

(انڈکس)

مُسْتَقْبَلًا
شاہ محمد شبیر عطاء ندوی

اعلام

الف

۲۲۶ ابن الیمین

۲۳ (خواجہ) ابوالاحمد چشتی

۲۴، ۲۳ (خواجہ) ابوالسحاق چشتی

۱۵۰ (خواجہ) ابوبکر

۲۳۸ (مولانا) ابوالحسن (خلیفہ مخدوم الملک)

۱۸ (مولانا) ابوالحسن علی ندوی

۳۱ (مولانا) ابوحفص ادشی

۲۴۱ ابوحیان قنجدی

۱۴۰، ۱۱۴ (خواجہ) ابوسعید ابوالخیر

۲۴۲، ۳۰ ابوالفضل

۲۳۸ (مولانا) ابوالقاسم

۳۱ (فقیہ) ابواللیث سمرقندی

۲۳ (خواجہ) ابومحمد چشتی

۲۳ (خواجہ ناصر الدین) ابویوسف

۲۳۹، ۲۲۸، ۲۲۶ (مولانا) احمد امون

۴۸ (حضرت مخدوم) احمد عید الحق ردولوی

۵۲ احمد بن علی (پدر حضرت محبوب الہی)

۱۴۱، ۱۵۱ شیخ احمد تھانیسری

۲۳۸ (خواجہ) احمد (مرید مخدوم الملک)

۲۵۱ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

۲۰۱ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام

۳۰، ۴۲، ۲۴۱، ۲۵۱

۱۸۹ حضرت سید آدم بتوری

۲۳۸ (مولانا) آدم حافظ

۲۹ (مولانا) آزاد

۱۴۴ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

۲۴۲، ۲۵۱

۱۴۱، ۱۶۵ سلطان) ابراہیم شرقی

ابراہیم توام (مصنف شرف نامہ)

۲۳۰، ۲۲۶ (مولانا) ابراہیم

۲۴۲، ۲۴۱ ابن جوزی

۱۸۹ ابن حجر مکی

۲۴۱ ابن خلدون

۲۴۱ ابن شداد

۲۴۱ ابن عربی (شیخ محی الدین)

۲۴۱ ابن عمید

۲۴۱ ابن قیم

احمد سفید بان (مرید مخدوم الملک)	۲۳۹	حضرت حاجی (دادا اللہ مہاجر کی)	۱۵۳، ۴۹
رسید (احمد الحکیم حسینی)	۱۵۳	امین خاں (مکتوب الیہ حضرت مخدوم الملک)	۲۴۷
حضرت سید (احمد شہید)	۱۸۹	انڈیا ل	۲۵
(مولانا خواجہ) احمد نصیر آبادی	۱۸۹	(مولانا) اوحید الدین	۲۳۹
انجی سراج (مولانا سراج الدین عثمان اودھی)	۱۱۱	(خواہر زادہ شیخ نجیب الدین فردوسی)	
۱۷۱، ۱۵۲، ۱۵۰		(خواجہ) ادیس قرنی رضی اللہ عنہ	۲۰۶
ازملڈ	۱۶۷	ایشوری پرشاد	۲۶
(راجہ) اردنا	۲۵	ب	
اسعد لاہوری (والد حضرت شیخ علا الحق پٹوی)	۱۵۱	بارک (مخدوم الملک کی پوتی)	۲۳۷
شیخ احمد تھانگیری	۱۵۱	(خواجہ) بانزید بسطامی	۳۰۲، ۱۳۶
(حضرت سید) اشرف جہانگیر سمنانی	۱۶۵، ۱۵۲	ڈاکٹر بچپن سہلٹن	۱۹۸
۲۳۷، ۲۳۶، ۱۷۲		مولانا بدر الدین اسحاق	۴۶، ۴۴، ۴۰
(حکیم الامت مولانا) اشرف علی تھانوی	۴۹	۱۲۳، ۷۳، ۶۳، ۷۱	
خواجہ اقبال	۱۳۱	شیخ بدر الدین غزنوی	۴۳
اقبال خادم	۹۹، ۹۵	(خواجہ) بدر الدین سمرقندی	۱۹۳، ۱۹۲، ۱۹۱، ۱۹۰
اقبال	۲۸۱، ۱۶۶	(قاضی) بدر الدین ظفر آباد	۲۳۹
(مولوی) اقبال احمد اعظمی	۱۸	(مولانا) برہان الدین باقی	۵۶
(سلطان شمس الدین) المتمش	۳۲، ۳۱	در شیخ برہان الدین غریب	۱۶۳، ۱۶۲، ۱۵۲
۱۸۹، ۱۸۰، ۵۳، ۳۴، ۳۳		برہما	۲۶
(حضرت مولانا محمد) الیاس کاندھلوی	۴۹	بغراخان	۷۵
امام اعظم	۱۱۵، ۹۲، ۸۹	(غیاث الدین) بلین	۸۲، ۷۵، ۵۵، ۴۱، ۴۰
مولانا امام الدین	۲۳۷	۲۳۸، ۱۸، ۱۶۶	
امان اللہ صدیقی	۳۱۱	بلعم باغور	۲۶۰

۱۸۴	شیخ ابو علی قلندر	۴۶، ۳۸	شیخ جمال الدین خطیب ہانسوی
۱۵۰	مولانا بہار الدین ادھی	۱۵۶، ۶۷	
۱۸۸	مولانا بہار الدین	۱۸۸	شیخ جمال الدین میکی
	ت	۱۷۱	مولانا جمال اولیا چشتی
۱۹۵	امیر کبیر تارا خان	۳۰۸، ۲۸۸، ۱۴۶، ۹۱	حضرت جنید
۲۳۸	امام تاج الدین (مرید مخدوم الملک)	۱۰۵	جھجو
۱۵۰	خواجہ تاج الدین داوری	۱۷۲	ملا جیون
۱۷۸، ۱۷۷	مولانا محمد تاج فقہیہ	۲۳	جی، بی، اسٹریٹ
۲۳۸، ۲۲۸	مولانا تقی الدین ادھی	۲۵	جے چند
	ج		
۲۳	مولانا جامی		حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی
۱۷۸	شیخ شہاب الدین جگ جوت	۱۰۹، ۱۰۵، ۹۸، ۸۸، ۷۷، ۵۰، ۴۹	
۵۲، ۵۳	شیخ جلال الدین تبریزی	۱۶۲، ۱۶۱، ۱۵۹، ۱۵۲، ۱۵۱، ۱۴۸	
	شیخ جلال الدین حسین بخاری معروف بہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت	۲۰۰، ۱۷۱	
۱۵۱		۱۷۸	شیخ احمد چرم پوش
۱۵۰، ۱۳۸، ۹۱	مولانا جلال الدین	۱۲۶	مولانا رکن الدین چغر
۲۳۹	خواجہ حافظ جلال الدین	۱۵۹، ۱۵۸	چنگیز خاں
	سید جلال الدین (خواجہ زادہ شیخ نجیب الدین)		ح
۳۳۹		۱۲۱	امیر حاجی (فرزند امیر خسرو)
۸۳، ۸۲	سلطان جلال الدین خلجی	۱۷۹	شیخ حبیب الدین (برادر مخدوم الملک)
۳۱۱	مخدوم جلال منیری	۲۴۱	حریری
۱۷۱	شیخ حبیب الدین (برادر مخدوم الملک)		حضرت شیخ حسام الدین حسام الحق مانکپوری
۲۳۵، ۲۳۴، ۲۲۶، ۱۸۵، ۱۸۴		۱۵۳، ۱۵۲	

۲۲۶، ۲۲۵، ۲۲۴، ۲۰۳	زین بدر عربی	۴۹	(حضرت مولانا) رشید احمد گنگوہی
۲۲۵، ۲۳۸، ۲۳۶، ۲۳۱		۱۴۲، ۱۵۳	(حضرت علامہ) محمد رشید جونپوری
س		۲۳۸	(مولانا) رفیع الدین (مرید مخدوم الملک)
۱۵۰	خواجہ سالار	۱۸۴	شیخ رضی الدین علی لاندہ
۱۶۲، ۱۶۰	سراج عقیق	۱۲۲، ۱۰۱، ۴۲	شیخ رکن الدین ابوالفتح
۷۱	سراج بقال	۱۹۳، ۱۹۰	حضرت شیخ رکن الدین فردوسی
۳۸	سرہنگا	۲۳۹، ۲۳۲	حاجی رکن الدین
۷۵	سر سید	۱۹۴	(مولانا) جلال الدین، رومی
۷۱	سعد کاغذی	ز	
۱۸۴	شیخ سعد الدین حموی	۲۴۷، ۲۳۴، ۲۲۷، ۱۲۴، ۱۹۸	(قاضی) زکریا
۱۵۳	شیخ سعد الدین خیر آبادی	۱۷۷	(حضرت) زبیر بن عبد المطلب
۲۱۴، ۱۲۴، ۱۲۱	شیخ سعدی	۱۲۹، ۹۸، ۹۰	(مولانا) فخر الدین زراوی
۲۳۳	سلطان شاہ	۲۰۰، ۱۶۰، ۱۵۹، ۱۴۹	
۴۶، ۴۵	شیخ بدر الدین سلیمان	۲۵۱	(حضرت) زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام
۱۵۱	خواجہ سلیمان تونسوی	۱۵	(شیخ الاسلام بہاء الدین) زکریا ملتانی
۲۴۷، ۲۳۸	شیخ سلیمان (مرید مخدوم الملک)	۱۹۱، ۱۶۷، ۱۰۱، ۹۱، ۵۳، ۴۱	
۳۱۲	مولانا سید سلیمان ندوی	۲۳۹	زکریا غریب (مرید مخدوم الملک)
۲۶۷	حکیم سنائی		(شیخ الحدیث مولانا) محمد زکریا صاحب کاندھلوی
۲۵	سومیشور	۴۹	
۶۲	شیخ الشیوخ شہاب الدین) سہروردی	۱۲۷	علامہ زمر محشری
۱۸۶، ۱۷۸، ۱۴۰		۲۳۹	مولانا زین الدین (مرید مخدوم الملک)
	(خواجہ قسار الدین ابوالنجیب) سہروردی	۱۶۲، ۱۵۳	شیخ زین الدین
۱۹۰، ۱۸۶		۱۶۴	

۲۳۹	شیخ شعیب	۱۹۰۱۸۸۱۱۳۰	خواجہ سلیف الدین باخرزی
۵۳	مولوی محمد شفیع صاحب	ش	
۴۷	شیخ شمس الدین ترک پانی پتی	۷۲	شادی گللابی
۵۵	مولانا شمس الدین خوارزمی رستونی الماکم	۹۳	امام شافعی
۱۲۶۱۵۶		۲۳۸	شاہ بیگہ
۲۰۱۷۱۷۱۵۹۱۴۹۱۸۱	مولانا شمس الدین محبی	۱۵۳	شاہ پیر محمد سلونی
۱۰۰۹۹	مولانا شمس الدین	۱۷۲۱۵۳	شاہ پیر محمد لکھنوی
۱۵۰	خواجہ شمس الدین	۱۸	شاہ شبیر عطا
۲۳۵۲۲۷۲۲۶	قاضی شمس الدین	۱۵۳	شاہ عالم گجراتی
۲۲۷۲۲۵		۹۱	(حضرت) شبلی
۷۲	شمس الدین شرابدار		مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد بن محیی منیری
۲۳۸	شمس الدین خوارزمی	۱۹۶۱۹۲۱۷۸۱۷۵۱۸۱۷۱۶	
۳۰۴۳۰۰	شمس الدین	۲۲۵۲۲۲۲۳۹۲۲۵۲۲۲	
۱۷۱	ملک العلماء شیخ شہاب الدین دولت آبادی	۲۹۸۲۹۵۲۸۴۲۸۳۲۷۸۳۲۷	
۴۵	شیخ شہاب الدین (فرزند حضرت گنج شکر)	۳۱۲۳۰۸۳۰۳۲۹۹	
۹۱	مولانا شہاب الدین ملتانوی	۱۸۱۱۸۰	مولانا شرف الدین ابوتوامہ
۱۵۰	مولانا شہاب الدین (خلیفہ مخدوم الملک)	۱۱۰۱۰۹	خواجہ شرف الدین
۲۳۲۲۳۱۲۲۶	مولانا شہاب الدین	۱۵۰	قاضی شرف الدین
۲۳۸	مولانا شہاب الدین ناگوری	۲۳۸	قاضی شرف الدین (مرید مخدوم الملک)
۲۳۳	امیر شہاب الدین	۲۳	حاجی شریف زہدنی
۲۳۷	شہاب الدین علوی طوسی	۴۵	بی بی شریفہ
۲۳۹	سید شہاب الدین (مرید مخدوم الملک)	۳۱۱۱۸۱	مخدوم شاہ شعیب فردوسی
۱۸۰	شیر شاہ	۳۷	قاضی شعیب

۲۲۱	خواجہ عابد ظفر آبادی	ص	
۴۷، ۴۶	شیخ عارف	۲۴۱	ابو اسحاق السبائی
۱۹۵	مولانا عالم	۲۴۱	الصاحب ابن عباد
۲۳۳، ۲۳۲	قاضی عالم احمد	۱۴۱	سید صلیح الدین عبد الرحمن ایم۔ ۷۱
۲۴۲	عالمیگر	۲۳۸	قاضی صدر الدین
۱۲۷، ۴۷	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۲۴۷	مولانا صدر الدین
۲۴۱	عبد الحمید الطائب	۱۲۶، ۵۷	علامہ صنعانی
۱۸۹، ۱۷، ۱۵	مولانا حکیم سید عبدالحق صاحب	ض	
۴۹	حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم رائے پوری	۲۰۰	مولوی سید ضمیر الدین صاحب
۹۶	خواجہ عبد الرحیم	۱۴۱، ۱۳۹، ۹۲، ۸۵، ۸۴، ۲۱	ضیا بھرنی
۱۵۳	شیخ عبد الصمد عرف صفی الدین صفی پوری	۱۵۸، ۱۵۰	
۱۸۱	شیخ عبد الغزیز	۲۴۷	مولانا ضیاء الدین
۱۳۵	حضرت شیخ عبد القادر جیلانی	ط	
۴۹، ۱۱	حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری	۸۷	طباطبائی
۱۵۳، ۴۹	حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی	۱۶۲	ملک طغی
۱۵۳	حضرت شیخ عبد الکریم مانکپڑی	۲۳۷	طہرا
۲۵۳	عبد اللہ بن ابی کعب	۱۵۳	شیخ طیب بنارس
۱۷۱، ۱۵۱	شیخ عبد المقتدر کندی	ظ	
۲۳	حضرت خواجہ عثمان بارونی	۲۴۲	ظہوری
۵۲	خواجہ عرب	۲۳۴	مفتی سید ظہیر الدین
۳۲	ملک عزیز الدین	۲۳۳، ۲۳۲	سید ظہیر الدین
۱۰۷	خواجہ عطاء اللہ	ع	
۲۷۹، ۲۶۷، ۱۹۳، ۱۸۸	خواجہ فرید الدین عطار	۳۰۱	حضرت عائشہ رضی

۱۹	شیخ عماد الدین دہلوی	۲۳۵، ۱۲۳، ۱۲۲، ۹۰، ۲۲۶	عقیق
۱۵۳	خواجہ عماد الدین قلندر	۸۲، ۸۳، ۶۹، ۱۰	سلطان عماد الدین خلجی
۱۵	نور الدین محمد عوفی	۱۲۵، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۳۱، ۱۲۱، ۸۶، ۸۵	
۱۹۳	عین القضاہ ہمدانی	۱۵۵	
[ع]		حضرت شیخ عماد الدین صابری	۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱
		۲۸۹، ۲۸۱	۲- امام غزالی
۱۵۰	۱- (مولانا برہان الدین) غریب	۵۳	شیخ عماد الدین ابودستی
۱۶۵	غلام حسین	۱۳۹	مولانا عماد الدین اصولی
۹۳، ۸۹، ۸۸، ۷۰	سلطان غیاث الدین بعلق	۶۳، ۵۰، ۱۶۵، ۱۵۱	شیخ عماد الدین عماد الحق پندوی
۳۰۰، ۱۲۷	املاک غازی	۱۸۹	شیخ عماد الدین ممناقی
۲۲۲	سلطان غیاث الدین شاہ بنکال	۱۸۹	شیخ عماد الدین جمیوری
۱۷۱	میر غیاث الدین شیرازی	۱۸۹	حضرت شاہ علم اللہ نقشبندی بریلوی
[ف]		۹۱	مولانا علم الدین
		۱۷۲	قاضی علیم اللہ
۳۰۱	حضرت فاطمہ	۲۳۷	شیخ علیم الدین
۴۵	بنی فاطمہ	۱۷۲	مولانا علی اصغر قزوینی
۲۳۲	فتوح بادری	۵۳، ۵۲	خواجہ علی
۹۲، ۹۰	مولانا فخر الدین زراوی	۱۸۹	امیر سید علی ہمدانی
۱۵۰	مولانا فخر الدین مروزی	۳۵	شیخ علی
۱۵۰	مولانا فخر الدین میرٹھی	۲۶، ۲۵، ۳	امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی
۱۵۱	مولانا فخر الدین دہلوی	۱۳۶	سیدنا عمر بن عبد العزیز
۹۱، ۹۰، ۸۹	رشیخ زادہ حسام الدین) فرجام	۲۲۸	شیخ عمر مرید محمد دم الملک
۴۰، ۳۱	حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر	۲۳۹	عماد الحق
۵۸، ۵۵، ۵۴، ۴۸، ۴۶، ۴۲، ۴۱			

۸۹-۸۶	سلطان قطب الدین (مبارک شاہ)	۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱
۱۸۹، ۵۳	قطب الدین ایبک	۱۲۲، ۱۱۳، ۱۰۲، ۸۲، ۷۴، ۷۳، ۶۸
۱۵۳	قطب عالم عبداللہ الحسینی	۱۷۱، ۱۶۷، ۱۶۳، ۱۶۰، ۱۵۸، ۱۵۷، ۱۵۶
۲۳۸	مولانا قمر الدین	۲۳۸، ۲۳۳
۱۲۰	امیر قریبک	۱۵۰، ۱۰۴
	ک	
۱۱۶	مولانا کاشانی	۲۳۸، ۲۳۶، ۱۵۵، ۱۵۴، ۱۵۳، ۱۵۲، ۱۵۱، ۱۴۶، ۱۴۵، ۱۴۴، ۱۴۳، ۱۴۲، ۱۴۱، ۱۴۰، ۱۳۹، ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۵، ۱۳۴، ۱۳۳، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۳۰، ۱۲۹، ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۶، ۱۲۵، ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱
۸۴	ملک کافور	۲۱۵، ۲۰۱
۲۳۸	مولانا کریم الدین	۲۵۳، ۲۲۱
۱۵۰	خواجہ کریم الدین سمرقندی	۲۳۷، ۲۲۱
۶۳	حضرت کعب بن مالک	
	ق	
۱۷۲، ۱۷۱، ۱۶۹، ۱۵۱	شاہ حکیم اللہ جہاں آبادی	۴۶۹
۱۵۱	علامہ کمال الدین	۹۳
۱۵۳	شیخ کمال الدین ناگوری	۲۳۹، ۲۳۲
۱۵۳	شیخ کمال الدین مالوی	۲۳۱
۲۲۷	مولانا کمال الدین سنشوی	۷۴
۱۸۴	بابا کمال الدین جفیدی	۸۵، ۸۴
۱۶۵	راجہ کنس	۳۸-۳۰
۱۹۸	بزرگ گنگھم	۱۹۲، ۱۹۰، ۱۸۴، ۷۳، ۴۳
۸۲، ۷۵	معز الدین کیقباد	۱۸۹
	گ	
۱۷۱	علامہ گازرونی	۱۹۰، ۱۵۹
	گنج شکر (دیکھئے حضرت خواجہ فرید الدین)	۲۳۸ (مرید مخدوم الملک)
		۲۲۷

۲۲۴	صوفی محمد حسین صاحب	۱۹	گوتم بدھ
۱۶۳، ۱۶۲	سلطان محمد شاه بهمنی	۱۵۱، ۱۳۱، ۱۲	حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز
۱۲۷	علامہ محمد طاہر فتنی	ل	
۵۲، ۲۷، ۲۴، ۲۲	شہاب الدین محمد غوری	۱۷۲	مولانا لطف اللہ کوروی
۱۷۹، ۱۷۷		۲۳۹	مولانا لطف الدین
۱۷۲	سید محمد کالیوی	م	
۱۵۳، ۱۰۴	حضرت شاہ محمد یلینا		(شیخ محمد بن احمد) الماریکی مشہور بہ
۷۲	محمد میوہ فروش	۱۲۶، ۵۷	کمال الدین زاہد
۲۴، ۲۲	سلطان محمود غزنوی	۱۰۰	اخئی مبارک
۴۹	شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب	۱۵۰	شیخ مبارک گوپاموی
۲۳۴	مولانا محمود صوفی	۷۱، ۷۰، ۵۰	نور الدین مبارک
۱۵۰، ۹۲، ۹۰	مولانا محی الدین کاشانی	۱۸۴	شیخ محی الدین بغدادی
۱۵۶	مخلص الملک	۲۱۵، ۲۰۱، ۲۰۰، ۱۹۹	مجد الملک
۳۱۲، ۳۱۱، ۱۸	مولوی مراد اللہ صاحب	۱۵۳	آج العارفین شاہ مجیب اللہ قادری
۱۲۶، ۵۷	علامہ برہان الدین مرغینانی	۳۰۰، ۲۷۲	حضرت موسیٰ علیہ السلام
۱۸۹	شیخ شرف الدین المرقوقانی	۳۰۱	حضرت مریم علیہا السلام
۴۵	بی بی مستورہ	۴۹	حضرت شیخ محب اللہ آبادی
۱۸	مولوی سید شرف علی ندوی	۱۲۳، ۴۷	خواجہ محمد امام
۳۱۱، ۲۳۸، ۲۲۹، ۲۲۲	مولانا مظفر بلخی	۲۱	محمد بن قاسم ثقفی
۲۳۹، ۲۳۲	خواجہ معز الدین	۱۰۰، ۹۳، ۴۶، ۴۵	(سلطان) محمد تغلق
۲۲، ۱۵	حضرت خواجہ معین الدین چشتی	۱۶۲، ۱۰۸، ۱۰۶	
۴۴، ۳۶، ۳۴، ۳۲، ۳۰، ۲۷، ۲۶		۱۸۹، ۱۳۰	امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی
۱۹۲، ۱۶۶، ۱۲۲، ۸۲		۲۸۵، ۲۸۳، ۲۴۲، ۲۰۴	

۲۰۵، ۱۸۹، ۱۸۴، ۱۸۶	خواجہ نجم الدین کبریٰ	۱۵۳	شاہ معین الدین کرخوی
۱۸	مولانا سید نجم الہدیٰ ندوی	۱۵۳	مولانا مفتی اذین
۱۸۵، ۱۸۲	شیخ نجیب الدین فردوسی	۸۵، ۸۴	قاضی مفتی الدین بیانی
۲۳۴، ۱۹۴، ۱۹۳		۲۳۱، ۲۲۶	خواجہ ملک
۶۳، ۶۳، ۶۰، ۵۹	شیخ نجیب الدین متوکل	۶۸، ۶۳، ۱۷	مولانا مناظر احسن گیلانی
۱۰۷		۱۲۲، ۷۹	
۴۵	شیخ نصر الدین	۶۷	قاضی منتخب
۲۴۷، ۲۳۸، ۲۲۹	مولانا نصیر الدین جونپوری	۲۳۵، ۲۳۳	منور
۱۵، ۱۲	حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء	۱۴۹، ۹۸، ۳۶	شیخ قطب الدین منور
۴۵، ۴۴، ۴۲، ۴۰، ۳۹، ۳۶، ۱۷		۲۰، ۱۵۸، ۱۵۷، ۱۵۶	
۶۳، ۶۱، ۵۷، ۵۳، ۵۲، ۵۰، ۴۸		۲۵، ۱۵	قاضی مہناج الدین جوزجانی
۱۴، ۹۸، ۹۷، ۸۹، ۸۲، ۷۳، ۶۸، ۶۵		۳۷	مولانا مہناج الدین ترمذی
۱۳۳، ۱۳۲، ۱۳۵، ۱۳۱، ۱۲۲، ۱۰۹		۲۳	خواجہ قطب الدین مودود
۱۷۰، ۱۶۸، ۱۶۷، ۱۵۸، ۱۵۲، ۱۴۶		۱۲۳، ۳۷	خواجہ محمد موسیٰ
۲۰۰، ۱۹۹، ۱۹۴، ۱۹۳، ۱۸۵، ۱۸۴		۲۶۷، ۱۰۳	مولانا روم
۲۳۹، ۲۳۸		۱۵۵، ۱۵۰	خواجہ موید الدین کردی
۴۵	خواجہ نظام الدین	۱۵۰	خواجہ موید الدین انصاری
۱۵۰	مولانا نظام الدین شیرازی	۲۳۰	قاضی مینا
۱۶۹	شیخ نظام الدین اورنگ آبادی		ن
۱۷۲	ملا نظام الدین	۱۶۹، ۵۵، ۴۰	سلطان ناصر الدین محمود
۲۳۰	مولانا نظام الدین کوہی	۵۶	مولانا قطب الدین ناقلہ
۲۳۳	مولانا نظام الدین	۱۸۸	شیخ نجم الدین رازی
۲۳۳	مولانا نظام الدین مفتی	۱۹۲، ۱۵۱، ۳۲	شیخ نجم الدین صفری

۱۵۱	شاه نیاز احمد بریلوی	مولانا نظام الدین (خال زادہ مخدوم الملک)	۲۳۹
	۹		
۱۵۰	شیخ وحید الدین پٹمی	مولانا نظام مولی بہاری	۲۰۱/۱۹۹
۱۵۳	شیخ وحید الدین یوسف	حاجی نظام غریب	۲۳۶
۲۳۹/۲۳۷	سید وحید الدین رضوی	نعمت خان عالی	۲۳۲
۹۰۷۸۹	قاضی جلال الدین الودو الجی	حضرت خواجہ نقشبند	۲۰۵
۲۳۲	حضرت شاہ ولی اللہ	حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام	۲۵۱
۲۵	ولیل دیو	مولانا نور ترک	۳۸
	۸		
۲۳۵۷۲۳۱/۲۳۹/۲۲۸/۲۲۶	ہلال	صاحبزادہ نور الدین	۱۵۷
۱۹۷	ڈاکٹر منٹر	قاضی نور الدین	۲۳۵/۲۳۰
		حضرت نور قطب عالم	۱۷۲/۱۶۵/۱۵۲
۱۹۸	ہیون سانگ	خواجہ نور محمد	۱۵۱

کتابیات

الف

آثار الصنادید

آئین اکبری

اجمیر گزشتیر

اجوبہ

احسن التقاسیم

احیاء العلوم

اخبار الاخبار

ارشاد السالکین

ارشاد الطالبین

ازالۃ الخفا

افضل القوائد

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام

انیس الغربا

ب

بحر المعانی

بزم صوفیہ

ت

تاریخ دعوت و غریمت

تاریخ فرشتہ ۱۲۶، ۱۳۲، ۱۳۸، ۱۴۳، ۱۴۹، ۱۵۰

۷۵ تاریخ فیروز شاہی (ضیاء ربیعی ۵۵۲، ۲۱، ۲۰)

۳۰ ۱۳۹، ۱۴۱، ۱۴۶، ۱۴۷

۲۶ تاریخ فیروز شاہی (سراج محفیف) ۱۵۱، ۱۶۰

۲۳۹ تاریخ مشائخ چشت ۱۵۱، ۱۵۶، ۲۹

۲۴ رسالہ تبصرہ ۱۸۷

۲۸۹، ۱۳۶ تحفہ شاعرشیرہ ۲۲۲

۳۶، ۳۱، ۳۲ تحفہ غیبی ۲۳۹

۲۳۹ ترجمہ احیاء العلوم ۱۳۶

۲۳۹ تذکرۃ الرشید ۱۵۳

۲۲۲ تذکرۃ العاشقین ۶۶، ۴۵

۱۲ تغلق نامہ ۸۸

۵۳ تمہید البوشکور سالمی ۶۲

ث

۱۳۷ الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند

ج

۲۴ جغرافیۃ خلافت مشرقی

۱۳۱، ۷۳، ۱۲ جوامع الکلم

ح

۱۳۱، ۹۲ حسرت نامہ

ل	عوارف المعارف ۱۸۶۱/۱۳۹۶۲
۱۵ باب الالباب ۲۳۴/۲۳۶ لطائف اشرفی ۲۳۹ لطائف المعانی ۱۳۶ نواح حضرت قاضی حمید الدین ناگوری	ف ۱۹۵ فتادی تاتارخانی ۱۴۸ فرہنگ ابراہیمی ۲۳۹ فوائد رکنی
م	فوائد الفوائد ۵۶/۵۵/۵۳/۵۰/۱۴/۱۲ ۴۰۰/۶۹/۶۶/۶۳/۶۲/۶۰/۵۸ ۱۰۹/۱۰۶/۱۰۴/۷۸/۷۳/۷۰/۶۳ ۱۲۸/۱۲۷/۱۲۵/۱۲۲/۱۱۳/۱۱۳ ۱۶۷/۱۳۶/۱۳۴/۱۳۲/۱۳۰ ۱۶۸
۲۹/۲۷ آثار الکرام ۶۶/۴۵ منجز الوصلین ۲۳۲ المدش ۱۳۶ مرصاد العباد ۱۴۷/۵۷ مشارق الانوار ۱۳۷ مشکوة	فوائد مریدین ق ۱۳۶ قوت القلوب
۲۲۹/۲۰۳/۱۴۹ معدن المعانی ۱۴۹ مفتاح اللغات ۱۲۶ مفصل ۵۷ مقامات حمیری	ک ۱۲۶ کشاف ۱۳۶ کشف المحجوب ۲۳۹ کنز المعانی
۲۳۵ مکتوبات سہ صدی ۲۳۵ مکتوبات صدی ۲۳۵ مکتوبات شیخ شرف الدین کیمی منیری ۱۳۶ مکتوبات علین القضاء ۱۶۹ مکتوبات کلیسی	گ ۱۵ گل رعنا ۱۹۳ گل فردوس ۲۳۹/۲۱۵ گنج لایحفی

	ت	۵۲، ۳۴، ۳۶، ۱۹	بنداد
۲۶	تراش	۱۵۴، ۱۵۶	بنسی
۱۴۳، ۱۵۸، ۲۰	ترکستان	۲۳۴، ۲۲۱، ۱۴۹، ۱۶۵، ۵۲، ۱۲۹	بنگال
۲۶	تلونڈی	۲۳۴	بہار شریف
۸۳	تلنگانہ	۲۰۰، ۱۹۹، ۱۸۰، ۱۴۹، ۱۴۴، ۱۵۲	بہار
۲۶	تھانیسر	۳۱۱، ۲۳۸	
	ٹ	۱۹۴	بہیا
۱۶۲	ٹیلہ	۲۵۵، ۱۴۴	بیت المقدس
۱-۲	ٹیلہ والی مسجد		
	ج	۱۶۴، ۳۵، ۳۹	پاک پٹن
۸۶	جامع میری	۳۹	پاکستان
۱۵۳	جون پور	۱۸۲	پانی پت
۱۴۸	جھٹلی	۲۳۵، ۱۴۸	پٹنہ
	چ	۴۳	پٹیالی
۲۲۵	چوسہ	۲۶	پشکر
۷۱	چیمپروالی مسجد	۱۶۴	پنجاب
	ح	۱۴۱، ۱۶۹، ۱۶۵، ۱۵۶، ۱۲۹	پندرہ
۲۶۵	حبش	۱۴۲	
۱۰۵	حصار اندریت	۱۸	پنیا
۷۵	حوضی رانی	۱۶۳	پلوٹا
	خ	۱۵۳	پھلواری شریف
۱۴۸، ۱۴۴	انخلیل	۳۷	پیران کلیر
۱۵۸، ۵۲، ۲۳	خراسان		

۹۱	رزم	۱۸۸۱۱۸۹۱۱۹	خوارزم
۵۲	رومیل کھنڈ	>	
۱۹	رے	۱۹۳۱۱۵۳	دکن
	سرا	۱۰۳۰۶۹	دمشق
۲۲	نوابدان	۳۷۱۳۴۱۳۳۱۳۱۳۰۱۲۵۱۲۱	دہلی
۲۲	زرنج	۵۹۵۵۱۵۳۱۴۷۱۴۳۱۴۱۴۸	
۱۹	زرنجان	۹۰۱۸۹۰۸۲۷۹۷۶۷۳۷۷	
۱۵۲	زین آباد	۱۳۱۱۲۹۱۲۲۱۲۱۱۱۳۱۹۴۱۹۳	
	س	۱۶۸۱۱۵۸۱۱۵۷۱۱۵۲۱۱۵۱۱۴۷	
۲۳	سجڑ	۲۱۵۰۲۰۰۰۱۹۲۰۱۸۹۱۸۵۱۸۰	
۲۳	سجستان	۲۳۷	
۱۷۲۱۱۵۲	سلون	۳۱۲	دلیسنہ
۱۹	سمرقند	۴۸	دیگری
۲۲۱۱۸۳۱۸۰	سنارگاؤں	۱۹۳۰۱۵۸۱۱۵۲۱۹۴۱۹۳	دیوگیر
۲۱	سندھ	ڈ	
۲۱۱	سندیلہ	۱۸۰	ڈھاکہ
۲۳	سومناٹ	ر	
۴۷	سوستان	۱۶۵	راج شاہی
۲۲	سیستان	۲۰۰۱۹۷	راج گیر
	ش	۱۹۸	راج گرہا
۹۱	شام	۱۷	رائے بہیلی
۲۲۵	شاہ آباد	۴۹	رائے پور
۳۱۱	شیخ پورہ	۷۱	رگاب دار کی سرائے

و	۱۶۴	مرہٹ وارڈ
۸۵، ۸۴	ورنگل	مسیحی نبوی
د	۲۶۰	مگدھ
۱۵۸، ۱۵۶، ۷۲، ۶۷، ۴۶، ۲۸	۱۹۸	مہمان
۲۴	پانسی	منگمری
۷۵	ہلند	منہ پل
۱۹	ہمایوں کا مقبرہ	منہ دروازہ
۳۱، ۲۵، ۲۳، ۲۰، ۱۶	بہمان	مینر
۶۸، ۴۸، ۲۶، ۳۷، ۳۵، ۳۴	ہندوستان	مونگیر
۱۱۲، ۱۱، ۸۳، ۸۲، ۷۹، ۷۲	۳۱۱	میاں بازار
۱۵۳، ۱۵۱، ۱۴۷، ۱۴۱، ۱۲۸، ۱۱۸	۷۱	میدان پور
۱۷۱، ۱۶۹، ۱۶۸، ۱۶۶، ۱۶۵، ۱۶۰	۱۷	میوات
۱۹، ۱۹، ۱۸، ۱۸، ۱۷، ۱۷، ۱۷	۱۶۸	ن
۲۴۲، ۱۹۴	۱۹	نیشاپور
۲۹۸	۲۴	نیمروز

مدرسے، خانقاہیں اور کتب خانے

۷۶	درگاہ شیخ ضیاء الدین رومی	۱۷۸	انڈیا آفس
۳۱۲	کتب خانہ اصلاح	۳۱۱	خانقاہ بہار
۴۷	مدرسہ معزیہ	۱۵۳	خانقاہ مجیبی
۱۸	مرکز دعوت اصلاح و تبلیغ	۱۵۳	خانقاہ رشیدی
۴۹	مظاہر العلوم	۴۹	دارالعلوم دیوبند

سلسلے

۱۹۱	سلسلہ شطاریہ	۱۸۹	سلسلہ جنیدیہ
۱۵۳	سلسلہ صابریہ	۱۷۲، ۱۶۶، ۱۵۱، ۱۳، ۸۱	سلسلہ چشتیہ
۱۹۴، ۱۹۳، ۱۹۱، ۱۹۰، ۱۸۶	سلسلہ فردوسیہ	۲۳۷، ۱۹۰	
۳۱۱	سلسلہ کبرویہ	۱۵۴، ۱۵۳، ۱۲۹	سلسلہ چشتیہ نظامیہ
۱۸۹	سلسلہ بہانیہ	۱۸۶، ۱۷۸	سلسلہ سہروردیہ
۲۰۵، ۱۸۹			

مطابع

۲۳۶	مطبع مفید عام آگرہ	۱۸۱	مطبع احمدی
۱۸۳	مطبع نور الآفاق	۱۷۹	مطبع شرف الاخبار

ساز

سکے اور بانٹ

۱۱۹

چنگ

۱۵۸

تنک

۹۱

دف

۷۲

جیتل

۱۱۹

رباب

۱۵۸

دانگ

۹۱

شباب